جلد نمبر ۱۰

تفسیر

انوار النجف

فی

اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش

ہدیہ ، پانچ روپے

MAAB 1431
maablib.org

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-6-1977

انوارِ پنجتن

سید مصطفےٰ حسین صاحب تاجدار دہلوی القائم منزل سول لائن سرگودھا

○

ہر لفظ ہے ترازوئے حق پر تُلا ہوا
تسنیم و سلسبیل و لبن میں دُھلا ہوا
دریا ہے ایک رشد و ہدایت کا موجزن
تفسیر ہے کہ مصحفِ ناطق کُھلا ہوا

○

دُرجِ گہر ہے چشمِ حقیقت شناس میں
مفہومِ حق ہے نطقِ بشر کے لباس میں
جس کا مقام سرحدِ ریب و ریا سے دُور
جو آ سکے کبھی نہ حصارِ قیاس میں

○

maablib.org

حقوق الطبع محفوظة

قال رسول اللہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی

شیعیان آل محمد خصوصاً ذاکرین ومبلغین کے لئے نادر ونایاب تحفہ

المجلد العاشر من تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ حسین بخش صاحب جاڑا مجتہد العصر مدظلہ

بانی وسرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع میانوالی

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سورہ حج کے فضائل	۶
۲	رکوع نمبر ۸ ہول محشر	۷
۳	انسانی تخلیق	۱۰
۴	رکوع نمبر ۹	۱۳
۵	مشرکین کو تنبیہ	۱۴
۶	عذاب جہنم	۱۸
۷	رکوع ۱۰ جنت کا تصور	۱۹
۸	مسجد الحرام کی عظمت	۲۰
۹	رکوع نمبر ۱۱ تطہیر کعبہ	۲۱
۱۰	اعلانِ حج	۲۲
۱۱	فوائد حج	۲۵
۱۲	قول زور سے بچنے کا حکم	۲۸
۱۳	آدم و حوا کی جائے ملاقات	۳۱
۱۴	رکوع ۱۲	۳۲
۱۵	قربانی	۳۳
۱۶	رکوع نمبر ۱۳	۳۵
۱۷	گذشتہ اقوام سے عبرت	۳۷
۱۸	رکوع نمبر ۱۴	۳۹
۱۹	شیطانی سازش	۴۰
۲۰	نبی و رسول میں فرق	۴۰
۲۱	رکوع نمبر ۱۵	۴۳
۲۲	رکوع نمبر ۱۶	۴۴
۲۳	رکوع ۱۷ دعوت توحید	۴۷
۲۴	پارہ ۱۸	۵۰
۲۵	سورہ مومنون کے فضائل	۵۱
۲۶	بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد	۵۲
۲۷	لغو سے اعراض کرنا	۵۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	ضروری تنبیہ	۵۱
۲۹	علامات مومن	۵۶
۳۰	انسان کی پیدائش	۵۸
۳۱	حمل کا خون بہا	۵۹
۳۲	احسن الخالقین	۶۱
۳۳	طور سینا	۶۳
۳۴	رکوع نمبر ۲ حضرت نوح کا ذکر	۶۴
۳۵	نکتۂ لطیفہ	۶۶
۳۶	رکوع ۳ رسالت و بشریت	۶۷
۳۷	مریم و عیسیٰ دونو معجزہ تھے	۶۹
۳۸	امری مخلوق	۶۹
۳۹	موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ	۷۱
۴۰	ایک جاہل سے گفتگو	۷۴
۴۱	رکوع نمبر ۴	۷۵
۴۲	رکوع نمبر ۵ ذکر توحید	۸۱
۴۳	اللہ کا معنی	۸۴
۴۴	دلیل تمانع	۸۵
۴۵	رکوع نمبر ۶	۸۵
۴۶	اخلاق نبویہ	۸۷
۴۷	ہمزہ نح	۸۸
۴۸	نفخ صور	۸۹
۴۹	نکاتِ علمیہ	۹۰
۵۰	سورہ نور کے فضائل	۹۳
۵۱	نور کی حقیقت	۹۴
۵۲	قرآن میں نور کا استعمال	۹۶
۵۳	نور ہدیٰ اور رحمت	۹۷
۵۴	اول مخلوق	۹۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۵	اقبال وادبار کا معنی	۹۹
۵۶	عقل کی عظمت	۱۰۰
۵۷	نور و البشر	۱۰۲
۵۸	نور و عصمت	۱۰۵
۵۹	ایک مولوی صاحب کا مزعومہ	۱۰۷
۶۰	رکوع ۷ شان نزول	۱۱۰
۶۱	زنا کی شرعی سزا رجم اور اس کے احکام	۱۱۰
۶۲	نفی خلافت	۱۱۲
۶۳	قذف کی سزا اور اس کے احکام	۱۱۵
۶۴	رکوع ۸ قصۂ افک	۱۲۰
۶۵	غیبت اور بہتان میں فرق	۱۲۲
۶۶	رکوع نمبر ۹	۱۲۴
۶۷	خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے	۱۲۶
۶۸	رکوع نمبر ۱۰	
۶۹	دوسروں کے گھروں میں داخلے کی ممانعت	۱۲۶
۷۰	پردہ کا حکم	۱۲۸
۷۱	شادی کرنے کا حکم	۱۳۱
۷۲	مکاتب مطلق و مشروط	۱۳۴
۷۳	مفہوم مخالف کی حجیت	۱۳۵
۷۴	رکوع نمبر ۱۱	۱۳۶
۷۵	آیت نور	۱۳۶
۷۶	تاویل آیت	۱۳۹
۷۷	دوسری تاویل	۱۴۰
۷۸	تیسری تاویل	۱۴۰
۷۹	چوتھی تاویل	۱۴۱
۸۰	پانچویں تاویل	۱۴۱
۸۱	چھٹی تاویل	۱۴۱

maablib.org

۸۲	بیوت کی تفسیر	۱۴۲	۱۰۹	بارش کا پانی اور اس کے احکام	۱۶۹	۱۳۷	رکوع نمبر ۱۶	۲۲۲
۸۳	کافر کے اعمال سراب کی شکل ہیں	۱۴۴	۱۱۰	رکوع نمبر ۴	۱۸۳	۱۳۸	حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۲۲۴
۸۴	دلطیفہ، لاشی کا معنی	۱۴۵	۱۱۱	اللہ کے بندوں کی صفتیں	۱۸۴	۱۳۹	رکوع نمبر ۱۷ حضرت سلیمانؑ کا قصہ	۲۲۶
۸۵	رکوع نمبر ۱۱	۱۴۶	۱۱۲	سورۂ شعراء	۱۸۸	۱۴۰	وراثت انبیاء کا مسئلہ	۲۲۸
۸۶	عظمت پروردگار	۱۴۷	۱۱۳	رکوع نمبر ۵	۱۸۹	۱۴۱	حضرت سلیمانؑ کی حکومت	۲۳۱
۸۷	ایمان کا امتحان	۱۴۹	۱۱۴	رکوع نمبر ۶		۱۴۲	وادی نمل کا ذکر	۲۳۲
۸۸	رکوع نمبر ۱۳	۱۵۰	۱۱۵	حضرت موسےٰ کا ذکر	۱۹۰	۱۴۳	ہدہد کا غیر حاضر ہونا	۲۳۴
۸۹	آمد مہدی کی پیشین گوئی	۱۵۱	۱۱۶	رکوع نمبر ۷	۱۹۴	۱۴۴	ہدہد کی تیر پروازی پر اعتراض و جواب	۲۳۸
۹۰	آیہ استخلاف	۱۵۱	۱۱۷	رکوع نمبر ۸	۱۹۶	۱۴۵	حضرت سلیمان کا خط ملکہ سبا کے نام	۲۴۰
۹۱	رکوع نمبر ۱۴		۱۱۸	رکوع نمبر ۹		۱۴۶	رکوع نمبر ۱۸	
۹۲	آداب معاشرہ	۱۵۳	۱۱۹	حضرت ابراہیمؑ کا ذکر	۱۹۹	۱۴۷	ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو	۲۴۱
۹۳	حدیث مواخات	۱۵۸	۱۲۰	رکوع نمبر ۱۰	۲۰۲	۱۴۸	وفد کی روانگی	۲۴۳
۹۴	رکوع نمبر ۱۵	"	۱۲۱	حضرت نوحؑ کا ذکر		۱۴۹	ملکہ سبا کی آمد	۲۴۶
۹۵	حضرت حنظلہ کی شہادت	۱۵۹	۱۲۲	رکوع نمبر ۱۱	۲۰۴	۱۵۰	تخت بلقیس کی آمد	۲۴۶
۹۶	حضورؐ کو بلانے کے آداب	"	۱۲۳	حضرت ہودؑ کا ذکر	۲۰۴	۱۵۱	اسم اعظم	۲۴۷
۹۷	سورۂ فرقان	۱۶۱	۱۲۴	رکوع ۱۲		۱۵۲	ملکہ بلقیس کا اسلام	۲۵۱
۹۸	رکوع نمبر ۱۶		۱۲۵	حضرت صالحؑ کا ذکر	۲۰۶	۱۵۳	رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالحؑ کا ذکر	۲۵۲
۹۹	توحید کا بیان	۱۶۲	۱۲۶	بشریت و رسالت	۲۰۷	۱۵۴	حضرت لوطؑ کا ذکر	۲۵۵
۱۰۰	رسول کی بشریت پر کافروں کا اعتراض	۱۶۴	۱۲۷	رکوع نمبر ۱۳		۱۵۵	پارہ ۲۰	۲۵۶
۱۰۱	بشریت و رسالت	۱۶۶	۱۲۸	حضرت لوطؑ کا ذکر	۲۰۸	۱۵۶	رکوع نمبر ۱	۲۵۷
۱۰۲	شرک کا سبب	۱۶۸	۱۲۹	رکوع نمبر ۱۴		۱۵۷	بیان توحید	۲۵۷
۱۰۳	پارہ ۱۹		۱۳۰	حضرت شعیبؑ کا ذکر	۲۰۹	۱۵۸	علم غیب	۲۵۹
۱۰۴	رکوع نمبر ۱	۱۷۲	۱۳۱	رکوع نمبر ۱۵		۱۵۹	رکوع نمبر ۲	۲۶۰
۱۰۵	بُرے قرین سے تبرا	۱۷۳	۱۳۲	ولایت علیؑ	۲۱۲	۱۶۰	دابۃ الارض کی تشریح	۲۶۳
۱۰۶	رکوع ۲		۱۳۳	دعوت عشیرہ	۲۱۴	۱۶۱	رکوع نمبر ۳ آمد قائم علیہ السلام	۲۶۴
۱۰۷	اصحاب رس کا واقعہ	۱۷۵	۱۳۴	آبائے نبیؐ کا اسلام	۲۱۷	۱۶۲	نفخ صور	۲۶۵
۱۰۸	مشرکین مکہ کا شرک	۱۷۷	۱۳۵	شعراء کے معنی کی وضاحت	۲۱۹	۱۶۳	حرمت مکہ	۲۶۷
		۱	۱۳۶	سورہ نمل	۲۲۲			

تمت بالخیر

آئینۂ رموزِ خدا مشعلِ حیات
شرحِ بیانِ قصّۂ تخلیقِ کائنات
مہرِ علومِ آلِ محمّد ہے ضوفشاں
جلوہ نما ہے اس میں ہر اک خشک وتر کی بات

○

آیاتِ بیّنات کا نکھرا ہُوا چمن
طرزِ بیاں میں حسنِ نگارش کا بانکپن
اپنے جلو میں روحِ تقدس لئے ہوئے
گلدستۂ حدیقۂ انوارِ پنج تن

○

از یثرب و دیارِ نجف دشتِ کربلا
از گنجِ کاظمین و خراسان و سامرا
زیبِ نگارخانۂ تفسیر کے لئے
یک جا کیاں کہاں سے گئے درِّ بے بہا

○

آراستہ کیا ہے محل اعتقاد کا
لکھا ہے آبِ زر سے صحیفہ معاد کا
قبلہ حسین بخش کو روزِ جزا ضرور
قدرت عطا کرے گی صلہ اس جہاد کا

○

سورۃ الحج

اس سورہ کے مکّی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے ۔ ابن عبّاس سے اس کا مکّی ہونا اور حسن سے مدنی ہونا منقول ہے اس کی چند آیتیں نہ مکّی ہیں نہ مدنی بلکہ سفری ہیں ۔ اس کی آیات کی تعداد مشہور قرأت کی بنا پر اٹھتر ہے ۔

(۱) جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گذشتہ اور آیندہ کے تمام حاجیوں کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا ۔ (مجمع)

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص اس سُورہ کو ہر تیسرے دن پڑھتا ہے تو سال کے اندر اس کو حج نصیب ہوگی ۔ اور اگر دورانِ سفر میں مر جائے تو داخلِ جنّت ہوگا ۔ (مجمع ۔ برہان ۔ صافی)

(۳) کسی نے سوال کیا کہ اگر حج کرنے والا مخالف ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی (برہان صافی)

(۴) کافر ۔ ظالم اور ڈاکو اگر کشتی میں سوار ہوں ۔ پس ہرن کی جھلّی پہ اس سورہ کو لکھ کر اس کشتی میں رکھا جائے تو وہ کشتی ان کافروں ظالموں کو لے ڈوبے گی اور ایک نہ بچے گا ۔

(۵) اگر پانی سے دھو کر ظالم حکمران کی نشست گاہ پر چھڑکاؤ کیا جائے تو اس کا اقتدار بحکم پروردگار جلدی زائل ہو جائیگا عن الصادق علیہ السّلام ۔ (برہان)

رکوع نمبر ۸ ۔ ہول محشر

تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق عمران بن حصین اور ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ سورہ حج کی پہلی دو نو آیتیں اس رات کو اتریں جب کہ مسلمان غزوہ بنی مصطلق کے لئے روانۂ سفر تھے۔ حضورؐ نے آواز دی تو سب مسلمان سواریوں سے پیدل ہو کر آں حضرتؐ کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہو گئے۔ آپ نے یہ دونو آیتیں پڑھیں یہ سُنتے ہی صحابہ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ اس سے زیادہ گریہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ رات بھر اسی حالت میں گذر گئی اور دن ہوا تو گھوڑوں سے زینیں اتارنے اور خیام نصب کرنے کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا۔ کچھ رو رہے تھے اور کچھ غمناک جمیع محشر کی فکر میں دم بخود نظر آتے تھے کہ پھر ایک بار حضورؐ نے زبان وحی ترجمان کو جنبش دی اور دریافت فرمایا کیا جانتے ہو کہ یہ آیتیں کس دن کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اُس دن کا ذکر ہے جب خدا حضرت آدمؑ کو حکم دے گا کہ اپنی اولاد کو جہنم کے لئے روانہ کر دو تو آدمؑ عرض کریں گے اے پروردگار کس نسبت سے؟ تو ارشاد ہو گا ہر ہزار سے ۹۹۹ جہنم کی طرف اور ایک بہشت کی طرف بھیجو۔ یہ سنتے ہی صحابہ پر دوبارہ سخت گریہ کا عالم طاری ہوا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے کسی نے عرض کی اے آقائے نامدار! ایسی حالت میں نجات کون پائے گا؟ تو آپ نے فرمایا تم کو خوش خبری ہو کہ یاجوج و ماجوج کے مقابلہ میں تم اس طرح ہو جس طرح پورے سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا مجھے اُمید ہے کہ تم اہل جنت میں ¼ کی نسبت سے ہو گے۔ تب صحابہ کی دھارس بندھی اور ہوش ٹھکانے آئے۔ پس سب نے مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ نے فرمایا شاید تم اہل جنت میں ⅓ کی نسبت سے ہو گے تو صحابہ نے خوشی کے مارے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پس آپ نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ تم لوگ باقی اہل جنت میں ⅔ کی نسبت سے ہو گے۔ کیونکہ اہل جنت کی کل ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی، جن میں سے اسی ہزار صفیں صرف میری اُمت کے لئے مخصوص ہوں گی۔ اور میری اُمت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ عمر بن خطاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے تحقیق قیامت کا زلزلہ بڑی

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

شے ہے جس دن دیکھو گے کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی ماں

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

اپنے دودھ پیتے بچے کو اور گرا دے گی ہر حمل والی اپنا حمل

فوراً عکاشہ بن محصن نے عرض کی حضورؐ! میرے حق میں دُعا کیجئے کہ ان میں سے ہو جاؤں پس آپ نے اس کے حق میں دُعا فرمائی کہ اللہ اس کو ان میں سے قرار دے تو ایک انصاری نے بھی یہی التجا کی تو آپ نے فرمایا بس عکاشہ کی پہل ہے۔ ابن عباس کہتا ہے چونکہ وہ انصاری منافق تھا اس لئے حضورؐ نے اس کو ٹال دیا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے ابواسحق ہمدانی کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے محمد بن ابوبکر کو جب مصر کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو اس کو ایک چٹھی لکھی کہ تمام اہل مصر کو سنائی جائے۔

بس ستر ہزار؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے ہمراہ ستر ستر ہزار ہوں گے۔

اس میں سے چند فقرے یہ ہیں۔

" اے اللہ کے بندو! قبر سے اُٹھنے کے بعد کا منظر قبر سے سخت تر ہے۔ جس دن بچّہ دن کے طول اور اس کی سختی سے بوڑھا ہو جائے گا۔ ہوشمند بیہوش نظر آئے گا۔ حاملہ ماؤں کے شکم سے بچّے ساقط ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیوں کو دودھ پیتے بچّوں کا خیال نہ رہے گا۔ ایسا سخت دن جس کی سختی پُورے عرصۂ محشر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ معصوم فرشتوں میں سنسنی طاری ہو گی آسمان زمین اور پہاڑ کانپتے ہوں گے۔ آسمان پھٹ کر پراگندہ ہو گا۔ پہاڑ ذرّہ ذرّہ ہو کر سراب دکھائی دیں گے۔ نفخ صور سنتے ہی زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق گھبراہٹ سے بدحواس ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جو مستثنیٰ ہیں۔ بس اس آدمی کی کیا حالت ہو گی جو کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور جملہ اعضاء سے اپنے رب کی نافرمانی کر چکا ہو گا۔ اگر اللہ اپنے رحم و کرم سے اس کو بخش نہ دے تو اُس دن کی سختی سے اس کو کون بچائے گا؟

جہنم کی گہرائی دُور تک، گرمی سخت، پینے کو پیپ، عذاب تازہ بتازہ اور سر کے اُوپر لوہے کے گرز ہائے گراں کی لگا تار مار نہ اس میں وقفہ ہو گا، نہ جلنے والے پر موت آئے گی جہاں رحم کا نام نہیں اور چیخ و پکار کو کوئی سننے والا نہیں۔

اور یقین کرو۔ اللہ کے بندو۔ دوسری طرف اللہ کی رحمت بھی ہے۔ جنت جو زمینوں اور آسمانوں کے برابر وسیع ہے۔ جس میں متقی جائیں گے۔ دُکھ نہ ہو گا۔ اس کی لذات کے استعمال سے اکتانا نہ ہو گا۔ وصال کے بعد فراق نہ ہو گا۔ رہنے والے اللہ کی رحمت کے سایہ میں بسیں گے۔ ان کے سامنے نوجوان لڑکے خوشبوئیں اور میوہ جات سنہری پلیٹوں میں نہایت دل کش انداز و اچھے سلیقے سے رکھ کر تابع فرمان کھڑے ہوں گے"

اسی طرح بروایت قاضی شریح حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے اپنے ایک لمبے خطبے میں موت اور اس کے بعد حشر کا ہولناک منظر پیش فرمایا۔

چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

" اے شاہانہ ہیبت و جلال کے مالک نازک مزاج: تو نے ایک کچے مکان اور غبار آلود ٹھکانے کی طرف منتقل ہونا ہے تجھے ایسی جگہ رخسارہ ٹیک کر سونا ہو گا جہاں ملنے والے کم جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد جب قبریں شق ہوں گی اور تجھے میدانِ محشر کی طرف بھیجا جائے گا۔ تو اگر تیرا خاتمہ نیک ہوا تو سرور و انبساط، حکومت و سلطنت اور امن و آرام کا گھر ملے گا۔ موتیوں

کی طرح خوب صورت لڑکے شیریں وشفاف پانی کے بلوری جام ہاتھ میں لے کر غلامی کے لئے پیش ہوں گے۔ اہل بہشت عیش و عشرت میں بسر کریں گے اور اہلِ جہنم آگ کا عذاب لیں گے۔ یہ ریشم واطلس کے لباس میں ملبوس ناز وانداز سے ٹہلیں گے۔ اور وہ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پیچ وتاپ کھائیں گے۔ اِن کے ناک بہشت کے مشک وعنبر سے معطر ہوں گے۔ اور وہ آتش جہنم میں لوہے کے وزنی گرزوں کے ساتھ پیٹے جائیں گے۔ سیاہ چشم خوب صورت حُوریں خوشی خوشی ان سے معانقہ کریں گی اور اُن کی گردنوں میں دوزخ کے طوق وزنجیر ڈالے جائیں گے۔ اُن کی گھبراہٹ کا کوئی دفاع نہ ہوگا۔ اور اُن کی بیماری کا کوئی علاج نہ ہوگا۔

اے وہ انسان جس نے کیڑوں مکوڑوں کے سپرد ہونا ہے تو سُن اور دیکھ کر نصیحت وعبرت حاصل کر۔ آنکھ سے کہو کہ نیند کی لذّت کو خیرباد کہہ دے اور خوفِ خدا میں آنسوؤں کے ڈول بہائے کیونکہ تیرا قبر کا مکان خطرناک اور ہولناک جگہ ہے۔ اے حیا سے کورا انسان تیرا انجام موت ہے۔ اے غافل و سرپھرا انسان نصیحت حاصل کرنے والے کی بات سُن۔ حشر کا دن پیشی بازپرس اور جزاو سزا کا دن ہے۔ اس دن لوگوں کے اعمال کھلیں گے۔ گناہ گنے جائیں گے۔ گرمی کی شدّت سے آنکھوں کے ڈھیلے پگھلتے نظر آئیں گے۔ اور اس کی شدّت سے حاملہ ماؤں کے بچّے ساقط ہوجائیں گے۔ دوست دوست سے جُدا ہوگا۔ اُس ہول میں دانشمند بحرِ حیرت میں غوطہ زن ہوگا۔ زمین آبادی کے بعد بنجر ہوگی۔ اُس کی دل کشی اور سرسبزی تغیّر وانقلاب کا محل ہوگی

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى
اور دیکھو گے لوگوں کو بے ہوش حالانکہ وہ بیہوش نہ ہوں گے
وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کیے ہوئے اعمال میں سے حرف حرف کا سوال ہوگا۔ آنکھیں جھکی ہوں گی۔ سامنے حساب ہوگا اور پیچھے جہنم کا عذاب ہوگا اس کی ہولناک آواز کانوں سے ٹکرا رہی ہوگی۔ آنکھیں اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی ہوں گی وہاں نہ کوئی مددگار ومعاون ہوگا اور نہ کوئی غمگسار و جائے پناہ ہوگا اور تمام لوگ مواقفِ حساب کی طرف تیزی سے روانہ کیے جائیں گے۔

پل صراط پر پہنچیں گے تو دلوں میں لرزہ ہوگا اور جان لیں گے کہ اب بچاؤ مشکل ہے۔ بولنے کی اجازت نہ ہوگی، عذر مقبول نہ ہوگا زبانوں پر مہر ہوگی۔ بس ہاتھ اور پاؤں اپنے کرتُوتوں کے گواہ ہوں گے۔ ہائے کس قدر دردناک گھڑی ہوگی اور روح فرسا منظر ہوگا جب نتیجے کا اعلان ہوگا۔ ایک گروہ جنّت کی طرف اور دوسرا گروہ جہنّم کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ الخبر۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام سے موت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا مومن کے لئے ایک بہترین رُوح پرور خوشبو کی مانند ہے۔ جس کے سونگھنے سے تھکے ماندے انسان کو آرام وسکون آجاتا ہے اور وہ خوشی کی نیند سو جاتا ہے

اور کافر کے لئے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ - بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت سے پہلے ہوگا کیونکہ بعد میں ارشاد فرماتا ہے کہ حاملہ ماؤں کے حمل ساقط ہوں گے اور دودھ پیتے بچوں سے مائیں غافل ہوجائیں گی۔ اور حمل و رضاعت قیامت سے پہلے ہوگا نہ کہ قیامت کے دن۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہاں مقصود ہول محشر کو بیان کرنا ہے کہ اگر اس سختی کو کوئی حاملہ دیکھتی تو بچہ ساقط ہوجاتا اور ماں کو اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جاتا۔ اور زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے کا زلزلہ مُراد لیا جائے اور قیامت کی طرف نسبت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ زلزلہ اشراطِ قیامت سے ہوگا۔

يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ
اللہ کے بارے میں بے علمی سے اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی
مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
مقدر کی گئی ہے اس پر یہ بات کہ جو بھی اُسے دوست رکھے گا یہ اسے
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ
گمراہ کرے گا اور اُسے عذاب دوزخ کا راستہ دکھائے گا اے لوگو اگر تم کو شک ہے
كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ
مرنے کے بعد اٹھنے کا تو ہم نے تم کو پیدا کیا ہے

وَمِنَ النَّاسِ - یعنی بعض لوگ توحید پروردگار کے مسئلہ میں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں نضر بن حارث ایک باتونی آدمی تھا جو توحید کے بارے میں کج بحثی کرکے پیغمبر اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتا تھا۔ بس عجمیوں اور یہودیوں سے کچھ باتیں سن کر مسلمانوں پر طعنہ زنی کرنا اس کا شیوہ تھا اور یہ آیت اُسی کے متعلق ہے۔

شَيْطٰنٍ - یہاں قوم انسان کے شیطان مُراد ہیں جو اسلام کے خلاف نضر بن حارث یا دوسرے آدمیوں کو طعنہ زنی کی تحریک کرتے تھے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ - یعنی اس شیطان پر یا اللہ سے جھگڑا کرنے والے پر یہ بات لوح محفوظ میں ثابت ہے کہ جو بھی اس کی پیروی کرے گا وہ اس کو راہِ راست سے جھٹکا کر دوزخ کے راستہ پر لگائے گا۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ - حشر و نشر کے اثبات میں منکرین کے سامنے ایک عام فہم طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا (حضرت آدم و حوا کو) اور پھر نطفہ علقہ و مضغہ سے تم کو بنایا (اولادِ آدم کو) یعنی آدم کو ہم نے دفعۃً بلاتدریج مٹی سے پیدا کردیا اور اولادِ آدم کو تدریج کے ساتھ یعنی غلہ سبزیاں میوہ جات اور تمام کھانے کی چیزیں زمین سے پیدا کیں جن کو انسان نے کھایا تو ان سے خون پیدا ہوا۔ اور اُس سے انسان کا مادہ منویہ پیدا ہوا۔ جس کو نطفہ کہا گیا ہے پھر نطفہ عورت کے رحم میں

چالیس دن کے بعد خون جامد بن گیا جس کو علقہ کہا گیا ہے اور علقہ چالیس دن کے بعد مضغہ بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ کے بعد روح داخل ہو کر نفس انسانی تیار ہو جاتا ہے۔ بعض بچے روح کے داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن کو غیر مخلقہ کہا گیا ہے اور بعض بچے روح داخل ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد یعنی نو ماہ تک شکم مادر میں محفوظ رہ کر صحیح پیدا ہوتے ہیں جن کو مخلقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ش۵ پر ملاحظہ ہو

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ۔ حضرت آدم و حوا کو صرف مٹی سے بغیر تدریج کے اور تم کو مٹی نطفہ علقہ اور مضغہ کی ترتیب و تدریج سے پیدا کر کے ہم نے تم پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہم دفعۃً پیدا کرنے اور تدریجاً پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جب ابتداً ہیں ہم اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں تو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر کیونکر قادر نہیں ہیں؟

أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ بڑھاپے کی عمر کو رذیل ترین زندگی اس لئے کہا گیا ہے کہ دنیا کی تمام بہاریں اور رونقیں اس کے لئے نفع مند نہیں رہتیں نہ جوانی واپس آسکتی ہے اور نہ تندرستی لوٹ سکتی ہے

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ

مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کی بوٹی

مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ

سے تام یا غیر تام تاکہ ہم واضح کریں تمہارے لئے اور ہم

فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو چاہیں ایک میعاد مقرر تک پھر نکالتے ہیں تم کو

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ

بچہ تاکہ پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو اور تم میں سے بعض کو موت دی جاتی ہے

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ

پہلے اور بعض کو رد کیا جاتا ہے رذیل ترین زندگی کی طرف تاکہ کچھ نہ جانے بعد جاننے

پس یہ عمر حسرت اور ارمان کا مجموعہ ہوتی ہے کیونکہ لذائذ دنیا کو دیکھتا ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے جوانی کے لذائذ دنیاویہ پر آخرت کو ترجیح دی اور قرب خداوندی ان کا مطمح نظر رہا ان کا بڑھاپا وصال پروردگار کا پیغام ہوتا ہے اور خدا ایسے لوگوں کا احترام باقی لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس وہ باعزت دنیا سے جاتے ہیں اور اللہ کے ہاں باعزت مہمان ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سو سال اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پچھتر سال کے بعد ارذل عمر ہونا منقول ہے۔

اِھْتَزَّتْ: اھتزاز کا معنی ہوتا ہے خوشی سے جھومنا یہاں خشک زمین پر بارش پڑنے کے بعد اس کی سرسبزی و شادابی اس کا اہتزاز ہوتا ہے۔ زوج سے مراد اس مقام پر قسم اور صنف ہے اور بھیج بہجت سے ہے جس کا معنی رونق ہوا کرتا ہے۔

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا

کے اور دیکھتے ہو زمین کو خشک پس جب ہم نے اس پر

عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ

پانی برسایا تو متحرک ہوئی اور بڑھی اور اگانے لگی ہر قسم کی پر رونق انگوریاں

زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي

یہ اس لئے کہ اللہ حق ہے اور وہی مردوں کو

الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥ وَأَنَّ السَّاعَةَ

زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور تحقیق قیامت

آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ⑦

آنے والی ہے بلاشک اور تحقیق اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا

اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر

هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ

ہدایت کے اور بغیر کسی بھی کتاب کے پہلو مروڑ کر چلتے ہیں تاکہ گمراہ کریں

ذٰلِكَ: یعنی تمام بیان کردہ امور کو مثلاً مخلوق کو پیدا کرنے پر تدریج سے یا بلا تدریج اسی طرح زمین سے قسم قسم کی انگوریاں اگانے پر بلکہ کائنات کے جملہ تصرفات پر پوری قدرت رکھنا اس لئے ہے کہ وہی ہے خدائے برحق اور اسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہ جس طرح ابتداءً سب کا خالق ہے اسی طرح دوبارہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے غرضیکہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ پس یقین کر لو کہ قیامت ضرور آئے گی اور قبروں میں دفن ہونے والوں کو اللہ ضرور اٹھائے گا۔

يُجَادِلُ: یعنی بعض لوگ بے علمی سے مسئلہ توحید میں جھگڑا و مناظرہ کرنے لگتے ہیں نہ ان کے پاس دلیل ہوتی ہے اور نہ کسی سچی کتاب کا سہارا ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس علم ہو دلیل قائم کر سکتا ہو اور کسی سچی کتاب کا سہارا بھی اس کو حاصل ہو تو اس کے لئے مناظرہ کرنا جائز اور درست ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ حق کا علمبردار ہوگا اور لوگوں کے لئے حق کے قریب ہونے کا موجب بنے گا اور بخلاف اس کے بے علمی کی صورت میں خود بھی

حق سے دور ہو گا اور لوگوں کے لئے بھی غلط عقائد کی راہ ہموار کرے گا۔

ثَانِیَ عِطْفِهٖ۔ یعنی ازراہِ تکبر پہلو مروڑ کر چلتا ہے ابھی آیت نمبر ۳ میں گذرا ہے کہ اس کا مصداق نضر بن حارث تھا جو بے علم اکثر مزاج اور متکبر قسم کا جھگڑالو آدمی تھا اور مسلمانوں کو بالعموم تنگ کرتا تھا اور تاویلی طور پر ہر وہ بندہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے جو یہ عادات رکھتا ہو جیسا کہ دورِ حاضرہ میں بعض سر پھرے ٹھیکہ دارانِ منبر دامن توحید پروردگار کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور صرے سے خدا کی خالقیت کو چیلنج کرتے ہوئے عوام کو شرک کا درس دیتے ہیں کہ خدا نے تو صرف محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا باقی سب مخلوق کو انہوں نے پیدا کیا۔ پس اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج کے لئے علمائے حقہ پر قسم قسم کے ناروا حملے کرنا ان کو وہابی کہنا اور مناظرہ کے لئے للکارنا ان کا شیوہ ہے۔ تعالیٰ اللہ عمّا یشرکون۔

سَبِيلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيقُهٗ يَوْمَ	**رکوع نمبر ۹**
اللہ کے راستہ سے اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور اس کو چکھائیں گے قیامت کے دن	عَلٰى حَرْفٍ۔ حرف کا
الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ	معنی کنارہ ہوتا ہے یعنی
جلنے کا عذاب یہ اس لئے کہ کمایا ہے تیرے ہاتھوں	جس طرح کسی کنارے پر کھڑا
يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۰﴾ ع وَمِنَ	ہوا انسان کمزور حالت میں ہوتا ہے کہ نہ اس کو ثابت رہنے کا یقین ہوتا ہے اور نہ
نے اور تحقیق اللہ بندوں پر ظالم نہیں ہے اور بعض لوگ	اس حالت میں کسی کا مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ ہر وقت گرنے
النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ	کا خطرہ اس کو لاحق رہتا ہے
عبادت کرتے ہیں اللہ کی غیر یقینی پس اگر پہنچے اس کو	اسی طرح بعض کمزور ایمان
خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى	والے لوگوں کی حالت ہے کہ چونکہ ان کے دلوں میں ایمان
بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس پہ اور اگر پہنچے اس کو آزمائش تو الٹا ہو جاتا ہے	پختہ نہیں ہوتا اور ہر معمولی

سے معمولی شبہ بھی اُن کے ایمان کی عمارت کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس کنارے پر کھڑے ہوئے انسان کی طرح اس کی عبادت بھی کمزور اور غیر یقینی ہوتی ہے کہ اگر اس کی توقع کے مطابق خوش حالی اور وسعتِ رزق اس کو حاصل ہو جائے تو اس کا دل مطمئن اور وہ اپنے ایمان سے راضی رہتا ہے لیکن اگر تھوڑی سی آزمائش اور تکلیف پہنچ جائے تو اس کا دل شکوک و شبہات

کا منبع بن جاتا ہے۔ اور اُلٹے قدم وہ کفر و الحاد کی وادی میں جا گرتا ہے۔ ایسا شخص نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا کیونکہ اس پر بنیادی تنگی اللہ کی جانب سے آزمائش کے طور پر پہنچ گئی اور دین سے خود ہاتھ دھو بیٹھا

یَدْعُوا لَمَنْ۔ لام ابتداء۔ اس لام کا مسئلہ نحویوں کے نزدیک ایک معرکۃ الآراء مقام ہے۔ کیونکہ لام جارہ اور لام امر کے علاوہ جو لام مفتوحہ معانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

اپنے منہ پر وہ دنیا و آخرت کے خسارے میں ہے اور یہ واضح خسارہ

الْمُبِيْنُ ۝۱۱ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا

ہے پکارتا ہے اللہ کے سوا اس کو جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے

لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۲ يَدْعُوْا لَمَنْ

نہ نفع یہ ہی تو سخت گمراہی ہے اور اس کو پکارتا ہے

ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝۱۳

جس کا نقصان نفع سے زیادہ قریب ہے البتہ وہ برا معاون اور برا ساتھی ہے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

(۱) اِن مخففہ کی خبر پر داخل ہوتی ہے (۲) فعل مضارع اور فعل ماضی پر داخل ہوتی ہے جب کہ وہ جواب قسم واقع ہو (۳) شرط پر داخل ہوتی ہے جب کہ جزا کا اعتماد قسم پر ہو جس طرح لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا۔ (۴) اسماء مبتداء پر داخل ہوتی ہے یا اِنَّ کے اسم و خبر پر یا فعل مضارع پر جب کہ حال واقع ہو۔ ابو علی کہتا ہے کہ اس لام کا خبر پر داخل کرنا بھی ضرورت شعری کے ماتحت ہوتا ہے حالانکہ

خبر حقیقت میں عین مبتدا ہوتی ہے ورنہ حمل درست نہیں رہتا مثلاً زیدٌ قائمٌ میں قائم بعینہٖ زید ہے۔ بنا بریں موصول پر لام کو داخل کر کے صلہ مراد لینا ناجائز ہے کیونکہ صلہ تو عین موصول نہیں ہوتا جس طرح خبر عین مبتدا ہوتی ہے لہٰذا جن لوگوں نے آیت مجیدہ میں یہ کہا ہے کہ دراصل یہ لام صلہ پر داخل تھی اور اُسے مقدم کر دیا گیا ہے یعنی تقدیر عبارت یہ تھی یَدْعُوْا مَنْ لَضَرُّهٗ اَقْرَبُ الخ جیسا کہ زجاج نے کوفی اور بصری نحویوں کی طرف بغیر وجہ بیان کئے یہ قول منسوب کیا ہے درست نہیں بلکہ غلط ہے۔ پس اس کا حل یہ ہوگا کہ یا تو دوسرے یَدْعُوْا کو پہلے یدعوا کا تکرار کہا جائے کیونکہ یہ فعل (دعا) کثیر الوقوع ہے اور چونکہ پہلا یَدْعُوْا متعدی استعمال ہو چکا ہے لہٰذا دوسرے کو متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا دوسرے یدعوا کے بعد ھا، ضمیر غائب کو محذوف مانا جائے جو اس کا

مفعول ہو اور جملہ فعلیہ کو ذٰلک سے حال قرار دیا جائے یا ذالک کو الّذی کے معنی میں اسم موصول قرار دیا جائے اور ھُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ۔ کو اس کا صلہ بنا کر یَدۡعُوۡا کا مفعول مقدم قرار دیا جائے جس طرح مَا تِلۡكَ بِیَمِیۡنِكَ یٰمُوۡسٰی میں تِلۡكَ کو الّذی کے معنی میں بعض نحویوں نے موصول قرار دیا ہے۔ پس ان تینوں صورتوں میں یَدۡعُوۡا کا مابعد سے کوئی تعلق نہیں اور لام مبتدا پر داخل ہے جو کہ مَنۡ موصولہ ہے اور بعد میں اس کا صلہ ہے اور صلہ و موصول مل کر محل رفع میں ہیں کیونکہ مبتدا ہیں اور لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰی میں لام کا مدخول اس کی خبر ہوگا۔ اور یہ لام جواب قسم ہے جیسے لام یمین بھی کہا جاتا ہے۔ زجاج نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ یَدۡعُوۡا کا معنی یَقُوۡلُ کیا جائے اور لام کا مدخول موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہو اور اس کی خبر مولائی محذوف مانی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یَدۡعُوۡا کو یُسَمّیۡ کے معنی میں قرار دیا جائے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السّلام سے آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے شرک کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی لیکن محمد مصطفےٰ کی ان کو معرفت حاصل نہ ہوئی پس وہ اللہ کی عبادت شک کی صورت میں کرتے ہیں اور حضرت رسالت مآبؐ کے متعلق وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کی برکت سے ہمارے مال زیادہ ہوئے جسم میں تندرستی رہی اور اولاد عطا ہوگئی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا رسول ہے ورنہ پھر سوچیں گے۔ انہی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اگر اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی تکلیف یا غیر متوقع صورت پیش آئے تو شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کو پکارنے لگتے ہیں جن کا نقصان نفع سے قریب تر ہے۔ بلکہ نفع ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا

بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں تحقیق اللہ کرتا ہے جو چاہتا

یُرِیۡدُ ⑭ مَنۡ کَانَ یَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِی

ہے جس کا یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ اس (محمدؐ) کی

الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ

دنیا و آخرت میں پس لمبا کرے اپنا رسّہ آسمان کی طرف پھر ختم

مَنۡ کَانَ: چونکہ جناب رسالت مآبؐ کی ہر مقام پر اللہ مدد فرماتا تھا اور آپ جس طرف کا رخ کرتے کامیابی و کامرانی آپ کے لئے چشم براہ ہوتی تھی تو کافر و منافق طبع لوگوں کی طبیعتوں پر بوجھ پڑتا تھا۔ پس ان کی تذلیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر کسی کو میرے پیارے رسول کا کامیاب و کامران ہونا ناگوار ہے اور وہ اپنے غم و غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ بس اب خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ کمر ہمت باندھ کر میری مدد کے راستوں کو روک لے چنانچہ آسمان پر کمند ڈال کر اوپر جانے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اپنی انتہائی کوشش کے بعد تھک کر بیٹھ جائے یا انہی کوششوں

maablib.org

ہیں مر جائے اور نتیجہ ہیں دیکھے کہ کیا اس کی حیلہ سازیاں اور مکاریاں میرے حبیب کا کچھ بگاڑ سکیں گویا اللہ کی طرف سے چیلنج ہے

لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٦﴾

ہو جائے پس دیکھے کیا دور کر سکتا ہے اس کا حیلہ اس چیز کو جس سے وہ غصہ کرتا ہے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا واضح آیات اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے جسے

يُّرِيْدُ ﴿١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ

چاہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی

وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ

اور نصرانی اور مجوسی اور جو مشرک ہوئے تحقیق اللہ ان

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

سب کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن تحقیق اللہ ہر چیز پر حاضر

شَهِيْدٌ ﴿١٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي

ہے کیا تم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَ

میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور

النُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ

ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے

کر تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ لیکن میرے رسول کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ نصرت پروردگار بذریعہ وحی یا امدادِ ملائکہ آسمان کی جانب سے ہی آتی ہے اس لئے آسمان کا ذکر کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی بروز محشر مومنوں اور کافروں کے تمام گروہوں کے درمیان فیصلہ ہو گا۔ مجوسی بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق پوری تحقیق نہیں ہو سکی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی محارم کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی علوی و سفلی تمام مخلوق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ارباب عقول کا سجدہ تشریعی ہے جو اپنے اختیار سے بجالائیں۔ اور ان کی ہیئت مخصوصہ اور اپنی تمام امور میں بے بسی اور اس کے ارادہ و مشیت کے سامنے بے چارگی ان کا سجدۂ تکوینی ہے اور باقی مخلوقات ارضی و سماوی مثلاً

چاند، سورج، ستارے اور دریا پہاڑ وغیرہ کا سجدہ سجدۂ تکوینی ہے کہ قدرتِ خداوندی کے سامنے وہ ہر وقت سرنگوں ہیں۔

النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَن يُهِنِ

لوگ بھی اور بہت سوں پر ثابت ہے عذاب اور جس کو اللہ ذلیل

اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ (۱۸)

کرے اس کو کون عزت دے سکتا ہے تحقیق اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا

ان دو گروہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس جو کافر ہیں

قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ

کاٹے جائیں گے ان کے کپڑے آگ سے کہ پلٹا جائے گا ان کے سروں پر

رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (۱۹) يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ

کھولتا ہوا پانی کہ پگھل جائے گا اس کے ذریعے سے جو ان کے

وَالْجُلُودُ (۲۰) وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ (۲۱) كُلَّمَا

پیٹ میں ہے اور چمڑے اور ان کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے جب اس

أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَ

سے نکلنا چاہیں گے تکلیف کی وجہ سے تو اسی میں پلٹائے جائیں گے اور

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۲۲) ع

دکھایا جائے گا، کہ چکھو جلنے کا عذاب

كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ اس مقام پر ان کا سجدہ تشریعی مُراد ہے کہ بہت سے بندے اپنے ارادہ و اختیار سے توحید پروردگار کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔

حَقَّ عَلَيْهِ۔ یعنی بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے خالق سے برسرپیکار رہتے ہیں اور وہ اس کے سامنے جھکنے سے انکاری رہتے ہیں پس اُن پر عذاب حق ہو چکا ہے۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ یعنی مومنوں اور کافروں کے دو گروہ آپس میں توحید کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تمام گروہ باوجود اختلافِ عقائد کے ایک گروہ کے شمار میں ہیں کیونکہ کلمہ کفر سب پر صادق آتا ہے مثلاً نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم لوگ رب کے زیادہ قریب ہیں

کیونکہ ہمارا نبی تم سے پہلے تھا اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم رب کے پیارے ہیں کہ ہم تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم لوگ حسد و کدورت کی بنا پر ہمارے نبی کی تصدیق نہیں کرتے۔

مَقَامِعُ ۔ جمع ہے مقمع کی یعنی لوہے کا ہتھوڑا یا گرز۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جہنم کے گرزوں میں سے ایک گرز اگر زمین پر رکھا جائے اور پھر تمام جنّ و انسان مل کر اُسے اُٹھانا چاہیں تو وہ اتنا وزنی ہوگا کہ یہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ آگ کے شعلے جب دوزخیوں کو اُوپر کی سطح پر اُٹھا لائیں گے تو ان کے سروں پر وہ گرز مارے جائیں گے پس ستر خریف کی مسافت سے وہ نیچے چلے جائیں گے۔ (بعض روایات میں ستر سال منقول ہے) جب تہ پر پہنچیں گے تو جہنم کے شعلے پھر ان کو اُوپر کی طرف اُبھاریں گے اور اسی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

عذاب جہنم کا ایک منظر

تفسیر صافی و برہان میں بروایت قمی منقول ہے ایک مرتبہ ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے فرزند رسول میرا دل سخت ہوگیا ہے (کچھ موعظہ فرمائیے) اور مجھ کو خوفِ خدا یاد دلائیے۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے محمدؐ ایک لمبی زندگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جبریل ایک مرتبہ حضوؐر کے پاس تلخ چہرے کے ساتھ حاضر ہوا حالانکہ وہ بالعموم مسکراتا ہوا آیا کرتا تھا۔ آپ نے تلخی کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگا کہ میں ابھی آگ کی پھونکنیاں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ تو کہنے لگا کہ پروردگار کی جانب سے آتش جہنم کو بھڑکانے کا حکم ہوا تو ایک ہزار سال تک اس کی آگ کو پھونکا گیا یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد وہ سرخ ہوگئی پھر تیسری مرتبہ ایک ہزار سال کے بعد وہ سیاہ ہوگئی۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جہنمیوں کے پانی میں سے ایک قطرہ اگر دنیا کے پانی میں مل جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل زمین مرجائیں گے جہنّم کے زنجیر جو ستر ستر ہاتھ لمبے ہیں ان کی ایک کڑی اگر دنیا میں ظاہر ہو جائے تو ساری دنیا اس کی حرارت سے پگھل جائیگی اور اگر کسی دوزخی کی ایک قمیص زمین و آسمان کے درمیان لٹکائی جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل دنیا مر جائیں گے۔ یہ سن کر حضوؐر پر گریہ طاری ہوا اور جبریل بھی ساتھ رونے لگا تو فوراً ایک دوسرا فرشتہ جانب پروردگار سے نازل ہوا کہ خاتم دونوں کو بعد سلام کے فرماتا ہے کہ تم کو گناہوں سے میں نے محفوظ کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد کبھی جناب رسالت مآبؐ کو کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا دوزخی دوزخ کو بڑا سمجھتے ہیں اور جنتی جنّت کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اور جب جہنّمی کو اُوپر کے کنارے سے جہنم میں گرایا جائے گا تو ستر سال کی مسافت کے برابر گہرائی تک چلا جائے گا اور جب پھر اوپر آئے گا تو لوہے کے گرزوں سے اس کے سر پہ مار پڑے گی۔ پس وہ پھر تہ تک چلا جائے گا جس طرح آیت مجیدہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ درد و تکلیف سے اُوپر کو اُبھریں گے تو لوہے کے گرزوں سے ان کو مارا جائے گا اور چمڑے جل جانے کے بعد تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ پس آپ نے فرمایا اے ابو بصیر اتنا کافی ہے یا کچھ اور بھی بیان کروں تو وہ کہنے لگا حضور اسی قدر کافی ہے۔

اور تفسیر برہان میں ابن طاؤس کی روایت کے مطابق جبرئیل نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے برحق نبی مبعوث کیا ہے اگر سوراخِ سوزن کے برابر آتشِ جہنم کی حرارت کو زمین کی طرف راستہ ملے تو سب کے سب انسان اس کی گرمی سے تڑپ کر مرجائیں گے اور اگر ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر زمین پر بھیجا جائے تو اہلِ زمین اس کو دیکھ کر ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اس کے زنجیر کو صرف ایک ہاتھ کے برابر دنیا کے تمام پہاڑوں پر رکھا جائے تو سب دنیا کے پہاڑ پگھل جائیں گے اور اگر کسی دوزخی کا کوئی کپڑا دنیا پر ظاہر کیا جائے تو سب اس کی بدبو سے مرجائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے قسم کھا کر حضورؐ نے فرمایا۔ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر گر جائے تو سب پہاڑ زمین میں دھنس جائیں گے تو کیا حال ہوگا اس بندے کا جس کی یہ خوراک ہوگی اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر غسلین کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ٹپکے تو تمام پہاڑ اس کو برداشت نہ کرسکیں گے تو کیا حال ہوگا اُس کا جس کو پینے کے لئے وہی ملے گا۔ اسی طرح ایک گرز اگر پہاڑوں پر رکھا جائے تو اس کے وزن سے تمام پہاڑ زمین دوز ہوجائیں گے تو کیا حال ہوگا اس کا جس کے سر پر ان کی مار پڑے گی۔ اور ایک روایت میں ہے جہنمیوں کی حالت یہ ہوگی کہ اُوپر کا ہونٹ بلند ہوکر سر کے برابر آجائے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

رکوع نمبر ۱۰

جنّت کا تصوّر

حَرِیْرٌ۔ خداوند کریم نے دنیا میں ریشمی لباس مردوں پر حرام کیا ہے اور جنّت میں اس لباس کی پیش کش فرمائی ہے وہاں ہر قسم کی زینت سے مزیّن ہوکر نعماتِ پروردگار میں عیش و آرام کی دائمی زندگی ہوگی وہاں نہ لغویات نہ فضول گپیں اور نہ دل آزار آوازیں ہوں گی

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے بہشتوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے اس میں کنگن سونے اور موتیوں

مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَ

کے اور ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا اور

هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

بھیجے جائیں گے طرف عمدہ باتوں کے اور بھیجے جائیں گے طرف اللہ کے راستہ کے (جو حمید ہے)

بس پیار و محبت کے لہجے میں جنّتی لوگ آپس میں ہم کلام ہوں گے اور بعض اوقات فرشتوں کے ساتھ بھی تحیۃ وسلام سے ملاقاتیں

ہوں گی۔ اور اسی کو طیّب قول کہا گیا ہے۔

حمید کا معنی ہے قابل حمد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سے مُراد ذاتِ پروردگار ہے۔ نیز اسلام اور جنت بھی مُراد لئے گئے ہیں اور تفسیر اہلِ بیت میں ہے کہ یہ آیتیں بالخصوص حضرت حمزہ، جعفر طیّار، عبیدہ، سلمان، ابوذر، مقداد بن اسود اور عمار کے حق میں نازل ہُوئی ہیں اور حمید سے مُراد حضرت امیر المومنین علیہ السّلام ہیں۔ ایک روایت میں حمید سے مراد ولایت ہے (صافی)

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ ابو بصیر کی خواہش پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے جنّت کی تعریف فرمائی کہ کم از کم نعماتِ جنّت میں سے یہ ہے کہ اس کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے سونگھی جا سکے گی۔ اور معمولی جنتی کا مکان اس قدر وسیع ہوگا کہ تمام جنّ و انسان اگر اس کے ہاں مہمان ہوں تو سب کے لئے کافی ہوگا اور ان کے کھانے پینے کے بعد یوں معلوم ہوگا کہ کسی نے کچھ نہیں کھایا اور کم از کم بہشتی کے لئے جنّت کے تین درجے ہوں گے جب پہلے درجے میں پہنچے گا تو اس میں غلام کنیزیں نہریں اور میوہ جات اس قدر دیکھے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور دل باغ باغ ہوگا۔ پس شکرِ پروردگار بجالائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اپنا دوسرا درجہ دیکھو۔ چنانچہ جب اس باغ کی طرف نظر کرے گا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ نعمات کی اس میں فراوانی پائے گا۔ پس اس میں داخل ہو کر شکر پروردگار بجالائے گا۔ تو حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اُوپر دیکھو۔ پس جنّت الخلد پر اس کی نظر پڑے گی تو پہلے دونو باغات سے کئی گنا زیادہ نعمات کو ملاحظہ کرے گا۔ پس مسرورِ دل سے خدا کے شکر میں رطب اللّسان ہوگا۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا مومن کو آٹھ سو کنواری اور چار ہزار ثیّب حوریں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ دو حور العین خدا عطا فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ ان کی تخلیق جنّت کی نورانی مٹی سے ہوگی۔ الخبر ملخصاً۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ
تحقیق جو لوگ کافر ہیں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاکِفُ
مسجد الحرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا کہ اس میں مقامی اور

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا آیت میں مضارع کو ماضی پر اس لئے عطف کیا گیا ہے کہ فعل مضارع بھی ماضی کے معنی میں ہے۔ یعنی جنہوں نے کفر کیا اور راہ خدا سے اور مسجد الحرام سے لوگوں کو روکا۔

جَعَلْنٰہُ ۔ اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی جس کو ہم نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔

اَلْعَاکِفُ ۔ عاکف کا معنی مقیم یعنی وہاں کا باشندہ اور بادی سے مراد جو بیرون جات سے حج کے لئے حاضر ہو۔ اس کا مادہ بدو ہے جو حضر کے مقابلہ میں ہے۔

بِإِلْحَادٍ ۔ الحاد کا معنی ہوتا ہے راہِ حق سے کنارہ کشی اور اس جگہ باء جارہ زائدہ ہے ۔ خداوند کریم نے حدودِ حرم کے اندر کے حصہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ وہاں کوئی کسی پر دست درازی کرنے کا مجاز نہیں حتیٰ کہ وہاں شرعی حد بھی کسی مجرم پر جاری نہیں کی جا سکتی، البتہ جو شخص حدودِ حرم کا حیا نہ کرے اور جرم کا ارتکاب حدودِ حرم کے اندر کرے تو اس کو سزا بھی حدودِ حرم کے اندر دی جا سکتی ہے ۔ اور اسی حکم کے متعلق آیت مجیدہ میں ہے ۔ مَنْ يُرِدْ الخ یعنی جو حرم کے اندر الحاد یعنی راہ حق سے تجاوز کر کے ظلم کا ارتکاب کرے اس کو سزا دی جائے گی ۔

آیت مجیدہ صاف اعلان کر رہی ہے کہ مکہ کی زمین میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں نہ اس جگہ کی زمین کو بیچنا جائز ہے اور نہ اس کا کرایہ لینا جائز ہے بلکہ سب مسلمان اس میں برابر رہ سکتے ہیں اور احادیث میں ہے پہلے مکہ کے گھروں میں دروازے بھی نہیں ہوا کرتے تھے باہر سے آنے والا آزادانہ کسی کے گھر میں رہ کر فرائض حج ادا کر کے واپس چلا جاتا تھا اور مسلمانوں میں پہلا شخص معاویہ ہے جس نے مکہ میں اپنی رہائش گاہ کے لئے دروازہ بنایا (برہان) بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ ان کے حق میں ہے جنہوں نے حدیبیہ کے سال رسول خدا کو مکہ سے روکا تھا

فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ
دیہاتی برابر ہیں اور جو ارادہ کرے گا اس میں خلاف حق ظلم کا تو چکھائیں گے
مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ ع وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ
اس کو دردناک عذاب ۔ اور جب ٹھکانا دیا ہم نے ابراہیم کو اپنے
مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ
گھر کا مکان (اور حکم دیا) کہ نہ شرک کر میرے ساتھ کچھ اور پاک رکھ میرے

الجمع

رکوع نمبر ۱۱

وَإِذْ بَوَّأْنَا ۔ بعض مفسرین نے بَوَّأْنَا کا معنی نشان دہی کرنا ۔ بیان کیا ہے ۔ یعنی اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ (کعبہ) کے مکان کی جگہ بتائی ۔ کیونکہ جب تعمیر کعبہ کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ حیران تھے کہ کس جگہ اس کی بنیاد رکھی جائے ۔ پس بحکم پروردگار ایک تیز ہوا چلی جس نے اوپر سے مٹی کو اڑا کر ہر چہار طرف سے کعبہ کی اصلی بنیاد کو ظاہر کر دیا جس پر طوفانِ نوح سے پہلے وہ بنا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بادل کو بھیجا جو کعبہ کی اصلی بنیادوں کے سیدھ میں رک گیا اور بقدرتِ خداوندی اس نے کلام کیا کہ میرے برابر زمین پر کعبہ کی بنیاد رکھئے ۔

وَأَنْ لَا تُشْرِكْ ۔ یعنی یہ کہ میری توحید کو بیان کرو کیونکہ عدم شرک کا لازم معنی توحید ہے ۔

طَهِّرْ ۔ چونکہ اس جگہ مفہوم دو ہیں (۱) رفع نجاست (۲) دفع نجاست ۔ کیونکہ شے کے نجس ہو جانے کے بعد اس کو پاک کرنا

رفع نجاست ہے اور سرے سے اس کو نجس ہونے سے بچانا اور نجاست کو اس کے قریب نہ آنے دینا دفع نجاست ہے اور تطہیر ان دونو معنوں پر صادق آتی ہے۔ لیکن اس مقام پر صرف دفع نجاست کا مفہوم مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ کعبہ پاک تھا اور اس کے پاک رکھنے اور اس سے آنے والی نجاست کو دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ نجس تھا اور اس سے نجاست کے دور کرنے اور اس کے پاک کرنے کا اب حکم دیا جا رہا تھا جس طرح آیت تطہیر میں بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا پاک رکھنا (دفع رجس) مراد ہے نہ کہ پاک کرنا (رفع رجس)

لِلطَّآئِفِینَ ۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کعبہ کے ارد گرد اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں جن میں سے ساٹھ صرف طواف کرنے والوں کے لئے ہیں چالیس نمازیوں کے لئے ہیں اور باقی بیس کعبہ کے زواروں کے لئے ہیں۔

لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾

گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ

اور اعلان کر دو لوگوں میں حج کا آئیں گے تیرے پاس پیدل اور ہر کمزور

كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾

سواری پر (سوار ہو کر) جو آئیں گی دور دراز راستوں سے

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ

تاکہ حاضر ہوں وہ اپنے نفع کے مقام پر اور ذکر کریں اللہ کا نام

اَذِّن ۔ اس خطاب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیم کو خداوند کریم کی جانب سے حکم پہنچا کہ حج بیت اللہ کے لئے اعلان کرو اور لوگوں کو حج کی دعوت عامہ دو چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد میں اعلان کیا اور دوسرا یہ کہ خطاب حضرت رسالت مآبؐ کو ہے۔ پس آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا اور لوگوں کو وجوب حج اور اس کی اہمیت اور اس کے اعمال سے آگاہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ باذن پروردگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز قیامت تک آنے والی ہر اس روح نے سنی جن کے لئے علم ازلی پروردگار میں حج کرنا مقرر تھا جس طرح حضرت سلیمان نے باوجود انتہائی بلندی اور لشکری شور و غل کے زمین پر دھیمی اور خاموش آواز سے بولنے والی ایک چیونٹی کی آواز سن لی اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم کوہ ابو قبیس پر چڑھے اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے اعلان حج فرمایا۔ پس لوگوں کی پشتوں میں ہونے والوں نے بھی

maablib.org

لبیک کیا اور اس دعوت کو قبول کرنے میں اہل یمن نے پہل کی۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیم کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی اے پروردگار میری آواز لوگوں تک کس طرح پہنچے گی ؟ تو ارشادِ قدرت ہوا اعلان کرنا تیرا کام ہے اور آواز کا ہر کان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ اس وقت مقامِ ابراہیم بالکل بیت اللہ سے متصل تھا پس آپ مقام پر سوار ہوئے اور وہ اس قدر بلند ہوا کہ مکہ کے تمام پہاڑ اس سے پست نظر آنے لگے پس کان میں انگلی ڈال کر آپ نے مشرق و مغرب کی طرف رُخ پھیر کر اعلان فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج واجب کی گئی ہے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر کے بیت اللہ کی طرف آؤ۔ پس لوگوں نے مشرق و مغرب سے گویا پوری روئے زمین کے طول و عرض اور منتہائے آبادی سے آپ کی آواز پر لبیک کہی۔ حتیٰ کہ دریاؤں اور سمندروں کی تہوں سے مردوں کی پشتوں سے اور عورتوں کے رحموں سے بھی لبیک کی آواز آئی لہٰذا جس قدر لوگ قیامت تک حج کے شرف سے مشرف ہوں گے وہ وہی ہیں جن کے ارواح ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہہ چکے ہیں۔ اور مروی ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے زنا کیا اور خدا نے ان کو پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا پھر قریشیوں نے ان کو بُت بنا کر پوجنا شروع کر دیا حتیٰ کہ فتح مکہ کے سال یہ سلسلہ ختم ہوا

اور دُوسرے قول کے ماتحت بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور اس دوران میں حج نہ کر سکے۔ پس آیت مجیدہ اُتری تو لوگوں تک اعلانِ خداوندی پہنچانے کے لئے آپ نے موذنین کو حکم دیا کہ ہم اس سال حج بیت اللہ کو جائیں گے۔ پس شہریوں اور دیہاتیوں نے اعلان سنتے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ آپ ایک جم غفیر اور تعداد کثیر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے جب کہ ماہ ذی قعدہ سے چار دن گذر چکے تھے۔ جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو زوال آفتاب کا وقت تھا آپ نے غسل فرمایا اور مسجد شجرہ سے احرام باندھ لیا۔ پس نماز ظہر ادا کی اور روانہ ہو گئے آپ نے حج افراد کی نیت کی اور ۶۶ یا ۶۴ قربانیاں ساتھ لیں چنانچہ ۴ ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے طواف کیا دو رکعت نماز طواف پڑھی حجر اسود کا بوسہ لیا اور صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کی چونکہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا مشرکین مکہ کی رسوم میں سے ہے اس لئے آیت نازل ہوئی کہ یہ دونو اللہ کے شعائر میں سے ہیں ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ابھی جبریل یہ حکم لایا ہے۔ اگر میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں اسی طرح کرتا (حج افراد کی بجائے حج تمتع کرتا) کہ جو لوگ قربانی ساتھ نہیں لائے وہ احرام سے فارغ ہو جائیں (تقصیر کر لیں تاکہ یہ عمرہ ہو جائے اور حج کے لئے علیحدہ احرام آٹھویں ذوالحجہ کو باندھ کر جانا ہو گا) ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم حج کے لئے ایسی حالت میں نکلیں کہ ہمارے سروں اور بالوں سے (غسل جنابت کا) پانی ٹپک رہا ہو؟ آپ نے دھمکی کے فرمایا کہ تو اس پر قطعاً ایمان نہ لائے گا۔ پس فوراً ایک شخص سراقہ بن مالک نے عرض کی حضور! آپ ہمیں دین سکھائیے یوں لگتا ہے کہ ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ کیا آپ کا یہ ارشادِ گرامی صرف اسی سال

کے لئے ہے یا آیندہ کے لئے بھی یہی حکم نافذ رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے ہوگا پھر دونو ہاتھوں کی انگلیاں ایکدوسرے میں ڈال کر فرمایا کہ اب قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام یمن سے تشریف لائے جب خاتون جنتؑ کے پاس پہنچے تو آپ کا لباس رنگ دار اور خوشبو کی مہک محسوس کر کے محوحیرت ہوئے کیونکہ بی بی عالیہ احرام کھول چکی تھیں۔ پس دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو جواب دیا کہ حضورؐ نے ایسا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس آپ خدمت نبوی میں پہنچے اور جناب فاطمہ کے احرام کھولنے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہی یہی حکم دیا ہے لیکن بتائیے تم نے کس طرح احرام باندھا ہے حضرت علی نے جواب دیا میں نے ویسے احرام باندھا ہے جس طرح آپ نے باندھا ہے تو آپ نے فرمایا تم احرام نہ کھولو جس طرح میں نے نہیں کھولا پس تو قربانی میں میرا شریک ہے۔ حضورؐ مع اصحاب مکہ سے باہر کھلی فضا میں سکون پذیر تھے پس آٹھویں ذی الحج ترویہ کے دن زوال کے وقت لوگوں کو غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا پھر سب وہاں سے روانہ ہو کر منیٰ میں پہنچے ظہر و عصر و مغرب و عشا و صبح کی نمازیں منیٰ میں پڑھیں پھر نویں کو آگے کی طرف چل دئے۔

اس سے پہلے قریشیوں کا دستور تھا کہ وہ مزدلفہ سے افاضہ کرتے تھے (یعنی وہاں وقوف کر کے واپس منیٰ کی طرف پلٹتے تھے) اور باقی لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اب ان کا خیال تھا کہ حضورؐ بھی ہماری طرح مزدلفہ سے ہی افاضہ کریں گے ادھر سے آیت نازل ہوئی۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ الخ یعنی تم اس جگہ سے افاضہ کرو جہاں سے ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق وغیرہ افاضہ کیا کرتے تھے۔ پس آپ جب وہاں سے آگے بڑھے تو قریش نے اس کو بہت محسوس کیا لیکن آپ پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ بطن عرفہ میں اراک کے بالمقابل مقام نمرہ پر پہنچے اور وہاں خیمہ نصب کر دیا اور لوگوں نے اردگرد اپنے خیمے نصب کر لئے۔ زوال آفتاب کے وقت آپ نے غسل فرمایا اور لبیک کہنا ختم کر دیا۔ مسجد میں پہلے وعظ فرمایا پھر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ظہرین ادا فرمائی پھر اپنے موقف میں وقوف فرمایا لوگ آپ کی سواری کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا صرف میری ناقہ کی قدم گاہ جائے وقوف نہیں بلکہ ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ سب کا سب موقف ہے جہاں چاہو وقوف کرو پس غروب آفتاب تک لوگوں نے وقوف کیا اور دعائیں مانگتے رہے پس غروب کے بعد مزدلفہ یعنی مشعر الحرام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر نماز مغرب و عشا کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کر کے پڑھا۔ اور نماز صبح بھی وہاں پڑھی۔ کمزور آدمی نماز صبح سے پہلے روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کو حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکرے نہ مارنا۔ پس آپ دن چڑھے دوسرے حاجیوں کے ہمراہ منیٰ میں گئے اور جمرۂ عقبہ کو سنگریزے مار کر قربانیاں کیں۔ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ نحر کئے اور حضرت علی نے ۳۴ اونٹ نحر کئے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ ہر قربانی سے ایک ایک بوٹی لی جائے۔ چنانچہ ان کو ہانڈی میں پکایا گیا۔ آپ نے اور حضرت علی نے تناول فرمایا اور کچھ شوربا پی لیا۔ قربانی کے اونٹوں کے چمڑے اور دیگر سامان یعنی پالان وغیرہ نحر کرنے والوں کو نہ دیا بلکہ سب کو صدقہ

کر دیا۔ اس کے بعد حلق کر کے مکہ میں تشریف لائے طواف بیت اللہ کر کے دوبارہ منیٰ میں پلٹ گئے۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ ذوالحجہ تک وہاں رہے (ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے) ہر روز جمروں کو سنگریزے مارتے رہے اور ۱۳ ذوالحجہ کو رمی کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ عائشہ نے الگ عمرہ کرنے کی خواہش کی تو آپ نے اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ وہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر آئی اور اعمال عمرہ بجا لائی اس کے بعد حضورؐ نے واپسی کا سفر شروع فرمایا (ملخصاً)

رِجَالاً۔ جمع ہے راجلؔ کی جس طرح قیامؔ قائم کی جمع ہوا کرتی ہے اور اس کا معنی ہے پاپیادہ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ابن عباس اپنے بیٹوں کو پیدل حج کرنے کا حکم دیتے تھے وہ کہتے تھے میں نے رسالت مآبؐ سے سُنا ہے کہ سوار حاجی کو سواری کے ہر قدم کے بدلہ میں ستر نیکیوں کا ثواب ملے گا اور پیدل حاجی کو اپنے ہر قدم کے بدلہ میں سات سو ایسی نیکیوں کا ثواب ملے گا جو حرم میں کی جائیں کسی نے پوچھا کہ حرم کی نیکیوں کی وضاحت کیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ حرم کی ایک نیکی باقی مقامات کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوا کرتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر ــــــــــــ بعض علماء سوار ہو کر حج کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں جانی و مالی دونو قربانیاں آجاتی ہیں لیکن اکثر کے نزدیک پیدل حج کرنا افضل ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جس کارِ خیر میں مشقت زیادہ ہو اس کا درجۂ قرب زیادہ ہوتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں لفظی تقدیم بھی اس کی افضلیت کی مؤید ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام کا پاپیادہ حج کرنا تواتر سے منقول ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السّلام نے پچیس حج پاپیادہ کئے حالانکہ سواریاں بھی ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھیں۔

وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ۔ ضامر کا معنی ہے کمزور۔ کیونکہ طول سفر کی وجہ سے حاجیوں کی سواریاں کمزور ہو کر مکہ میں پہنچتی تھیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خدا اہل عرفات کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دُور دراز کا سفر کر کے لباس میلے اور چہرے گرد سے اٹے ہوئے ہیں میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ان کی دُعاؤں کو قبول کیا اور ان کی حاجات کو پورا کیا اور ان کے نیکوں کی برکت سے ان میں سے بدکاروں کو معاف کیا اور نیک عمل کرنے والوں کو وہ سب کچھ عطا کیا جو وہ طلب کریں سوائے ان حقوق کے جو ان کے آپس میں ہیں۔ پس جب لوگ عرفات سے چل کر مشعر الحرام میں پہنچتے ہیں اور عجز و انکساری سے پھر دعا و مناجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میرے بندے پھر وقوف کر کے میری طرف متوجّہ ہوئے ہیں اور مجھ سے مانگ رہے ہیں پس میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کی دُعا مقبول اور حاجت پُوری ہے ان کے بدکاروں کے لئے معافی ہے اور نیکوں کو سب کچھ عطا کروں گا جو مانگیں گے اور ان کے باہمی حقوق کا کفیل بھی میں خود بن جاؤں گا۔

لِيَشْهَدُوْا۔ اس مقام پر بعضوں نے منافع سے مراد تجارتی فائدے لئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے جا کر کافی فائدہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں اور بعضوں نے دنیوی و اُخروی دونو فائدے مُراد لئے ہیں کہ

دنیاوی لحاظ سے تجارتی فائدہ اٹھائیں اور اُخروی لحاظ سے بخشش گناہ کا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن آلِ محمدؑ کے نزدیک اس مقام پر صرف اُخروی فائدہ مُراد ہے۔ جس طرح کہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی طرف یہی قول منسوب ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے شیعوں سے فرمایا کہ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے اہل وعیال اور مال ومنال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حج کی اغراض وغایات بہت سی ہیں۔ (١) اللہ کی طرف یعنی اللہ کے گھر کی طرف اس کا مہمان بن کے جانا اور اس سے طلب کرنا (٢) اپنی کی ہوئی برائیوں سے گریز کرنا تاکہ گذشتہ سے تائب ہو جائے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرے (٣) مال کا خرچ کرنا (٤) جسمانی قربانی (٥) اپنے آپ کو خواہشات ولذّات سے بچانا اور نفس پر کنٹرول کرنا (٦) خشوع وخضوع اور عاجزی وزاری سے عبادت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا (٧) گرمی وسردی یا امن وخوف کی ہر دو حالتوں میں اپنے اُوپر ضبط رکھنا (٨) اجتماع کے لحاظ سے بنی آدم کے لئے تمدن کا عمومی فائدہ (٩) گناہوں سے ڈر اور نیکیوں کی شوق (١٠) سخت دلی اور جسارت سے گریز کرنا (١١) اللہ کے ذکر سے غفلت اور نااُمیدی کا ترک کرنا (١٢) حقوق اللہ اور حقوق النّاس اور حقوق نفسیہ کی خبر گیری (١٣) فساد سے بچنا (١٤) مشرق ومغرب اور خشکی وتری سے آنے والے حاجیوں اور مسافروں کو تجارتی فوائد (١٥) گرد ونواح کے بسنے والوں کے لئے اکثر مشکلات کا دفعیہ اور حاجات برآری (١٦) ایک روایت میں ہے فقہ حاصل کرنا اور اخبار آئمہؑ کو نقل کر کے دُور دراز کے شیعوں کو پہنچانا (یہ فائدہ زمانِ آئمہؑ تک کے لئے ہے) (ملخصاً)

بہرکیف سفر حج میں اور اعمال حج میں روحانی وجسمانی ودنیوی واُخروی ہر قسم کے فوائد موجود ہیں جن کے حاصل کرنے اور مشاہدہ کرنے کی دعوت ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حسب ضرورت حج کے مفصل احکام تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکے ہیں۔

فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایام معلومات اور ایام معدودات دونو کا مفہوم ایک ہے اور وہ ایام تشریق ہیں۔ یعنی ذوالحجہ کی دسویں اور تین دن بعد والے (١١-١٢-١٣) اور بعض مفسّرین نے اس مقام پر ذکر سے مراد وہ تکبیریں لی ہیں جو کہ عید قربان کی ظہر سے لے کر ١٣ ذوالحجہ کی صبح تک ہر نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ

فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ

معلوم دنوں میں اُوپر (ذبح یا نحر) ان جانوروں کے جو خدا نے ان کو رزق

بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

دیا ہیں کھاؤ ان (کے گوشت) سے اور کھلاؤ بھوکے

mahlib.org

اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا هَدَانَا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی مَا اَبْلَانَا وَاللّٰهُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ اور بہیمہ کا لفظ ابہام سے ہے چونکہ یہ بول نہیں سکتے اس لئے ان کو بہیمہ کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو تحت اللفظ مذکور ہے (۲) وہ اپنی میل کچیل کو دور کریں یعنی حجامت کرائیں اور غسل کر کے کپڑے پہن لیں (۳) احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے کنایہ کیا گیا ہے (۴) تفسیر برہان میں بروایت فقیہ عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ ذریح محاربی کہتا ہے مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ کا معنی یہ بتایا کہ پھر اپنے امام کی زیارت کرو۔ اور پھر منتیں پوری کرو لیکن اس کے بعد جب میں خدمت امام میں حاضر ہوا اور اسی فقرہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤ ناخن اترواؤ وغیرہ تو میں نے عرض کی کہ حضور! ذریح محاربی نے تو آپ سے اس کا معنی امام زمانہ کی ملاقات نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سچ کہتا ہے کیونکہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن ذریح کی طرح برداشت کا مادہ کس میں ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملاقات امام اس کا باطنی معنی ہے کیونکہ روحانی وجسمانی کثافتیں درحقیقت اس وقت انسان سے دھل سکتی ہیں جب امام زمانہ کی صحیح رہبری حاصل ہو۔

الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

محتاج کو ۔ پھر پورا کریں اپنے مناسک کو اور وفا کریں اپنی منتوں کو اور

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ

طواف کریں بیت اللہ کا جو قدیم سے ہے ۔ یہ (ہیں حج کے اعمال) اور

يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ

جو تعظیم کرے اللہ کی مخصوص چیزوں کی تو اس کے لئے بہتر ہے اپنے رب کے نزدیک اور

اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا

حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے سوائے ان کے جو بیان کئے گئے ۔ پس بچو

وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ منیٰ کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد مکہ میں پلٹ کر طواف کرنے کا حکم ہے اور علمائے امامیہ نے اس طواف سے مراد طواف نساء لیا ہے۔ اور یہ طواف زیارت کے بعد کیا جاتا ہے اور اس طواف کے بعد عورت ومرد ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔

بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ بیت اللہ کو عتیق کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمین پر جس قدر

گھر بنائے گئے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہے سوائے اس ایک گھر کے کہ اس کا مالک سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہے اور خداوند کریم نے زمین سے پہلے اس کو خلق فرمایا اور بعد میں زمین کو اس کے نیچے بچھایا۔ ہم نے اس کی وضاحت اپنے مناسب مقام پر تفسیر کی چوتھی جلد میں کر دی ہے گویا یہ گھر ملکیت اور سکونت سے آزاد ہے پس اس کو عتیق کہا گیا ہے (۲) ظالم اور جابر حکمرانوں کی دسترس اور فتح سے محفوظ و آزاد رہا ہے۔ چنانچہ جس سرکش بادشاہ نے اس کا رُخ کیا وہ ذلیل و خوار ہوا (۳)، چونکہ طوفان نوح کی زد سے یہ محفوظ رہا اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے (۴) چونکہ زمین پر بنائے جانے والے گھروں میں سے پہلا گھر یہی ہے اور سب سے پرانا ہے کہ حضرت آدم نے بنایا پھر انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے اس کی تعمیر کی اس لئے اس کو عتیق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حُرُمَاتِ اللهِ۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا اللہ نے احترام واجب کیا ہے پس اس کے احترام کو باقی رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا انسانوں پر فرض ہے۔ پس اللہ کے جملہ اوامر و نواہی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر مفسرین نے اس مقام پر حرمات سے مراد مناسک حج لئے ہیں اور بعضوں نے بیت الحرام (کعبہ) البلد الحرام (مکہ) شہر الحرام (چار حرمت والے مہینے رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) اور مسجد الحرام مراد لئے ہیں اور ان کی تعظیم سے مُراد یہ ہے کہ ہر اُس فعل سے بچے جو ان کی حرمت کے منافی ہو اور جس کے کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے، اور ہر اس فعل کو بجا لائے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین حرمتیں واجب ہیں۔ جن کی مخالفت شرک ہے۔ (۱)

الرِّجْسَ	مِنَ	الْاَوْثَانِ	وَ	اجْتَنِبُوْا	قَوْلَ		
رجس	سے	جو	بت	ہیں	اور	بچو جھوٹی	بات
الزُّوْرِ ۝۳۰	حُنَفَآءَ	لِلّٰهِ	غَيْرَ	مُشْرِكِيْنَ	بِهٖ		
سے	در حالیکہ ثابت قدم رہو	اللہ کے لئے	نہ شرک کرنے والے ہو	اس کے ساتھ			

بیت اللہ میں اللہ کی ہتک حرمت یعنی اس کے احکام کی مخالفت (۲) قرآن کی مخالفت (۳) ہماری محبت و مودّت سے کنارہ کشی

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانیوں کا خون اپنے معبود بتوں پر مل دیتے تھے۔ پس خدا نے ان کے بتوں کو رجس کہا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ شطرنج چوپڑ اور ہر شرطیہ کھیل اس میں داخل ہے مثلاً تاش وغیرہ۔ تفسیر برہان میں روایات بہت زیادہ آئمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں کہ رجس سے شطرنج اور قول زور سے غنا مراد ہے۔

قَوْلَ الزُّوْرِ۔ زور سے مراد جھوٹ ہے۔ اور مجمع البیان میں مروی ہے کہ غناء اور ہر لہو یہ قول اس میں داخل ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو۔ جھوٹی شہادت کو خدا نے شرک کے برابر قرار دیا اور اس کے بعد آپ نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی کہ خدا نے بت پرستی اور قول زور کو ایک حکم

ہیں جمع فرمایا ہے۔

تنبیہ - ان آیات میں پروردگار نے فریضہ حج ادا کرتے ہوئے چار چیزوں کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے (۱) صرف سیر و تفریح یا بھگدڑ و دوڑ اور مقاماتِ مقدسہ میں حاضری کا نام حج نہیں بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم دل میں ہو اور ان کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے اعمال بجا لائے (۲) ویسے بھی بالعموم بتوں کی پوجا حرام ہے لیکن فریضہ حج کی ادائیگی میں اس کو خصوصیت سے منع فرمایا اور شانِ نزول کے لحاظ سے اگرچہ مشرکین مکہ کو خطاب تھا لیکن تا قیامِ قیامت اس کی ہدایت تاویل کے لحاظ سے باقی رہے گی۔ لہذا غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال دل سے نکال کر صرف اللہ کے لئے ہی مناسک حج کی ادائیگی ہو۔ اسی طرح جوا شطرنج چوپڑ تاش بازی اور دیگر لغویات اور لہو و لعب کے مشاغل اگرچہ بالعموم حرام ہیں لیکن دورانِ حج میں ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے (۳) جھوٹ افترا و بہتان اور غنا کرنا حرام مطلق ہے لیکن دوران حج میں اس کی حرمت کو زیادہ موکد کر دیا کہ قول زور کو رجس اوثان پر عطف کر کے ان امور کو شرک کے برابر قرار دے دیا (۴) حنیفیت کا حکم دے کر ہر اس فعل سے اجتناب کرنے کا حکم دیا جو شریعت مصطفوی میں بلکہ ملت ابراہیمی میں حرام ہے اور یہ کہ اعمال حج کی ادائیگی صرف للہ ہو اور دولتِ اخلاص سے اس قدر بھرپور ہو کہ اس میں شرک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ حنفاء کے بعد غیر مشرکین کی لفظیں بڑھا کر تمام سابقہ بیان کردہ امور کی خلاف ورزی کو شرک کے حکم میں داخل فرما دیا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ ایک نابینا صحابی شریک حج تھا وہ حاجیوں کے انبوہ کثیر اور شور و غل سے متاثر ہو کر کہنے لگا مَا اَكْثَرَ الْحَجِيْج یعنی حاجی کس قدر زیادہ ہیں؟ از راہِ تعجب یہ فقرہ کہا پس امام عالیمقام نے ٹوک کر فرمایا ایسا نہ کہو بلکہ مَا اَقَلَّ الْحَجِيْجِ وَ اَكْثَرَ الضَّجِيْج۔ یعنی حاجی کس قدر کم ہیں اور شور کتنا زیادہ ہے؟ اَوْ كَمَا قَالَ۔ غالباً یہ گفتگو وقوف عرفات کے موقعہ پر تھی صحابی نے وجہ پوچھی تو آپ نے باعجاز اس کو بینائی دلوائی پس فرمایا اب دیکھو چنانچہ اس کو ادھر ادھر بندر سور جنگلی جانور اچھلتے کودتے نظر آئے اور بہت کم مقدار میں آدمی دیکھے جو مشغولِ دعا و مناجات تھے پس آپ نے فرمایا حاجی صرف وہی ہیں جو آدمیوں کی شکل میں ہیں باقی سب کے سب حیوان بشکل انسان ہیں۔ حضرت استاد العلماء مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی پہلی مجلس میں اس روایت کو قدرے اختلاف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (المجالس المرضیہ مجلس اول ص۵)

اس میں شک نہیں کہ فریضہ حج عباداتِ انسانیہ میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی پاسداری اور پوری رعایت نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اکثر لوگ اعمال کو بجا لاتے ہوئے یہ کیوں ہے؟ اور وہ کیوں ہے؟ میں پڑ کر صرف اعتراضات و اشکالات میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دولتِ خلوص سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ بعض مناسک کو معمولی اور خفیف سمجھ کر اس کی ادائیگی میں توجہ نہیں کرتے یا چھوڑ دیتے ہیں یا کرتے ہیں تو بددلی سے اور ناقص و ادھورا چھوڑ کر آ جاتے ہیں۔ بعض مخالفین مذہب کی صحبت میں پھنس کر خصوصیات مذہب کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور اکثریت سے مرعوب ہو کر

اپنے مخصمات سے خشر ملتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اپنے اعمال کا ستیاناس کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح کئی قسم کی خامیاں اس عظیم عبادت کی مقبولیت کے راستہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ جو بھی حج کا ارادہ کرے پہلے مناسک حج کو سیکھے اور یاد کرے پھر صرف اللہ کی خوشنودی ہی ملحوظِ خاطر ہو، اور امر پروردگار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے جائے ہر وہ بات جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے اور ہر عبادت کی علت تلاش کرنے کے درپے نہ ہو بلکہ اُس کے پاس بڑی سے بڑی دولت تسلیم اور رضائے خداوندی ہو۔ کیوں اور کس لئے کہنے کی عادت بد سے پوری طرح گریزاں رہے۔ کسی فعل حج کو معمولی اور خفیف نہ سمجھے اور دولتِ خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ہر بڑی سے بڑی تکلیف و کوفت کو راہِ خدا میں برداشت کرنے کا جذبہ طبیعت میں ہر وقت کارفرما رہے۔ وقوف عرفات و مزدلفہ و رمی جمرات و قربانی اسی طرح طواف و سعی سب کے سب مناسک کی ادائیگی میں حکمِ خداوندی کی پاس دل میں ہو اور اژدہام وانبوہ کی وجہ سے جس قدر تکلیف اٹھانی پڑے کھلے دل سے اور نہایت بلند حوصلگی سے برداشت کرے تاکہ نیت میں تزلزل پیدا نہ ہو یہ خیال رہے کہ حضرت رسالت مآب اور حضرت امیر المومنینؑ و جملہ اہل بیت اطہارؑ اسی عبادت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے تھے یہ امر اس عبادت کی اہمیت کو اور زیادہ واضح کرتا ہے کہ امام حسن مجتبےٰؑ نے خوشنودی خدا کی خاطر پچیس حج پاپیادہ کیں، اسی طرح حضرت سجاد علیہ السلام کے متعلق بھی وارد ہے۔ اور یقین جانیے کہ حج بیت اللہ توحید پروردگار کا بہترین درس ہے اور اس میں تسلیم ہی تسلیم چاہیے۔ امیر و غریب شاہ و گدا خورد و کلاں بچے بوڑھے عورت مرد اور حاضر و مسافر جب ایک لباس میں اور ایک ہی رنگ میں مسجد الحرام میں پہنچتے ہیں اور طواف بیت اللہ میں مشغول ہوتے ہیں تو عظمتِ پروردگار کی زندہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے پھر سب کا ایک ہی حالت میں مکہ سے پندرہ میل دور کوہ عرفات کی طرف جانا اور ٹھہرنا پھر واپس مزدلفہ میں شب باشی اور اس کے بعد رمی جمرات اور قربانی وغیرہ ایسے مناظر ہیں کہ وہاں انسان کو اپنے پروردگار کی عظمت اور توحید کے ناقابلِ فراموش سبق ملتے ہیں اور انسان سوچتا ہے کہ وہ ایک عظیم ذات ہے جس کی خوشنودی کی خاطر شاہ و گدا سب کے سب ایک لباس میں ملبوس اعمال بجا لا رہے ہیں اور اسی کو پکار رہے ہیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کر رہے ہیں۔ نیز عرفات کا وقوف عارف لوگوں کے لئے قیامت خیز منظر ہوتا ہے۔ گویا دنیا میں پیشی محشر کی سی ادنیٰ جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ پس ایمان والوں کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور مناجات و ادعیہ میں خلوص بڑھتا ہے۔ ہر چہار سو رونے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں کوئی طلب حاجات میں مشغول، کوئی بخشش گناہان کے لئے دست بدعا کوئی تلاوت قرآن میں کھویا ہوا اور کوئی معروفِ عبادت نظر آتا ہے۔ بہر کیف نہایت ایمان افروز منظر ہوتا ہے۔ پس جانے والا جائے تو کاٹے پتھر دل کی حکایت لے کر نہ پلٹے بلکہ دل میں شمع ایمان کو فروزاں کر کے واپس آئے۔ گناہوں سے تائب ہو کر اور آئندہ کے لئے اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کا عہد دل میں لے کر واپس آئے۔

یاد رکھئے میں کے گناہ ان تین ذرائع سے دبخشے جائیں پھر اس کے لئے اور بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں جس کو ماہ مبارک میں لیالی قدر میں عبادت کا موقعہ ملے اور بخشش گناہان کی درخواست کر سکتا ہو۔ اسی طرح جس کے ضعیف ماں باپ موجود ہوں

اور ان کی خدمت سے بہرہ ور ہو سکتا ہو یا پھر حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو کر وقوف عرفات کے موقعہ پر توبہ کر کے معافی حاصل کر سکتا ہو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث معصومین علیہم السلام سے مروی ہے۔ اور وقوف عرفات کے موقعہ پر انسان کو چاہیے کہ اپنے گناہوں کو نام بنام شمار کر کے ان کی معافی طلب کرے اور گڑگڑا کر بخشش کی درخواست کرے نیز اپنے مومن بھائیوں کی بخشش کے لئے بھی دعا طلب کرے اور امام موسے کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص غائبانہ طور پر اپنے مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے ملائکہ اس کے لئے دعاء و استغفار کرتے ہیں۔

تفسیر برہان پارہ ۱۷ کی تفسیر میں صفہ ۳۳ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم ابو البشر اور حضرت حوا امّ البشر میں جدائی ہوئی تو خدا نے آدم کو اپنا گھر بنانے اور اس کا طواف کرنے کا حکم دیا جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا کرتے ہیں اور یہ حکم ہوا کہ ابلیس اگر اس طرف آئے تو اس کو کنکرے مار کر دور کیا جائے جس طرح فرشتوں کا دستور ہے۔ چنانچہ جبریل حضرت آدم کو مقام کعبہ پر لائے اور کعبہ کو تعمیر کیا گیا تاکہ وہ اور اس کی تا قیامت اولاد اس کا طواف کرے فرشتے حضرت آدم کے ساتھ تعمیر بیت اللہ میں شریک تھے اس کے بعد حضرت آدم کو حضرت حوا کی ملاقات کی بشارت دی گئی۔ اور خدا کا حکم ہوا کہ زمین کے بہترین حصہ میں تم دونوں آپس میں مل گئے ہیں کوہ عرفات پر ان کی ملاقات ہوئی اور وہ نہم کا دن تھا مخلص

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

اور جو شرک کرے اللہ کے ساتھ پس گویا وہ گرا آسمان سے پس

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

اچک لیا اس کو پرندے نے یا پھینک دیا اس کو آندھی نے کسی گہرے

وَمَنْ يُّشْرِكْ مقصد یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے حق سے دور ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے نیچے گر پڑے اور کوئی پرندہ اس کو اچک لے جائے یا تیز آندھی کسی کو ایک بلند مکان سے نیچے گرا دے یا یہ مقصد ہے کہ شرک کرنے والے کے لئے عذاب سے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں جس طرح آسمان سے یا بلندی سے گرنے والے کے لئے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں ہوا کرتا۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں اور اس جگہ اس کے مصداق میں چند اقوال ہیں۔ (۱) مناسک حج (۲) قربانی کے جانور کیونکہ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور شعیرہ اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کی کوہان کو دائیں جانب سے پھپا لگا کر خون کو ارد گرد مل دیا جائے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے اور اس فعل کو فقہاء اشعار سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حج قرآن کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے جو مکہ یا اس کے گرد و نواح میں ۴۸ میل کے اندر اندر کے رہنے والے ہوں (۳) شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کا دین اور تعظیم سے مراد ہے حکم خداوندی کی پوری پوری رعایت کرنا۔

فَاِنَّھَا ۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فَاِنَّ تَعْظِیْمَھَا ۔

مَنَافِعُ ۔ یعنی مناسک حج کے ادا کرنے میں تمہارے لئے فوائد ہیں یا قربانی کے جانور میں تمہارے لئے ایک وقت معین

تک فوائد ہیں یعنی سوار ہونا اور دودھ پینا وغیرہ اور یہ اُس وقت تک ہیں جب تک ذبح یا نحر نہ ہو جائیں اور اگر شعائر کا

معنی دین ہو تو منفعت سے اُخروی فائدہ مراد ہے اجل مسمی تک یعنی قیامت کے دن تک ۔

مَحِلُّھَا ۔ اگر شعائر کا معنی مناسک ہوں تو محل کا معنی ہوگا احرام حج سے حلال ہونے کا مقام یعنی بیت اللہ کہ وہاں آخری

اعمال بجالا کر محل ہو جائے اور اگر شعائر کا معنی قربانی ہو تو محل کا معنی قربان گاہ ہوگا پس اگر قربانی عمرہ کی ہو تو محل بیت اللہ کا

قرب ہوگا اور اگر قربانی حج کی ہو تو محل منیٰ ہوگا اور اگر شعائر کا معنی مطلق دین ہو تو یہاں مضاف محذوف ماننا ہوگا یعنی دین کے بعض اعمال کا محل کعبہ ہے

سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ

مکان میں (بات تو) یہ ہے اور جو تعظیم کرے اللہ کی نشانیوں کی پس

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

اُن کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے ہے تمہارے لئے ان کی تعظیم

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ ع

میں فائدے ہیں ایک معین وقت تک پھر ان کا محل بیت اللہ کی طرف ہے

رکوع نمبر ۱۲

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) ہر گذشتہ دور میں ہم نے اہل ایمان کے لئے ذبح کرنا عبادت قرار دیا (۲) ہر اُمّت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی (۳) ہر اُمّت مسلمہ کے لئے ہم نے ایک جائے عبادت مقرر کی جس کا وہ قصد کریں (۴) ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہم نے ایک شریعت بنائی ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى

اور ہر (گذشتہ) اُمّت کے لئے قربانی (رکھی) تاکہ ذکر کریں اللہ کا نام اوپر اس کے

مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

جو اس نے رزق دیا چوپائے جانوروں میں سے پس تمہارا معبود صرف ایک ہے

لِيَذْكُرُوْا ۔ آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنا صرف اُمّت مسلمہ میں رائج نہیں ہوا بلکہ پہلی امتوں میں بھی

اس کا رواج عام تھا نیز ذبح ہونے والے جانور پر اللہ کا نام لینا بھی پہلے سے چلا آرہا ہے ۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ مقصد یہ ہے کہ ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام لیا جائے کسی دوسرے نام کا بوقت ذبح ذکر کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے ذبیحہ حلال ہو سکتا ہے ہم نے تفسیر کی پانچویں جلد کے اوائل میں ذبیحہ پر اللہ کے نام کے ذکر کرنے کی عقلی و منطقی وجوہات بیان کی ہیں۔ اور حلیت و حرمت کے مسئلہ پر قدرے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے جو صاحبان بصیرت اصحاب کے لئے زیادتی ایمان و ایقان اور اضافۂ عرفان کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۳۴ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ

پس اسی کے لئے جھک جاؤ اور خوشخبری دو ماننے والوں کو وہ جو اللہ کے ذکر سے ان

اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ

کے دل کانپ جائیں اور صبر کرنے والے ہوں اوپر ان (مصائب) کے جو ان کو پہنچیں

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳۵

اور قائم کرنے والے ہوں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے رہیں (نیک کاموں پر)

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا

اور (قربانی کے موٹے اونٹوں) کو کیا ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے کہ ان میں تمہاری

خَيْرٌ ڰ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَاۗفَّ ۚ فَاِذَا

بہتری ہے پس یاد کرو اللہ کا نام ان پر قیام کی حالت میں پس جب گر جائے

الْمُخْبِتِيْنَ ۔ اخبات کا معنی خضوع و اطمینان ہوتا ہے ۔ اور یہ خبت سے ہے جس کا معنی ہموار و پست زمین ہوا کرتا ہے ۔ تواضع اور خضوع کرنے والوں کی اللہ نے چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں (۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دل خوف زدہ ہوں (۲) آنے والی مصیبت پر صبر و حوصلہ سے کام لیں (۳) نمازیں قائم کریں (۴) اللہ کے دیئے ہوئے حق سے حقوق واجبہ ادا کریں مثلاً زکوٰۃ و خمس وغیرہ۔

وَالْبُدْنَ ۔ یہ بدنۃ کی جمع ہے اور اس کا لغوی ترجمہ ہے موٹے جانور کیونکہ تبدین کا معنی پالنا اور موٹا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا استعمال علی الاطلاق موٹے اونٹوں پر ہوا کرتا ہے اور بعضوں نے یہاں مطلق قربانی کا جانور بھی مراد لیا ہے۔

شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۔ مضاف محذوف ہے یعنی شعائرِ دین اللہ یعنی اونٹوں کا نحر کرنا اور قربانی کر کے مساکین کو کھلانا اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہے اور اس میں انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

صَوَاۗفَّ ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی قرأت صوافن منقول ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صواف کا مطلب یہ ہے کہ پہنچوں سے گھٹنوں تک اس کے اگلے پاؤں کو باندھا جائے اور قبلہ رو کھڑے ہوئے

اس کو نحر کرنا چاہیے۔ اور باقی حیوانوں کے ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ گائے بھینس وغیرہ کو قبلہ رخ لٹا کر اس کے اگلے اور پچھلے پاؤں باندھے جائیں اور دُم کو آزاد رکھا جائے اور بھیڑ بکری کے دو اگلے اور ایک پچھلا پاؤں باندھا جائے اور اگر صَوَافِنَ پڑھا جائے تو صَفِنَ الفرس سے ماخوذ ہوگا اور صَفِنَ کا معنی ہے تین ٹانگوں پر کھڑا ہونا اور جب نحر کے لئے اونٹ کا ایک پاؤں باندھا جائے گا تو وہ بھی تین ٹانگوں پر کھڑا ہوگا۔

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ وجوب کا معنی ہے گر جانا اسی لئے وجوب الشمس سورج کے غروب پر بولا جاتا ہے جنوب جمع ہے جنب کی یعنی جب اس کے پہلو زمین پر آجائیں اور وہ دم توڑ کر ساکن ہو جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی سے کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے کیونکہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے۔

وَاَطْعِمُوْا۔ قانع اور معتر کے معانی میں اقوال ہیں (۱) قانع وہ ہے جو دی ہوئی شے پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معتر وہ ہے جو کچھ لینے کے لئے سامنے آئے (۲) قانع وہ ہے جو سوال کرے اور معتر وہ ہے جو سامنے آئے اور منہ سے سوال نہ کرے (۳) صادقین علیہما السلام سے منقول ہے قانع وہ ہے جو دی ہوئی شی پر قناعت کرے نہ ناراض ہو نہ منہ بیر طا کرے اور نہ غصہ سے باچھیں ترچھی کرے اور معتر وہ ہے جو پاس سے گذرے تاکہ کچھ مل جائے اور مروی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ قانع اور معتر یعنی غریبوں مسکینوں اور سوال کرنے والوں کے لئے اور ایک تہائی اپنے احباب کے لئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک تہائی اہل و عیال کے لئے، دوسری تہائی قانع کے لئے اور تیسری مساکین کے لئے مخصوص کرے اور آیت نمبر ۲۸ میں قانع و معتر کی جگہ اَلْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (بدحال فقیر) ذکر کیا گیا ہے ۳۶

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

زمین پر تو خود کھاؤ اس سے اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور سوال کرنے

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۳۶

والے کو اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس کا شکر کرو

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

نہیں پہنچتا اللہ کو ان کا گوشت اور نہ ان کا خون بلکہ پہنچتا ہے اس کو تقویٰ

سَخَّرْنٰهَا۔ یعنی ہم نے ان حیوانوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ ان پر سواری کرو یا باربرداری میں استعمال کرو یا ذبح اور نحر کر کے کھاؤ۔ اور اس کا حق شکر یہ ہے کہ اپنے خالق کی رضا کو ہر حال میں ملحوظ رکھتے ہوئے ماتحت حیوانوں سے خدمت لو۔

لَنْ يَّنَالَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانی کے بعد اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے پس ارشاد ہوا کہ اللہ کو ان

قربانیوں کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا خلوص اور تقویٰ اس کی بارگاہ میں تمہارے تقرب کا باعث ہو سکتا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت علل الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قربانی کا پہلا قطرہ خون جب زمین پر گرتا ہے تو خداوند کریم قربانی کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور خداوند کریم تقویٰ کرنے والوں کو جانتا ہے تم دیکھتے نہیں کہ اس نے ہابیل کی قربانی کو قبول فرمایا اور قابیل کی قربانی کو رد کر دیا۔

مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا

تمہارا اسی طرح ان کو تمہارے لئے مطیع کیا تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو اس پر جو اس نے

هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ

تم کو ہدایت کی اور خوشخبری دو نیکی کرنے والوں کو تحقیق اللہ دفاع کرتا ہے ان کی جانب سے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

جو مومن ہیں تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہر خیانت کرنے والے متکبر کو

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اجازت دی گئی ان کو جو لڑ رہے ہیں کیونکہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور تحقیق اللہ ان کی مدد

نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ناحق

لِتُكَبِّرُوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تکبیر کہنا مکہ میں پندرہ نمازوں کے بعد مستحب ہے۔ دس ذوالحجہ کی نماز ظہر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی نماز صبح تک اور باقی شہروں میں دس نمازوں کے بعد یعنی دسویں کی ظہر سے بارھویں کی صبح تک اور اس کا طریقہ آیت نمبر ۲۶ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

يُدٰفِعُ۔ دفع کی تحقیق اور جذب و دفع کی عقلی و فلسفی مصلحت پر ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص ۱۳۵ تا ۱۴۳ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱۳

اُذِنَ۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مکہ کی زندگی میں کفار مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتے تھے کسی طرف سے کوئی زخمی اور کسی طرف سے کوئی مضروب خدمت نبوی میں شکایت لے کر پہنچتا تھا تو آپ یہی فرماتے تھے کہ ابھی مجھے جہاد کی اجازت نہیں ہے لہذا تم لوگ صبر سے وقت گزارو۔ حتیٰ کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مصداق حضرت علی حمزہ و جعفر طیار ہیں اور اس کی تاویل بعد میں جاری ہے

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ عامہ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآبؐ کے لئے اتری ہے جب کہ قریش مکہ نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور سوائے اس کے نہیں کہ یہ آیت حضرت قائم آلِ محمدؑ کے لئے ہے۔ جب کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السّلام کے انتقام کے لئے تشریف لائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم خون کے وارث ہیں۔ ظاہراً مقصد یہ ہے کہ آیت مجیدہ صرف شان نزول تک محدود نہیں بلکہ اس کی تاویل حضرت قائم علیہ السّلام تک جاری رہے گی۔ پس حضرت رسالت مآبؐ اس آیت کے ظاہری و تنزیلی مصداق تھے اور حضرت قائم علیہ السّلام اس کے باطنی اور تاویلی مصداق ہوں گے۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مہاجرین کے حق میں اتری ہے اور آلِ محمدؑ کے حق میں جاری ہے جو بلا وجہ گھروں سے جلا وطنی پر مجبور کئے گئے یعنی مہاجرین آیت کے ظاہری مصداق تھے اور آلِ محمدؑ اس کے باطنی مصداق ہیں۔

بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ

صرف اس لئے کہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرنا ہوتا اللہ کا

النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ

لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعے تو گرائے جاتے صومعے گرجے عبادت خانے

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا

اور مساجد جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾

بسا اوقات اور مدد کرتا ہے اللہ اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے تحقیق اللہ قادر و غالب ہے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو غلبہ دیتے زمین میں تو وہ قائم کرتے نماز کو

صَوَامِعُ۔ یعنی نصرانیوں کے عبادت خانے یہ صومعہ کی جمع ہے اور بِیَعٌ یہودیوں کے عبادت خانے اور صلوات کا معنی مسلمانوں کی نماز گاہیں یعنی مجاز مرسل کے طریقہ پر مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے صوامع اور بیع دونو کو نصرانیوں کے عبادت خانے کہا ہے کہ بیع سے شہری عبادت خانے (گرجے) مراد ہے اور صوامع وہ عبادت خانے ہیں جو پہاڑوں اور ویرانوں میں الگ عبادت کے لئے بناتے تھے۔ پس اس صورت میں صَلَوٰت کا معنی یہودیوں کے عبادت خانے ہوگا اور مساجد سے مسلمانوں کے عبادت خانے مراد ہوں گے مقصد یہ کہ اگر خدا ہر دور میں اہل ایمان کی نصرت

نہ فرماتا تو ہر زمانہ کے بے دین لوگ اپنے زمانہ کے دین دار طبقہ کی عبادت گاہیں مسمار کرنے پر قادر ہو جاتے لیکن اللہ کی نصرت چونکہ شامل حال رہتی ہے لہٰذا ہر زمانہ میں اہل ایمان اپنے ایمانی فرائض کی انجام دہی پر موفق رہتے ہیں اور یہ اللہ کا احسان و کرم ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ ۔ تمکین کا معنی ہے ہر اس چیز کا عطا کرنا جس پر فعل کا صدور موقوف ہو ۔ مثلاً اگر فعل کسی آلہ کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ آلہ عطا کرنا اور اگر فعل علم کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ علم عطا کرنا اور اگر وہ فعل طاقت و قوت سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو اس قوت کا عطا کرنا تمکین ہوگا۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے ۔ خداوند کریم حضرت مہدیؑ اور اس کے اصحاب کو زمین کی مشرق مغرب کی سلطنت عطا فرمائے گا ۔ پس دین غالب ہوگا اور اس کے ذریعے سے خدا باطل پرست اور بدعت کے پجاریوں کو

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ

اور دیتے زکوٰۃ اور امر کرتے نیکی کا اور منع کرتے برائی

الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ

سے اور اللہ کے لیے ہے انجام تمام امور کا اور اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ

تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور

قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ

ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور

كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ

جھٹلایا گیا موسیٰ پس ہم نے ڈھیل دی کافروں کو پھر پکڑ لیا تو

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

کس قدر سخت پکڑا ؟ پس کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا

تباہ کرے گا جس طرح ان لوگوں نے حق کو تباہ کیا تھا کہ ظلم کا نام و نشان نہ رہے گا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے ۔ اسی طرح تفسیر مجمع البیان میں بھی آپ سے مروی ہے کہ اس کے مصداق ہم لوگ ہیں۔

نَكِيْرِ ۔ یعنی ہم نے ان کے کرتوتوں کا انکار کیا اور سخت طریقہ سے کیا کہ وہ مبتلا عذاب کر دیئے گئے۔

بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ ۔ غیر آباد کنوئیں یعنی ہم نے شہری و دیہاتی حکمرانوں کو اپنے ظلم کے بدلہ میں ختم کر دیا ۔ پس غیر آباد کنوئیں دیہاتیں

کی بربادی کا نشان ہیں اور عالی شان محلات کی تباہی کا منظر شہری سلاطین کی بربادی کی یادگار ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ضحاک سے مروی ہے کہ یہاں اس مخصوص کنوئیں کا ذکر ہے جو حضر موت کے علاقہ کے مشہور شہر حاضورا میں تھا وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی امت کے چار ہزار مومن انسان پہنچے اور حضرت صالح بھی ان کے ہمراہ تھے پس پہنچتے ہی حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال ہوگیا چنانچہ اس کنوئیں کا نام اسی وجہ سے حضر موت پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں آباد ہوئے اور پھلے پھولے۔ پس رفتہ رفتہ کفر کی طرف مائل ہوتے گئے اور آخر کار شرک اور بت پرستی کی وبا میں مبتلا ہو گئے۔ خداوند کریم نے ان کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے ایک نبی بھیجا جس کا نام حنظلہ تھا تو انہوں نے اس کو بر سر عام بازار میں شہید کر ڈالا۔ پس خدا نے ان پر عذاب نازل کیا وہ سب کے سب مرگئے ان کا آباد کنواں ویراں ہوگیا اور ان کے پختہ محلات یادگار حسرت رہ گئے۔

آیت مجیدہ کی تاویل اور باطنی مصداق کے متعلق تفسیر اہل بیت میں ہے کہ بئر معطلہ سے مراد وہ عالم ہے جو کس مپرسی کے عالم میں ہو نہ کوئی اس کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے چشمہ علم سے کوئی سیراب ہونے کی خواہش کرے اور آل محمد سے بکثرت روایات وارد ہیں کہ بئر معطلہ کی تاویل امام صامت ہے اور قصر مشید کی تاویل امام ناطق ہے اور تفسیر برہان میں ہے بئر معطلہ امام غائب کی مثال ہے کہ تا دم ظہور ان کے فیوض و برکات علمیہ سے استفادہ نہیں ہوسکتا اور قصر مشید حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی آئمہ ہیں جن کے علوم کے اثرات چہار دانگ عالم میں منتشر ہو چکے ہیں۔ اور اہل ذوق وقتاً فوقتاً ان سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ

کہ وہ ظالم تھے پس وہ چھتوں پر گر چکی ہیں اور کتنے کنوئیں غیر آباد اور کتنے مضبوط محلات

مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ﴿۴۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

(ویران ہو گئے) کیا نہیں سیر کرتے زمین میں

فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ

پس ہوں ان کے دل کہ سوچیں یا کان کہ

بہر کیف قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو اس کے شان نزول تک محدود نہیں کیا جا سکتا ورنہ اس کی ہدایات و تعلیمات ایک عرصہ معینہ تک محدود ہو جائیں گی۔ پس اس کی تاویل و باطن کو جاری ماننا عین ایمان ہے۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا۔ اقوام گذشتہ اور امم سابقہ کے واقعات کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ان کے

انجامِ بد سے متاثر ہو کر مسلمان ایسے عادات و اطوار سے گریز کریں جو ان کے لئے مہلک ثابت ہوئے۔ پس حالات کا جائزہ لے کر دل میں سوچنے کی کوشش کریں اور کانوں سے سن کر عبرت حاصل کریں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر انسان کے دل میں بصیرت کی آنکھیں موجود ہوں تو ظاہری آنکھوں کی نابینائی نقصان نہیں دیتی لیکن اگر دل میں بصیرت کا نور نہ ہو تو ظاہری آنکھوں کے کھلا رہنے کے باوجود انسان بات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں زمین کی سیر کرنے اور واقعات کو سننے کے بعد دل کی بصیرت سے سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔

يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى

سنیں ان کے ذریعے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے

الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ

ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ لوگ تجھ سے جلدی عذاب

وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ

چاہتے ہیں اور ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدہ کا اور تحقیق ایک دن تیرے رب

سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ

کے نزدیک مثل ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں جو ہم نے ڈھیل دی حالانکہ

لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ ع ۱۳

وہ ظالم تھے پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف بازگشت ہے

اِنَّ یَوْمًا۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فقیر لوگ امیر لوگوں سے ایک آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی پانچ سو سال۔ نیز مروی ہے کہ قیامت کے پچاس موقف ہوں گے۔ اور ہر موقف ایک ایک ہزار سال کا ہوگا۔ (۲) جس میں لوگوں سے اپنے اعمال کی بازپرس ہوگی۔

(۲) اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ایک ہزار سال برابر ہیں۔ پس جس طرح وہ ایک دن کی مہلت کے بعد عذاب دے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہزار سال کے بعد بھی گرفتارِ عذاب کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے۔

(۳) اس کے ایک دن کا عذاب دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس طرح بہشتیوں کے لئے ایک دن کا آرام و عیش دنیا کے ہزار سالوں کے عیش کے برابر ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۴۔ فِیْۤ اٰیٰتِنَا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فِیْ اِبْطَالِ اٰیٰتِنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری

آیات کے باطل کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا - آیت مجیدہ کے شانِ نزول میں جو روایات وارد ہیں۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اصحاب حدیث کے نزدیک وہ سب مطعون اور ضعیف ہیں کیونکہ ان کا مضمون ایسی بات کو ظاہر کرتا ہے جو شایانِ شان رسالت نہیں انہوں نے سید مرتضےٰ علم الہدیٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء سے جو ان روایات کے مضمون کی تاویل اخذ کی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضورؐ نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور یہاں تک پہنچے۔ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔ تو حاضرین میں بعض مشرکین بھی موجود تھے اور انہیں پتہ تھا کہ اب ان کی توہین کا کوئی کلمہ آئے گا۔ پس فوراً شیطان نے کسی مشرک کی زبان سے یہ فقرے جاری کروا دیئے۔ تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی۔ لوگوں کا جم غفیر تھا۔ جہال نے یہ سمجھ لیا کہ حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے یہ فقرے صادر ہوئے ہیں۔ پس مشرکین خوشی سے بغلیں بجانے لگ گئے اور جب آپ مقام سجدہ پر

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۴۹
کہہ دے اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ میں تم کو ڈرانے والا ہوں ظاہر
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے ان کے لئے بخشش اور اچھا
كَرِيْمٌ ۵۰ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
رزق ہوگا اور جو لوگ کوشش کریں ہماری آیات میں مقابلہ کرتے ہوئے
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۵۱ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
وہ جہنم میں جائیں گے اور ہم نے نہیں بھیجا

پہنچے تو سب مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے کیونکہ ان کے زعم باطل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپ نے بتوں کی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ پس مجمع میں ولید بن مغیرہ مخزومی بھی موجود تھا جو بہت سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا اس نے بھی سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور زمین پر رکھ کر ان پہ سجدہ کر لیا پس جبریل یہ آیت لایا۔

رسول اور نبی میں فرق

آیت مجیدہ میں نبی کا رسول پر عطف کر کے متعدد معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں (۱) رسول کے لفظ میں مطلقاً بھیجنے کا مفہوم آتا ہے اور نبی کے لفظ میں بھیجنے کے ساتھ اس کی عظمت و رفعت کا اظہار بھی ہے جیسا کہ لغوی معنی کا تقاضا ہے (۲) رسول وہ ہے جس پر فرشتہ

وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جس کو بذریعہ خواب وحی ہو۔ پس جو رسول ہوگا وہ نبی ضرور ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو (۳) رسالت ایک مخصوص سفارت کا عہدہ ہے جو کسی مخصوص اُمّت کے لئے ہو اور نبوّت عہدہ سفارت نہیں ہے (۴) رسول وہ ہے جو شریعت کے احکام لائے اور اس کا ڈھانچہ تیار کر کے اُمّت کے پیش کرے اور نبی وہ ہے جو شریعت کا محافظ ہو۔ اور ہم نے تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۳۴ پر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ نیز کتاب لمعۃ الانوار حصہ اوّل صفحہ ۲۲ پر بھی تفصیل مذکور ہے۔

اِذَا تَمَنّٰی۔ تمنّی کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) تلاوت کرنا (۲) خواہش کرنا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے آیت مجیدہ میں جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی ہمارا فرستادہ نبی و رسول ہماری آیات کی تلاوت کرنے لگتا تھا تو شیطان اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے لفظ جوڑ کر کسی کی زبان سے جاری کر دیتا تھا پس کلام خدا میں تحریف و تصحیف اسی شیطانی کھیل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جیسا کہ تورات و انجیل میں ظاہر ہے۔ پس آپ غم زدہ نہ ہوں کیونکہ شیطانی اضافہ کو ہم باطل کر دیں گے اور آیات کو محکم رنگ میں باقی رکھیں گے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب نبی و رسول کچھ بولنا چاہے تو شیطان وسوسے کے طور پر اپنی جانب سے اضافہ پیش کرتا ہے۔ لیکن خدا شیطانی وسوسہ کی اتباع سے نبی کو محفوظ رکھتا ہے اور اپنی آیات کو محکم قرار دیتا ہے۔ پس اس میں شیطانی تخیلات کو راہ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ آیات کی تلاوت کے دوران میں شیطان کے القا کردہ کلمات جو بعض مشرکین کی زبان سے جاری ہو گئے خدا نے مومنوں اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ پس اُن سے صرف وہ افراد متاثر ہوئے جن کے دلوں پر نفاق کی میل موجود تھی یا وہی لوگ خوش ہوئے۔ جو اپنے شرک کو فروغ دینا چاہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے دیکھو محمد نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کر لیا ہے غرانیق جمع ہے غرنوق کی اور اس کا معنی ہوتا ہے خوب صورت۔ جیسے کہا جاتا ہے شابٌ غرنوق۔ یعنی خوب صورت نوجوان۔

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى
تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب کوئی خواہش کرے
الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ
تو دخل دیتا ہے شیطان اس کی خواہش میں پس مٹاتا ہے اللہ جو دخل دیتا ہے شیطان
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۵۲)
پھر مضبوط کرتا ہے اپنی آیات کو اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ قرأت اہل بیت میں وَلَا نَبِيٍّ کے بعد وَلَا مُحَدَّثٍ کا لفظ بھی تھا۔ راوی نے

جب الگ الگ معانی دریافت کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر آئے اور بات کرے اور نبی وہ ہے جس پر وحی خواب میں ہو چنانچہ نبوت اور رسالت ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں۔ اور محدث وہ ہے جو فرشتہ کو نہ دیکھے لیکن اس کی آواز سنے راوی نے پوچھا کہ وہ کس طرح پہچانے گا کہ یہ آواز فرشتے کی ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پاس خداداد قوت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان سکتا ہے اور آل محمد سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں کہ آئمہ اہل بیت علیہم السّلام مُحدَّث تھے اور تفسیر برہان میں ہے عورتوں میں سے چار عورتیں محدثہ تھیں (۱) سارہ (۲) مادرِ موسیٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا یعنی ان کے ساتھ فرشتے کلام کرتے تھے۔

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

تاکہ بنائے اس کو جو جوڑتا ہے شیطان آزمائش ان کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے

مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ

اور جن کے دل سخت ہیں اور تحقیق ظالم لوگ گہری بدبختی

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ (۵۳) وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

میں ہیں اور تاکہ جان لیں وہ جن کو علم دیا گیا کہ تحقیق یہ (قرآن)

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَ

حق ہے رب کی جانب سے پس ایمان لائیں پس جھکیں اس کے لئے ان کے دل اور

اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵۴)

تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے ان کو جو ایمان لائیں سیدھے راستہ کی

لِیَجْعَلَ۔ یعنی شیطانی القاء کو باطل کرنا اور اپنی آیات کو باقی رکھنا منافق لوگوں اور سخت دل مشرکوں کے لئے امتحان کی ایک کٹھن منزل ہے تاکہ وہ القاء شیطانی اور وحی ربانی میں فرق کرکے جادۂ حق پر سوچ سمجھ کر گامزن ہونے کی جرأت کریں۔

لِیَعْلَمَ۔ جس طرح منافق اور مشرک لوگوں کے لئے القاء شیطانی کو باطل کرنا مقام آزمائش ہے اسی طرح اہل ایمان و ایقان پر خدا واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ حق کی مزید معرفت حاصل کرکے اس پر ڈٹے رہیں تاکہ مخالف ہوا کا تیز سے تیز جھونکا بھی ان کے قدموں میں لغزش نہ پیدا کر سکے پس اُوْتُوا الْعِلْمَ سے ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ اور فَیُؤْمِنُوْا کا معنی ایمان لانا نہیں بلکہ ایمان پر ثابت قدم رہنا اور معرفت کا زیادہ ہونا مراد ہے۔

عَقِیْمٍ۔ اس کا معنی ہے بانجھ عورت جس کی اولاد نہ ہو اور جنگ بدر کے دن کو یوم عقیم کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دن کفار

مکہ کے لئے سخت عذاب کا دن تھا۔ اور اس میں ان کی کوئی خیر و بھلائی نہ تھی جس طرح بانجھ عورت سے خیر کی اُمید نہیں ہوتی۔
یَوْمَئِذٍ۔ اس دن سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ مومن جنت میں جائیں گے اور
دشمنانِ خدا عذابِ ابدی کی سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۱۵

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ

ہمیشہ رہتے ہیں وہ جو کافر ہیں شک میں اس سے یہاں تک کہ آئے ان پر

تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

قیامت اچانک یا آئے ان پر عذاب سخت دن

عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ

کا سلطنت اس دن اللہ کی ہوگی وہ حکم کرے گا ان میں پس جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۵۶﴾

لوگ ایمان لائیں اور عمل نیک کریں وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں ہماری آیات کو تو ان کے لئے ذلیل کن

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۵۷﴾ ع ۱۴ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

عذاب ہوگا اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں

ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ

پھر قتل کئے گئے یا مر گئے البتہ رزق دے گا ان کو اللہ اچھا رزق

وَمَنْ عَاقَبَ

یعنی جو بدلہ میں سزا دے جس قدر اس کو دی گئی۔ پس دونوں جگہوں پر عقوبت کا اطلاق مجانست کے لئے ہے۔ ورنہ پہل کرنا عقوبت نہیں ہوتا۔ مروی ہے کہ محرم سے ابھی چند دن باقی تھے کہ مشرکین مکہ سے چند مسلمانوں کی ملاقات ہوئی پس مشرکین نے سوچا کہ حرمت والے مہینے میں وہ ہم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ لہٰذا ہم پہل کر کے ان کو قتل کر دیں۔ مسلمان پہلے تو کہتے رہے کہ حرمت والے مہینے ہیں ہم سے نہ چھیڑو لیکن جب وہ باز نہ آئے تو مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے ان کو ڈھیر کر دیا اور خدا نے ان کو ان پر فتح یاب کر دیا اور آیت مجیدہ میں اسی کا اعلان ہے۔

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۵۸﴾ لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا

اور تحقیق اللہ بہترین رزق دینے والا ہے ضرور ان کو داخل کرے گا

یَّرْضَوْنَہٗ ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِکَ ج وَمَنْ

ایسی جگہ کہ وہ اس پر رضامند ہوں گے اور تحقیق اللہ جاننے والا حلیم ہے یہ بات! اور جو تکلیف

عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِہٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ لَیَنْصُرَنَّہُ

دے جتنی تکلیف دیا جائے پھر اس پر سرکشی کی جائے تو ضرور اس کی مدد کرے گا

اللّٰہُ ط اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ

اللہ تحقیق اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یہ اس لئے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات

الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَاَنَّ اللّٰہَ

کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تحقیق اللہ

سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ

سننے دیکھنے والا ہے یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور تحقیق

مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ

وہ جن کو وہ پکارتے ہیں اس کے علاوہ باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی

الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

بلند و بزرگ ہے کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے پانی

مَآءً ز فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً ط اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۶۳﴾

پس ہو جاتی ہے زمین سرسبز تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے

یُوْلِجُ الَّیْلَ - یعنی خدا ایک کو دوسرے پر غالب کرنے پر قدرت رکھتا ہے شب و روز کی کمی و بیشی کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد ص ۲۱۳ پر ملاحظہ کیجئے۔

ھُوَ الْحَقُّ - یعنی یہ اس لئے ہے کہ وہی تو سچ مچ خدا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر معبود بنائے گئے ہیں سب باطل ہیں پس اللہ کو سب کچھ کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶

اَلَمْ تَرَ - انسان کو اپنے نعمات یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے زمین کی قوتوں کو مطیع کر دیا ہے خواہ از قسم جماد ہوں یا از قسم نبات ہوں اور آج کل کی سائنسی ترقی ارضی مواد کو مسخر کر کے جس ارتقائی منزل پر پہنچی ہے۔ اسے آخری زینہ نہیں سمجھنا چاہیئے

maablib.org

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

اس کے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تحقیق اللہ غنی قابل

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

تعریف ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تحقیق اللہ نے مطیع کیا تمہارے لئے جو کچھ

فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ

زمین میں ہے اور کشتیوں کو کہ چلتی ہیں دریا میں اس کے امر سے اور روکتا ہے

السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

آسمان کو کہ گرے زمین پر مگر اس کے اذن سے تحقیق اللہ بندوں پر

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ

مہربان رحم کرنے والا ہے اور وہ ہے جس نے تم کو زندہ کیا پھر مارے گا

يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ

پھر جلائے گا تحقیق انسان البتہ انکار کرنے والا ہے ہر قوم

اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ

کے لئے ہم نے بنائی جائے عبادت کہ وہ وہاں عبادت کرتے ہیں پس انہیں تجھ سے نہیں جھگڑنا چاہیے

فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى

اس بارے میں اور بلاؤ طرف رب کے تحقیق تو سیدھی ہدایت

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ اللہ خوب جانتا ہے جو

بلکہ ہر بعد میں آنے والا اس سے آگے قدم رکھنے کے لئے زمین کے مخفی خزانوں میں سے جستجو کے بعد مزید آلات و اسباب تک راہ پائے گا اور وہ اپنے زمانہ کو روشنی کا دور کہہ کر ہمارے دور کو پرانا زمانہ اور ہماری تہذیب کو پرانی تہذیب کہے گا جس طرح ہم گذشتگاں کے لئے یہی الفاظ تجویز کر رہے ہیں اور جس حد پر جا کر انسانی عقول رک جائیں گے حجت خدا کا قدم ان سے آگے ہوگا اور یہی چیز ان کی مادی ترقیوں سے بالاتر ہو کر خارق عادت اور معجزہ کہلائے گی جس کے لئے اس دور کا متمدن اور دانشمند طبقہ گردنیں خم کرنے پر مجبور ہوگا۔ جیسا کہ ہر زمانہ گذشتہ میں ہادیانِ دین کا طریقہ رہا ہے

مَنْسِكًا۔ اس کا معنی جائے عبادت۔ شریعت۔ قربان گاہ وغیرہ باختلاف اقوال کیا گیا ہے۔

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ۔ کفار لوگ

اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیز کو حلال سمجھتے ہو اور اللہ کی ماری ہوئی شے کو حرام سمجھتے ہو۔ یعنی ذبح کے حکم پر بحث کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے۔ پس خداوند کریم نے ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس پر مفصل بحث تفسیر کی پانچویں جلد کی اوائل میں مدلل طور پر کر دی ہے جو منصف مزاج لوگوں کے لئے باعثِ اطمینان ہے۔

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

تم عمل کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن جس میں

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

تم اختلاف کرتے ہو کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ

آسمان و زمین میں ہے تحقیق یہ بات لوح محفوظ میں ہے تحقیق یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

اللہ پر آسان ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی کہ نہیں

لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا

نازل کی اس پر کوئی دلیل اور نہ خود ان کو اس کا کوئی علم ہے اور نہ

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو

بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ

معلوم کرو گے ان کے چہروں میں جو کافر ہیں انکار

اَلَمْ تَعْلَمْ۔ خداوند کریم نے اپنے احکام کی مصلحت کو اپنے علم کا حوالہ دے کر بیان کرنے سے گریز فرمایا ہے اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ۔ یعنی کفار قریش ایسی شئی کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس اس کی کوئی سند ہے اور نہ اپنے پاس اس کی کوئی دلیل رکھتے ہیں بس اندھا دھند اپنے باپ دادا کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اپنی عبادات میں اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے اسی لئے فرماتا ہے کہ اگر میری خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو جس کی عبادت کرتے ہیں اس کے متعلق میری طرف سے کوئی سند ان کے پاس ہونی چاہیے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ان پر آیات

قرآنیہ کی تلاوت کی جائے اور عبادت کا صحیح طریق کار ان کو بتایا جائے تو کفار کے چہروں پر غم و غصہ کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ تلاوت کرنے والوں سے دست و گریبان ہوا چاہتے ہیں۔ پس ارشاد فرماتا ہے کہ تم کو اتنی سی بات بری لگتی ہے حالانکہ اس سے بھی تمہارے لئے بدتر خبر یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانا جہنم میں ہوگا اور وہ نہایت بری بازگشت ہے۔ اور روایات اہل بیت میں ان آیات کی تاویل حضرت علی کے حق میں ہے بلکہ قیامت تک ہر باطل پرست کے لئے یہ آیات راہِ حق اختیار کرنے کی دعوتِ عامہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۷

دعوتِ توحید

ضُرِبَ مَثَلٌ ۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کفارِ قریش کا دستور تھا۔ وہ کعبہ کے پاس نصب شدہ بتوں پر عنبر و کستوری مل دیتے تھے۔ یغوث دروازہ کے سامنے یعوق دائیں جانب اور نسر بائیں طرف تھا۔ مسجد میں داخل ہو کر پہلے یغوث کا سجدہ کرتے پھر یعوق کا اور آخر میں نسر کا سجدہ کرتے تھے اور تلبیہ پڑھتے تھے۔ خداوند کریم نے

يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا

قریب ہے کہ حملہ کر دیں ان پر جو تلاوت کرتے ہیں ان پر ہماری آیتیں

قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ

کیا میں تم کو اس سے بھی بُری بات بتاؤں وہ آگ ہے جس کا اللہ نے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بری بازگشت ہے اے لوگو! بیان کی

ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

گئی مثال پس اس کو غور سے سنو تحقیق جو لوگ پکارتے ہیں اللہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا

کے غیر کو وہ تو نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی اگرچہ سب جمع ہو جائیں

لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ

اور اگر چھین لے ان سے مکھی کوئی شے تو وہ اس سے چھڑا

مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ

نہیں سکتے کمزور ہے طالب اور مطلوب نہیں پہچانا

ایک چار پروں والی سبز رنگ کی مکھی بھیجی جس نے بتوں پر ملا ہوا عنبر اور مشک سب چاٹ لیا۔ پس یہ آیت بھیج کر ان کو تنبیہ کیا اور اپنی توحید کی دعوت دی کہ جو مل جل کر ایک مکھی کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے حالانکہ طلب کرنے والی مکھی اور مطلوب بت سب ضعیف و کمزور ہیں تو ایسوں کو میرے مقابلہ میں پوجنا کہاں کی عقلمندی ہے اور طالب و مطلوب سے مراد پجاری اور بت بھی ہو سکتے ہیں اور قرآن کی یہ مثال اور تنبیہ صرف کفار مکہ تک محدود نہیں بلکہ تا قیامت ہر مشرک کے لئے درس آموز مثال ہے۔ پس سب کا حاجت روا وہی ایک اللہ ہے وہی مشکل میں پکارنے کے لائق ہے اور وہی دے سکتا ہے فرشتے اور رسول اس کی برگزیدہ مخلوق ہیں لیکن کسی کو کچھ دینے اور دے سکنے والا صرف وہی ایک ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے علاوہ حاجت روائی کے لئے کسی نبی یا ولی کو پکارتے ہیں وہ اللہ کی اس بیان کردہ مثال سے درس عبرت حاصل کریں۔ ہم پر اللہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے اس نے ہمارے لئے محمد و آل محمد علیہم السلام کو وسیلہ مقرر فرمایا ہے اور ہمیں اس وسیلے سے تمسک کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ

انہوں نے اللہ کو جو پہچاننے کا حق تھا تحقیق اللہ قوت والا غالب ہے اللہ چنتا ہے فرشتوں

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

میں سے رسول اور آدمیوں میں سے تحقیق اللہ سننے والا

بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

دیکھنے والا ہے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور اللہ کی طرف بازگشت ہے معاملات کی اے وہ لوگ جو ایمان لائے رکوع

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور کرو

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ

بھلائی تاکہ تم فلاح پاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں

اَلْخَيْرَ - پہلے رکوع سجود اور عبادت کا بالعموم حکم دیا اور پھر بدنی عبادات کے ساتھ تمدنی نیکیوں کے بجالانے کا حکم صادر

maablib.org

فرمایا کہ ہر قسم کی نیکی و بھلائی کا عمل کرو مثلاً دکھوں کی فریاد رسی۔ بھوکوں پیاسوں کی خبر گیری۔ کمزوروں محتاجوں کی دستگیری والدین سے احسان اور ہمسایوں سے حسن سلوک وغیرہ۔

وَجَاهِدُوا۔ ہر برائی سے بچنے کی کوشش اور ہر قسم کی نیکی کی طرف اقدام راہ خدا میں جہاد ہے بلکہ تلوار و نیزہ کے جہاد کے مقابلہ میں یہ جہاد اکبر ہے۔

حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

پورا جہاد　اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے　اور نہیں رکھی اس نے تم پر دین میں

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ

کوئی　حرج　ملت تمہارے باپ　ابراہیم　کی

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا

تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

پر گواہ ہو　پس قائم کرو نماز کو اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ

دو زکوٰۃ اور تمسک رکھو اللہ سے وہ تمہارا مولا ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۷

پس وہ بہترین مولی اور بہترین مددگار ہے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

یہاں فعل محذوف ہے یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو اور حضرت ابراہیم کو سب کا باپ کہا گیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت اس طرح واجب ہے جس طرح باپ کی اطاعت بیٹوں پر واجب ہوتی ہے۔

هُوَ سَمّٰىكُمْ۔ یعنی یہ مسلمان کا نام ان کا تجویز کردہ ہے جب کہ انہوں نے دعا میں کہا تھا۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً۔ اور تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ ان کے حقیقی مصداق آل محمدؐ ہیں۔ پس رسول ان پر گواہ ہے اور وہ باقی امت پر گواہ ہیں حضرت رسالتمآبؐ کی شہادت یہ ہوگی کہ وہ کہیں گے۔ ہم نے اپنی شریعت اور اپنا دین ان تک پہنچایا تھا اور ان کے حوالے کیا تھا اور ان کی شہادت یہ

ہوگی کہ ہم نے رسول کی شریعت کو لوگوں تک ویسے پہنچایا تھا جس طرح ہم تک پہنچی تھی۔ نہ ہم نے اس میں کچھ کمی کی اور نہ زیادتی بلکہ پوری پوری حفاظت کے ساتھ دین کی تبلیغ کی اگرچہ اس سلسلہ میں ہم کو ہر ممکن طریق سے ستایا گیا گھروں سے نکالا گیا۔ قید و بند میں رکھا گیا۔ انسانی آزادی ہم سے سلب کر لی گئی۔ ہر ممکن ظلم ہم پر روا رکھا گیا۔ بچے شہید ہوئے جوان ذبح کئے ہوئے۔ عورتوں کو اسیر کیا گیا اور ایسے مصائب کے پہاڑ ڈھائے گئے کہ تصور کرتے ہوئے دل تھرّاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تیرے دین کی حفاظت کے لئے ہم نے برداشت کیا اور لوگوں تک صحیح دین پہنچایا۔

---

maablib.org

سُورَۃُ المُؤمِنُون

یہ سورہ مکیہ ہے۔

اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے۔

(۱) حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص سورہ مومنون کی تلاوت کریگا اس کو فرشتے بروز محشر روح وریحان کی خوشخبری سنائیں گے اور ملک الموت کی آمد پر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرے گا۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو ہر جمعہ میں سورہ المومنون کی تلاوت کرتا رہے اس کا خاتمہ نیک ہوگا اور فردوس بریں میں اس کی جگہ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوگی۔

(۳) جو شخص اس کو لکھ کر شرابی کے گلے میں باندھے تو وہ شراب سے نفرت کرے اور پھر کبھی اس کے نزدیک نہ جائے گا بلکہ اس کا نام تک نہ لے گا۔

(۴) ایک روایت میں ہے کہ رات کو لکھ کر سفید پارچہ میں باندھ کر جس کے گلے میں ڈالی جائے وہ شراب کے کبھی قریب نہ جائے گا بلکہ اس کو مبغوض نگاہوں سے دیکھے گا۔

منقول از خواص القرآن (برہان)

رکوع نمبر ۱ بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد

تفسیر برہان میں بروایت مجالس شیخ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن عباس بن عبدالمطلب یزید بن قعنب اور قریش کے دیگر سربرآوردہ اشخاص بیت اللہ کے سامنے باہمی گفتگو میں مشغول تھے کہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تشریف لائیں اور بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہوگئیں انہیں دردِ زہ محسوس ہوا تو آسمان کی جانب آنکھ اٹھا کر ان لفظوں میں مناجات کی۔ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور ہر اس شے پر جو تیری طرف سے تیرا رسول لایا ہے اور تیرے تمام نبیوں پر اور کتابوں پہ ایمان رکھتی ہوں اور میں اپنے جد حضرت ابراہیم خلیل کی فرمائشات کی تصدیق کرتی ہوں۔ اور یہ سمجھتی ہوں کہ انہوں نے تیرے اس مقدس گھر کی تعمیر فرمائی تھی۔ پس میں اس گھر کا، گھر کے بنانے والے کا اور اس بچے کا جو میرے شکم میں میرے ساتھ بولتا اور مجھے مانوس رکھتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ تیری نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگا، کے حق کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ مجھ پر اس کی ولادت کا مرحلہ آسان فرما۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)
قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ
تحقیق چھٹکارا پایا مومنوں نے جو اپنی نماز میں

عباس کہتا ہے فاطمہ بنت اسد کے کلام کرنے اور دعا مانگنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ پشت کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور فاطمہ اندر چلی گئی پس ہم سے غائب ہوگئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ دیوار کعبہ حسب سابق مل گئی باذنِ پروردگار۔ ہم نے دروازہ کو کھولنا چاہا تاکہ عورتوں کو اندر بھیجیں لیکن وہ نہ کھل سکا پس ہم سمجھے کہ یہ کوئی خدائی راز ہے۔ بی بی متواتر تین دن بیت اللہ کے اندر رہی اور ان دنوں پورے شہر مکہ میں اس بات کا عام چرچا رہا حتیٰ کہ لوگوں کی زبان پر گلی کوچوں میں بھی یہی ذکر ہوا کرتا تھا اور پردہ نشین مخدرات کا اپنے اپنے گھروں میں موضوع گفتگو یہی قصہ تھا۔ چنانچہ تین دن کے بعد بیت اللہ کی دیوار اسی مقام سے دوبارہ شق ہوئی اور اپنے مقدس ہاتھوں پر سلطان ملک معرفت شہنشاہ اقلیم ولایت اختر برج امامت اور نیر آسمان خلافت حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کو اٹھائے ہوئے بی بی کعبہ سے برآمد ہوئی اور اپنی زبانِ گوہر بار سے چند موتی بکھیرے جن کو درِ شہوار سمجھ کر حاضرین نے اپنے دامن میں لیا۔

(اے لوگو! مجھے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ممتاز فرمایا اور پہلے کی تمام برگزیدہ خواتین پر مجھے کرامت و فضیلت بخشی خدا نے جناب آسیہ بنت مزاحم کو چنا جو چھپ کر ایسے مقام پر اس کی عبادت کرتی تھی کہ اگر مجبوری نہ ہو تو ایسے مقامات پر عبادت کرنے سے اللہ خوش نہیں ہوتا اور مریم بنت عمران پر عیسیٰ کی ولادت آسان ہوئی تو جنگل کی خشک کھجور کو ہلانے سے اس کو تر و تازہ پھل عطا ہوا۔ اللہ نے مجھے اس پر اور پہلے کی تمام مستورات پر یہ شرف بخشا ہے کہ میرا بچہ اس کے مقدس

گھر میں پیدا ہوا اور تین دن متواتر اللہ کی مہمان رہ کر جنت کے دستر خوان سے میوہ ہائے بہشت کھاتی رہی ہوں اور جب بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر میں نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ندائے ہاتف پہنچی۔ اے فاطمہ! اس کا نام علی رکھنا کیونکہ میں علی اعلیٰ ہوں اور اس کو میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے نیز میں نے اپنے درسِ توحید سے اس کو تعلیم دی ہے۔ اپنے امورِ شرعیہ اس کے سپرد کئے ہیں اپنے علم سے اس کو بہرہ ور کیا ہے میرے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ سب سے پہلے میرے گھر کی چھت پر بلند ہو کر میرے نام کی اذان کہے گا اور بتوں کو توڑ کر پھینکے گا اور میری عظمت مجد اور توحید کا علم بلند کرے گا اور میرے حبیب کے بعد میری مخلوق کا امام و قائد ہو گا۔ پس اس کے محب و ناصر کے لئے طوبیٰ ہے اور اس کے نافرمان اور منکرِ حق کے لئے ویل ہے)۔

حضرت ابوطالب بیٹے کا مژدۂ جانفزا سن کر فرطِ سرور میں آگے بڑھے تو قرآنِ ناطق نے اپنے لبہائے نازنین کو جنبش دی۔ پس اسد کردگار نے اپنے والد عالی مقدار کو سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَۃَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اتنے میں سلطان الانبیاء حضرت رسالت پناہ فرطِ مسرت اور جوشِ عقیدت سے اپنے وصی کو بیت اللہ سے لینے کے لئے تشریف لے آئے ہوئے تو اللہ کے گھر سے آنے والے نووارد مہمان نے آنکھیں کھولیں اور سیدالانبیاء کو اپنے لئے چشم براہ دیکھ کر فرطِ انبساط سے ماں کے ہاتھوں پر جھومنے لگے پس رسالت کی آنکھ سے آنکھ ملا کر مسکراتے ہوئے عقیدت مندانہ سلام عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ پھر تنحنح کر کے قرآن ناطق نے قرآنِ صامت کی تلاوت شروع کر دی۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ہُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ۔ الخ۔ حضرت رسالتمآب نے فرمایا بے شک وہ تیری ہی بدولت فلاح و کامیابی حاصل کریں گے اور خدا کی قسم تو ہی ان کا امیر ہو گا اور ان کو علم کی خیرات تجھ سے ہی ملے گی اور تو ہی ان کا ہادی و رہبر ہو گا۔ حضورؐ نے ہاتھوں پر لیا اور جناب فاطمہ سے فرمایا کہ جا کر حضرت حمزہ کو اطلاع دیجئے اور مبارکباد کہئے۔ بی بی نے عرض کی حضور! اگر میں چلی جاؤں تو بچہ کی غذا کا بندوبست کون کرے گا آپ نے فرمایا میں جو موجود ہوں۔ بی بی نے ازراہِ تعجب پھر دریافت کیا کہ آپ اس کو غذا دیں گے؟ فرمایا ہاں میں دوں گا۔ حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے جھک کر دہن مبارک کھولا اور اپنی زبان وحی ترجمان کو علی کے منہ میں رکھا پس علوم نبوت و رسالت بصورتِ غذائیت بارہ چشمے بن کر جاری ہوئے جو فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا کی مکمل تفسیر تھے۔ جب جناب فاطمہ حضرت حمزہ کو علی کی ولادت باسعادت کی نوید مسرت افزا سنا کر واپس پلٹیں تو حضرت علی کے رخِ انور سے تا بہ آسمان ایک نور ساطع و لامع دیکھا۔

پس بی بی نے ایک قماط (بندھنا) میں باندھا شیر خدا نے ایک ہی انگڑائی سے اسے توڑ دیا پھر مضبوط کپڑے سے دوبارہ بندھنا باندھا علی نے ایک پہلو بدل کر اس کو بھی توڑ دیا۔ تیسری بار دو کپڑے کے تہہ کر کے باندھا لیکن وہ بھی نہ ٹھہر سکا چوتھی بار تین تہہ مضبوط رکھے اور وہ بھی پھٹ گئے پانچویں دفعہ مصری مضبوط کپڑے سے چار تہہ رکھ کر قماط باندھا تو علی کے زورِ بازو

سے وہ بھی ٹوٹ گیا۔ پس چھٹی مرتبہ ریشمی مضبوط کپڑے کے پانچ تہوں سے باندھا۔ جب وہ بھی ٹوٹ گیا تو ساتویں بار چھ ریشمی کپڑے کے تہوں کے اوپر ایک چمڑے کا تہ رکھ کر باندھا لیکن علی کی قوت ید اللہی کے مقابلہ میں یہ حیلہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ انگڑائی لیتے ہی انہیں توڑ دیا اور ماں کی طرف نظر اٹھا کر اپنی زبان معجز بیان حق ترجمان سے کہا۔ اماں جان! میرے ہاتھ مت باندھئے کیونکہ میں انگشت شہادت اٹھا کر توحید پروردگار کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت ابوطالب نے یہ سب ماجرا دیکھ کر فرمایا یہ بچہ نرالی شان اور انوکھی آن بان لے کر آیا ہے جس کو آنے والا زمانہ مشاہدہ کرے گا۔

دوسرے دن حضرت رسالت مآب تشریف لائے تو حضرت علی زیارت پیغمبرؐ سے مشرف ہو کر مسکرا دیئے اور شوق وصال میں آپ کی طرف مائل ہوئے تا کہ زبان وحی ترجمان سے لعاب دہن رسالت کی چاشنی کا شرف مکرر حاصل ہو پس حضورؐ نے دست رحمت دراز کئے۔ علی فوراً گود مادر سے آغوش رسالت میں جا پہنچے اور قرآن کی طرح سینہ پیغمبرؐ کی حمائل بن گئے۔ اور حضرت ابوطالب نے ولیمہ کیا جس میں تین سو اونٹ نحر کئے اور ایک ہزار گائے و بکریاں ذبح کیں چنانچہ مکہ اور اطراف و نواح کے لوگوں کو بالعموم کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کعبہ کا طواف کرو اور میرے عظیم فرزند کی زیارت کر کے اس کا سلام بھی کرو (ملخصاً)

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نے پہلے پہل جنت کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ کلام کر تو پہلے کلام جو جنت نے کی وہ یہ تھی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

قَدْ کا لفظ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور گذشتہ واقعہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے لیکن بعض اوقات مستقبل میں ہونے والے یقینی واقعہ کو فعل ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے قریب الوقوع ہونے کو ظاہر کیا جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مستقبل قریب میں نماز قائم ہونے والی ہے۔ پس اس مقام پر مقصد یہی ہے کہ مستقبل قریب میں مومن لوگ فلاح پائیں گے۔

خَاشِعُوْنَ۔ یعنی حالت نماز میں حدود نماز کی پوری پوری پاسداری کریں اور اس کے آداب مستحباب اور مکروہات کی رعایت کریں پاؤں اپنے مقام پر صحیح حالت میں ہاتھ اپنی جگہ پر نظر اپنے مقام پر بلکہ نمازی کا ہر عضو معروف یاد پروردگار ہو مروی ہے کہ جناب رسالت مآب نے ایک نمازی کو حالت نماز میں داڑھی کو خلال کرتے دیکھا تو فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی اس کا اثر ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا دل اگر یاد پروردگار میں مشغول ہو تو باقی اعضا میں بے راہ روی اور آوارگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اور حضور سے مروی ہے کہ اگر اعضاء میں کوئی شخص خشوع کو ظاہر کرے اور دل میں خشوع نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک نفاق شمار ہوتا ہے۔

عَنِ اللَّغْوِ۔ لغو سے مراد ہر وہ قول یا فعل جس کا کوئی فائدہ عقلائی نہ ہو اور ابن عباس سے منقول ہے لغو کا معنی ہے باطل۔ بعضوں نے گناہ یا جھوٹ یا دشنام طرازی کو لغو کا معنی قرار دیا ہے۔ علی حسب الاقوال۔ اور مجمع البیان

maablib.org

ہیں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے لغو سے اعراض کرنے کا معنی یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے اُوپر بہتان طرازی کرے اور ایسی بات بیان کرے جو تجھ میں نہ ہو تو رضاء پروردگار کی خاطر اس سے چشم پوشی کرلے اور منقول ہے کہ قریش مکہ حضرت رسالتمآبؐ اور آپ کے صحابہ کو گالی دیتے تھے پس آپ کو ان سے اعراض کرنے کا حکم ہوا ایک روایت میں گانا اور ہر قسم کا کھیل تماشا لغو میں شمار کیا گیا ہے۔

بروایت ارشاد مفید حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے منقول ہے ہر وہ قول جس میں ذکر نہ ہو لغو ہے۔

اعتقادات میں ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے

خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③
خشوع کرتے ہیں اور وہ جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ
اور وہ جو زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کے
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ
محافظ ہوتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥
اُن سے جن کے وہ مالک ہیں پس وہ قابل ملامت نہ ہوں گے

دریافت کیا گیا کہ قصہ خوان لوگوں کا سننا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

تنبیہ۔ اب ذرا چشم انصاف سے بہانگ دہل ایمان کا دعویٰ کرنے والے جنّت کے ٹھیکہ دار اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ قرآن کی روشنی میں اپنے اندر ایمان کی قندیل کس حد تک روشن ہے اور مومنوں کی علامات کس قدر موجود ہیں؟ خدا کی قسم دل تھرّاتا ہے جگر کانپتا ہے اور آنکھیں فرطِ غم سے ڈبڈبا جاتی ہے جب دورِ حاضر کی عیاشانہ عزاداری پر نظر اٹھتی ہے جس میں سوائے راگ ورنگ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مجلس کا تقدس یکسر ختم ہو کر رہ گیا ہے اور عزاداری کا وقار برائے نام بھی نہیں رہا۔ مجلس حسین صرف اکھاڑا کی صورت میں باقی ہے۔ بالعموم اس میدان میں قدم رکھنے والے عزاداری کے نام اور اس کے تقدس کی آڑ میں عیاشی وفحاشی کے وہ کھیل کھیلتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کا مہذّب طبقہ تو درکنار غیر مہذب افراد کے دل ودماغ میں بھی اس کا تصوّر تک نہ آتا ہوگا۔

معیار مجلس معیار عزا معیار تقریر معیار کامیابی اور معیار مقبولیت جو آلِ محمدؐ نے بیان فرمائے تھے اُن کے مفاہیم یکسر بدل دیئے گئے۔ بنابریں اچھے ذاکر کا معیار ہے۔ خوش آوازی اور حسن گلوکاری اچھے مقرر کا معیار ہے۔ حاضرین کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے لئے ان کی ذہنی عیاشی کی خاطر چٹکلوں اور تک بندیوں پر مشتمل مضحکات ومبکیات کا مناسبہ بیان

اور اسی طرح اچھّے واعظ کا معیار ہے۔ جنّت کا سستے داموں فروخت کرنا اور حاضرین کے لئے آتشِ جہنّم حرام قرار دینا یعنی نیک اعمال کو سبک ثابت کرنا اور بداعمالی پر جرأت دلانا وعلیٰ ہذا القیاس۔ ایسے روح فرسا اور جگر سوز حالات میں بانیانِ مجلس اور سامعین میں خلوص پیدا ہو تو کیونکر اور احساسِ مذہب ہو تو کس لئے؟ اگر علمائے حقّہ اپنی آنکھیں بند کر کے گوشہ تنہائی کو اختیار کرلیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی ناقابلِ عفو جرم ہے۔ اور اگر نصیحت کے لئے زبان کھولیں تو پیشہ ور زفاصانِ منبر اپنے لقمہ تر کی خاطر ان کا گلا دبانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی ضرب المثل کے مطابق علمائے ناصحین کو دین دشمن کہہ کر حفاظتِ دین پر اپنی اجارہ داری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

اللہ کے نزدیک مومن کا جو معیار ہے وہ ان آیاتِ مجیدہ میں بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مومن کی پہلی نشانی ہے کہ نماز میں خشوع کرتا ہو اور اس کے برعکس ہمارے معاشرہ میں نماز میں خشوع تو در کنار پکا مومن اس کو سمجھا جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ مجلس منعقد کرالے اور ذاکر مقرر یا واعظ کی حسبِ منشا خدمت کردے خواہ عمر بھر نماز کا ایک سجدہ بھی ادا نہ کرے مومن کی دوسری نشانی قرآن مجید نے لغو سے اعراض کرنا بتایا ہے اور ہمارے معاشرہ میں راگ و رنگ اور گلوکاری کو مجالسِ عزا کا طرّۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے اور جو اس بدعنوانی سے روکے اسے دشمنِ عزاداری سمجھا جاتا ہے۔ مومن کی تیسری نشانی زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے لیکن ادھر معاملہ کچھ اور ہے۔ عزاداری پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ کرنے والے زکوٰۃ واجبہ اور خمس کے ادا کرنے میں انتہا درجہ کے بخیل ہوتے ہیں حالانکہ مال غیر مذکّٰی وغیر مخمس سے خرچ کرنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور ایسے مال سے نہ زوّاری مقبول ہوتی ہے نہ عزاداری۔ ایسے بانیانِ مجلس کو ذاکر، مقرر یا روضہ خوان و واعظ وہی پسند ہے جو بانی مجلس کی خوشنودی کی خاطر منبرِ حسینی پر زکوٰۃ و خمس کا نام تک نہ لے۔ پس عزاداری پر خرچ کرنے والے کے لئے جنّت کی پیش کش ہر مجلس میں کرتا رہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص ایک قیراط کے برابر بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو نہ وہ مومن ہے نہ مسلمان اور نہ اس کی نماز قبول ہے۔ مومنوں کی چوتھی علامت ہے اپنی شرم گاہوں کو حرام سے محفوظ رکھیں خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور قرآن نے جو معیار اہلِ ایمان کا مقرر فرمایا ہے خدا ہمیں اس پر پورا اترنے کی توفیق دے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى۔ یعنی جو شخص حلال عورت کو کافی نہ سمجھ کر آگے قدم بڑھائے وہ ظالم اور سرکش ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ عورتیں مردوں پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہیں (۱) نکاح بمیراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور وہ نکاح دائمی ہے (۲) نکاح بلا میراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور وہ نکاح متعہ ہے (۳) نکاح بملک یمین۔ یعنی وہ عورت جو لونڈی ہو اور جائز طریقہ سے اس کی کنیزی میں داخل ہو گذشتہ زمانہ میں اس کا رواج عام تھا آج کل ہمارے ہاں یہ سلسلہ نہیں

ہے۔ بروایت کافی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا متعہ حلال ہے لیکن عفیف اور پاکدامن عورت سے کرو اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حضرت رسالت مآب سے بھی مروی ہے کہ عورت مرد پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہے۔ نکاح دائمی جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ نکاح متعہ جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور تیسرے ملک یمین یعنی لونڈی جس کو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦

پس جو خواہش کرے اس سے آگے تو وہ سرکش و ظالم ہوں گے

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ⑧

اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہوتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ اُولٰٓئِكَ

اور وہ جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے لوگ ہی

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

وارث ہوں گے (جنت کے) وہ پائیں گے جنت کو کہ وہ فردوس ہیں

لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یہ مومن کی پانچویں علامت ہے کہ وہ اس میں خیانت نہیں کرتے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ امانتیں دو قسم کی ہیں (۱) اللہ کی طرف سے (۲) بندوں کی جانب سے پس اللہ کی طرف سے امانت یہ ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ جملہ عبادت کو صحیح طور پر ادا کرے اور بندوں کی جانب سے امانت مثلاً ودیعت عاریت خرید و فروخت اور شہادت وغیرہ ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں دیانت داری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَعَهْدِهِمْ۔ یہ مومن کی چھٹی علامت ہے کہ عہد کی وفا کرے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عہد تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) اللہ کے اوامر (۲) نذر و منت (۳) عقود۔ پس مومن پر ان ہر سہ قسم کے عہدوں کا ایفاء واجب و لازم ہے اللہ کی طرف سے عائد شدہ احکام کی پاسداری کے متعلق ارشادِ قدرت ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ اسی طرح نذر عہد اور قسم وغیرہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہو جاتا ہے اور عقود سے مراد نکاح طلاق اور بیع و شرا بلکہ جملہ باہمی معاملات میں انسان کو اپنے عہد و پیمان کا پابند ہونا چاہیئے۔ گویا آیت مجیدہ میں حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق الناس تمام حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے اور انسان کی صحیح معاشرتی زندگی اور کامیاب تمدنی حیات کا راز اسی میں مضمر ہے۔

یُحَافِظُوۡنَ ۔ مومن کی ساتویں نشانی نماز کی پابندی ہے۔ پہلی نشانی نماز میں خشوع اور آخری نشانی نماز کی پابندی بیان کر کے نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ علامات مومن قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد جلد ۶ ص ۱۴۳ تا ص ۱۸۱ بیان کی ہیں۔

اَلْوَارِثُوۡنَ ۔ یعنی وہ مومن جن میں صفاتِ مذکورہ پائی جائیں گی وہ جنّت کے وارث ہوں گے اور چونکہ وراثت کا اطلاق ایک سے دوسرے کی طرف استحقاق کی بنا پر ملکیت کے منتقل ہونے پر ہوتا ہے مثلاً باپ کے بعد بیٹے کی طرف حق ملکیت کے منتقل ہونے کا نام وراثت ہے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنّت میں وراثت کا کیا مطلب ہے جب کہ وہاں موت ہی نہ ہوگی؟ نیز جنت کی آبادی کا سلسلہ ہی اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ عدل الٰہی کے بعد فیصلہ ہو چکے گا پس ایک ہی وقت میں جنّتی جنت میں جائیں گے اور کچھ وقفہ کے بعد جانے والے بھی اپنی الگ اور مخصوص جگہوں کی طرف جائیں گے جو انہی کے لئے ہوں گی نہ کہ کسی کی متروکہ ملکیت پر بطور وارث پہنچیں گے اور جنّت کا قیام دنیاوی قیام کی طرح نہیں ہے کہ ایک گروہ پہلے آباد ہو پھر ان کے چلے جانے کے بعد دوسروں کو حق رہائش دیا جائے بلکہ وہاں تو سب نے بیک وقت رہنا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو اس کا جواب احادیث میں موجود ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں عترت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر موجود ہیں ایک جنّت میں اور ایک جہنّم میں پس جو شخص مرنے کے بعد مستحق عذاب ہو اور دوزخ میں چلا جائے تو جنت میں جانے والے اُس کے جنّت والے مکان کے وارث ہوں گے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے امام جعفر صادقؑ علیہ السّلام نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے جنّت میں اور دوزخ میں ایک ایک مکان موجود ہے پس جب جنّتی جنّت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو ایک منادی کی آواز آئے گی۔ اے جنّت والو! سر بلند کر کے دوزخ کی طرف جھانکو چنانچہ ان کو اپنے دوزخ والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نافرمانی کرتے تو تمہارا ٹھکانا ان گھروں میں ہوتا پس اگر خوشی کے مارے وہاں موت ہوتی تو اہل جنّت خوشی سے مرجاتے کہ خدا نے ان کو اس دائمی عذاب سے بچا لیا ہے پھر منادی اہل دوزخ کو ندا دے گا کہ سر بلند کر کے اُوپر دیکھو پس ان کو اپنے جنّت والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نیک عمل بجا لاتے تو ان گھروں میں تمہاری رہائش ہوتی پس اگر غم کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوتی تو اہل دوزخ جنّت کے فراق کے غم میں مرجاتے۔ پس اہل جنّت دوزخیوں کے جنّت والے گھروں کے وارث ہوں گے اور اہل دوزخ جنّتیوں کے دوزخ والے گھروں کے وارث ہوں گے۔ گویا جنّتیوں کے لئے یہ امر مزید سرور و انبساط کا موجب ہوگا اور دوزخیوں کے لئے یہ بات باعث زیادتیٔ حسرت و ارمان ہوگی اور یہی مضمون تفسیر کی نویں جلد سورہ طٰہٰ میں اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے ص ۱۵۵۔

انسان کی پیدائش کا ذکر

سُلَالَۃٍ ۔ وہ نچوڑ یا جوہر جو کسی دوسرے جسم سے حاصل کیا جائے اس کو سلالہ کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر بیٹے کو سلالہ یا سلیلہ بھی کہتے ہیں اور انسان کی پیدائش ایک جوہر سے ہے جو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے یہ جوہر یعنی مادۂ منویہ بصورت نطفہ ایک وقت مقرر تک مناسب قرارگاہ یعنی عورت کے

رحم میں رہتا ہے پھر اس کے بعد ایک وقت تک وہ نطفہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر ایک مقررہ میعاد تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے پس قدرت کی صنعت کاری سے اس میں ہڈیاں بنتی ہیں اور ان کو گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے اور اوپر چمڑے کا پردہ دے کر بحکم پروردگار اس میں روح انسان کو داخل کیا جاتا ہے اور وہ ایک نئی مخلوق کا روپ دھار لیتا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے متعدد روایات منقول ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس دن علقہ یعنی خون بستہ پھر چالیس دن مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پس اس کے بعد نر یا مادہ بنتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ لڑکے کے لئے دعا چار ماہ تک مانگی جائے کیونکہ چار ماہ یعنی ایک سو بیس دن پورے ہو جانے کے بعد وہ لڑکا یا لڑکی بن جاتا ہے اور اس میں نفخ روح ہو جاتا ہے۔

هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ⑪ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَٰلَةٍ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے — اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہر انسان کو ایک جوہر سے جو مٹی

مِّن طِينٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنَٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ⑬

سے ہے — پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ مناسب قرار گاہ (رحم) میں

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر بنایا ہم نے نطفہ کو خون بستہ — پس بنایا ہم نے خون بستہ کو لوتھڑا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظَٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

پس بنایا اس لوتھڑے سے ہڈیوں کو پس پہنایا ہڈیوں کو گوشت پھر

حمل کا خون بہا

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح داخل ہونے سے پہلے جنین (بچے) کی دیت ایک سو دینار مقرر کی گئی ہے۔ یعنی اس زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل ساقط کرے تو اس پر ایک سو دینار جنین (بچے) کا خون بہا واجب الادا ہوگا اور منی کے قرار پکڑنے سے جنین بننے تک پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی منزل نطفے کی دوسری منزل علقے کی تیسری منزل میں مضغہ چوتھی منزل میں ہڈیوں کی پیدائش اور پانچویں منزل میں ہڈیوں پر گوشت و پوست کا لباس پس پانچویں منزل کامل ہونے کے بعد وہ جنین کہلاتا ہے اور اس کے ساقط کرنے کی دیت (خون بہا) ایک سو دینار ہے اور اس سے پہلے کی ہر منزل کے لئے بیس دینار ہوں گے چنانچہ نطفے کے اسقاط کی دیت بیس دینار ہوگی علقے کے ساقط کرنے پر دیت چالیس دینار ہوگی مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہڈیاں پیدا ہونے کے بعد دیت اسی دینار اور گوشت پوست پہن لینے کے بعد ایک سو دینار دیت ہوگی۔ اس کے بعد جب روح داخل ہو جائے اور نیا روپ اختیار کرے تو اس کے ساقط کرنے کی دیت پورے انسان کا خون بہا یعنی ایک ہزار دینار ہو جائے گی جب کہ وہ مذکر ہو لیکن اگر مونث ہوگا تو اس کی دیت نصف یعنی پانچ سو دینار ہوگی۔

اگر حاملہ عورت قتل ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ کامل موجود ہو لیکن وہ ساقط نہ ہو پس نہ اس کے مذکر یا مونث ہونے کا پتہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی موت ماں کی موت کے بعد واقع ہوئی ہے یا ساتھ یا پہلے تو اس بچے کی دیت لڑکے اور لڑکی کی دیت کے مجموعے کا نصف ہوگی اور اس کے بعد عورت کی پوری دیت اس کے علاوہ واجب ہوگی اور یہ جنین کی چھٹی منزل ہوگی (پوری دیت)

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے سلیمان بن خالد کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اے فرزند رسول اگر کوئی شخص نطفے کا اسقاط کرے اور اس کے ساتھ ایک خون کا قطرہ بھی نکلے تو اس کی دیت کتنی ہوگی ؟ آپ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ کی دیت نطفے کی دیت کا دسواں حصّہ ہوگی پس نطفے کے لئے بیس دینار اور قطرۂ خون کے لئے دو دینار کل بائیس دینار دیت ہوگی راوی کہتا ہے میں نے پوچھا اگر خون کے دو قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا چوبیس دینار دیت ہوگی . میں نے کہا اگر تین قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا چھبیس دینار دینے پڑیں گے میں نے پوچھا اگر چار قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا اٹھائیس دینار دیت ہوگی پھر میں نے عرض کی اگر پانچ قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا تیس دینار دیت ہوگی اس کے بعد یہی حساب ہوگا پھر جب علقہ ہو جائے تو چالیس دینار ہو جائے گی میں نے پوچھا اگر نطفہ خون سے لتھڑا ہوا ہو تو آپ نے فرمایا اگر خون صاف ہے تو علقہ شمار ہوگا اور دیت چالیس دینار ہوگی لیکن اگر خون سیاہ قسم کا ہے تو وہ رحم کا خون ہوگا اور دیت نطفہ کی بیس دینار رہے گی . سائل نے پوچھا اگر نطفے میں ایک رگ یا گوشت کی شکل نظر آئے

اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ

پیدا کیا ہم نے اس کو ایک الگ مخلوق پس با برکت ہے اللہ جو بہترین خالق ہے پھر

اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

تم اس کے بعد مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے

تو آپ نے فرمایا چالیس پر دو بڑھ جائیں گے راوی نے پوچھا کہ چالیس کا دسواں تو ایک دینار ہوتا ہے . آپ نے فرمایا چالیس کا دسواں نہیں بلکہ مضغے کا دسواں حصہ بڑھانا ہوگا اور وہ دو دینار ہیں اور ساٹھ تک یہی حساب رہے گا اور مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہوگی پھر اگر ہڈی پیدا ہونے لگے تو چار دینار بڑھ جائیں گے یہاں تک کہ اسی دینار تک پہنچ جائے اور راوی نے پوچھا کہ جب ہڈیوں پر گوشت آنا شروع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اسی طرح حساب کرتے جاؤ یہاں تک کہ ایک سو تک پہنچ جائے . راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو مکا مارے اور بچہ ساقط ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ تھا یا مردہ تو آپ نے فرمایا کہ جب حمل چار ماہ کا ہو جائے تو وہ زندہ ہی ہوتا ہے لہذا اس کو پوری دیت ادا کرنی پڑے گی .

اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں ۔ وَفِیۡ هٰذَا دَلِیۡلٌ عَلٰی اَنَّ اسۡمَ الۡخَلۡقِ قَدۡ یُطۡلَقُ عَلٰی فِعۡلِ غَیۡرِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا اَنَّ الۡحَقِیۡقَةَ فِی الۡخَلۡقِ لِلّٰهِ سُبۡحَانَهٗ فَقَطۡ فَاِنَّ الۡمُرَادَ مِنَ الۡخَلۡقِ اِیۡجَادُ الشَّیۡ‌ءِ مُقَدَّرًا تَقۡدِیۡرًا لَا تَفَاوُتَ فِیۡهِ وَهٰذَا اِنَّمَا یَکُوۡنُ مِنَ اللّٰهِ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَدَلِیۡلُهٗ قَوۡلُهٗ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ۔ ترجمہ ۔ آیت مجیدہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلق کا لفظ بعض اوقات غیر اللہ کے فعل پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقی اطلاق صرف اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے ہی ہے کیونکہ خلق کا معنی ہے شئی کا ایسے انداز سے ایجاد کرنا کہ اس میں کوئی تفاوت نہ ہو اور یہ صرف اللہ سے ہی ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ خود ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ خلق اور امر صرف اس کی ذات کے لئے ہی ہے ۔

بعض اہل منبر سادہ لوح عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کی خاطر اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ کی لفظ کا سہارا لے کر محمدؐ و آل محمدؑ کو خالق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں ۔ اسی طرح خیر الرازقین کی لفظ سے ان کا رازق ہونا ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے باقی سب کو پیدا کیا اور خدا نے معاملہ خلق و رزق ان کے سپرد فرمایا ہے ۔ مذہب شیعہ میں یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس کا قائل بلاشک و شبہ مشرک و نجس ہے ۔ چنانچہ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے مَنۡ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ اَفۡعَالَنَا ثُمَّ یُعَذِّبُنَا عَلَیۡهَا فَقَدۡ قَالَ بِالۡجَبۡرِ وَمَنۡ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اَمۡرَ الۡخَلۡقِ وَالرِّزۡقِ اِلٰی حُجَجِهٖ فَقَدۡ قَالَ بِالتَّفۡوِیۡضِ وَالۡقَائِلُ بِالۡجَبۡرِ کَافِرٌ وَالۡقَائِلُ بِالتَّفۡوِیۡضِ مُشۡرِکٌ ۔ ترجمہ جو شخص یہ کہے کہ خدا خود ہمارے افعال کا خالق ہے اور پھر ہمیں عذاب بھی دے گا تو وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ گمان کرے کہ تحقیق اللہ نے خلق و رزق کا معاملہ اپنے نمائندہ دل (محمدؐ و آل محمدؑ) کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے حالانکہ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے ۔ ایک اور مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا وَمَنۡ زَعَمَ اَنَّ اِلَیۡنَا الۡخَلۡقَ وَعَلَیۡنَا الرِّزۡقَ فَنَحۡنُ اِلَیۡکَ مِنۡهُ بُرَآءُ کَبَرَاءَةِ عِیۡسَی بۡنِ مَرۡیَمَ مِنَ النَّصَارٰی ۔ ترجمہ ۔ اور جو یہ سمجھے کہ خلق و رزق کا معاملہ ہمارے سپرد ہے تو اے اللہ ہم تیری طرف ایسوں سے بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام نصاریٰ سے بیزار تھے ۔ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اس موضوع پر کافی تبصرہ کیا ہے اور مشککین کے شبہات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا ہے ۔ نیز مقدمہ تفسیر کے آخر میں بھی اس مسئلہ کو حل کیا ہے جو منصف طبع لوگوں کی تسلی کے لئے کافی ہے ۔

دور حاضر کی اندھیر گردی دھاندلی اور دیدہ دلیری کے انتہائی روح فرسا بلکہ جان لیوا مصائب میں سے ہے کہ دین خداوندی اپنوں کے ہاتھوں کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے شرک کا نام توحید پرستی کفر کا نام اسلام الحاد و زندقہ کا نام بصیرت و معرفت اور نفاق کا نام ایمان رائج الوقت اصطلاحیں ہیں ۔ قریش مکہ کو باچھیں کھول کھول کر مشرک کہنے والے اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے حالانکہ قریشی لوگ اصنام کو وسیلہ قرب خداوندی قرار دے کر ان کی پوجا کرتے تھے ورنہ خلق و رزق اور موت و حیات کے

مسائل میں وہ بھی اللہ کو لاشریک مانتے تھے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں غلو آمیز تقریریں کرنے والے آیات متشابہات اور ضعیف روایات کا سہارا لے کر جہاں ایک طرف شرک کی نشر و اشاعت کرتے ہیں وہاں درحقیقت محمدؐ و آل محمدؐ کے مذہب کے تقدس کو برباد کرتے ہیں اور قرآن و اسلام کو اہل عقل و دانش کے سامنے سبک کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس دور میں مسئلہ توحید اپنوں اور بیگانوں کے ظلم کا نشانہ بن چکا ہے۔ دشمنان اسلام تو مسئلہ توحید سے گلو خلاصی کر کے اپنی عیاشیوں رنگ رلیوں اور من مانی کارروائیوں کے آزادانہ رواج کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن پرچم اسلام کے نیچے رہنے والے اور بالخصوص محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنا ہادی و رہبر سمجھنے والے صرف چند ٹکوں کی خاطر اور اپنے وقار ناپائیدار کے لئے ناخواندہ عوام کی پس ماندہ اور غیر مہذب ذہنیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسئلہ توحید سے برسر پیکار ہیں۔ بہر کیف اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں وہی تمام کائنات کا خالق واحد ہے اگر کسی دوسرے پر خالق کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے تو وہ مجازی ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق بھی وہی اللہ ہے جس نے ان کو اپنی باقی سب مخلوق پر شرافت و کرامت بخشی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ہر آسمان کو طریقہ کہا گیا ہے **لِتَطَارُقِهَا** ۔ کیونکہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اُوپر ہیں (۲) اس لئے کہ ملائکہ کے گذرنے کے راستے ہیں (۳) اس لئے کہ وہ سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو طریقہ کہا گیا ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے اور اسی طرح زمین سے آسمان تک

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ
اور تحقیق ہم نے پیدا کیئے تمہارے اوپر سات آسمان اور ہم نہیں مخلوق سے غفلت کرنے
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ
والے اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازے سے پس اس کو ٹھہرایا

بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہم نے آسمان کے معنی کی تحقیق لمعۃ الانوار میں بیان کی ہے۔

غَافِلِيْنَ ۔ یعنی اس قدر مخلوق کا پیدا کرنا ہماری غفلت اور بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے جان کر اور کسی مصلحت کی بنا پر یہ تخلیقی کارنامہ کیا ہے۔ پس یہ پُر از حکمت نظام اور عجیب و غریب صنعتی استحکام بے حد و حساب مصالح و حکم پر مبنی ہے جن کی گرہوں کو علم و معرفت اور فکر و تدبر کے ناخنوں سے کھولا جا سکتا ہے۔

مَآءً بِقَدَرٍ ۔ یعنی ہم نے پانی کو صحیح اندازہ سے نازل کیا اور ہماری حکمت و مصلحت کا جو تقاضا تھا اسی مقدار سے اس کو اُتارا اور اس کو زمین میں جگہ دی پس وہ تالابوں میں ٹھہر گیا یا چشموں کے ذریعے سے ابل پڑا یا دریا و نہر بن کر زمین کی سطح پر جاری ہوا تاکہ زمین پر بسنے والی مخلوق حسب ضرورت اس سے نفع مند ہو سکے۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ دنیا کے پانچ دریا جنت سے خدا نے اُتارے ہیں (۱) سیحون یعنی دریائے سندھ معہ اپنے معاونین کے (۲) دریائے

جیحون جو بلخ کے علاقہ سے بہتا ہے (۳) دریائے دجلہ (۴) دریائے فرات (۵) دریائے نیل۔ ان پانچوں دریاؤں کو ایک ہی چشمے سے پیدا کیا اور ان میں لوگوں کے لئے متعدد فوائد اور منافع تفویض فرمائے۔

نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ۔ میوہ جات میں سے مثال کے طور پر انگوروں اور کھجوروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حجازی لوگ بالعموم ان سے بہرہ ور تھے پس ان کے اذہان سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے ایسے پھلوں کا ذکر کیا جن سے وہ مانوس تھے۔

فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ (١٨) فَأَنْشَأْنَا

زمین میں اور ہم اس کو لے جانے پر (بھی) قادر ہیں پس ہم نے

لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ

تمہارے لئے پیدا کئے اس کے ذریعے باغات کھجوروں سے اور انگوروں سے کہ تمہارے لئے ان

كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (١٩) وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ

میں میوہ جات بکثرت ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور وہ درخت جو نکلتا ہے طور

طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ (٢٠) وَ

سینا سے اگاتا ہے گھی اور سالن کھانے والوں کے لئے اور

طُورِ سَيْنَاءَ بعضوں نے سَيْنَاء اور بعضوں نے سِيْنَاء پڑھا ہے اور دونوں قراءتوں میں اس کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے اور اس جگہ درخت سے مراد زیتون ہے۔ نعمات کے تذکرہ میں اس درخت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس سے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اس کے پھل سے گھی برآمد ہوتا ہے جو کافی نفع بخش ہے سَيْنَاء کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) اس جگہ کا نام ہے جہاں طور پہاڑ واقع ہے (۲) ایک پتھر مخصوص کا نام ہے کہ پہاڑ بھی اس کی طرف منسوب ہے (۳) بعضوں نے اس کا معنی برکت ذکر کیا ہے کہ وہ برکت والا پہاڑ ہے (۴) طور کا معنی پہاڑ اور سیناء کا معنی درختوں سے سرسبز (۵) طور کا معنی پہاڑ اور سینا کا معنی خوبصورت اور کہتے ہیں یہ وہی پہاڑ ہے جس سے حضرت موسٰے کو آواز آئی تھی اور وہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ موسیٰ کے پہاڑ کو طور سینا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر زیتون کے درخت تھے اور جس پہاڑ پر فائدہ مند سبزیاں یا کارآمد درخت ہوں اس کو طور سینا یا طور سینین کہا جاتا ہے ورنہ صرف طور کہلاتا ہے

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ پشت کوفہ کی طرف لے جانا جب تمہارے قدم رک جائیں اور سامنے ہوا آجائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور ایک دفعہ غری (نجف اشرف) کا ذکر ہوا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا یہ وہ پہاڑ کا ٹکڑا ہے جس پر موسٰے کے ساتھ کلام ہوا اور اسی پر عیسیٰ کو تقدیس ملی اور یہیں سے ابراہیم خلیل ہوئے اور حضرت محمد حبیب خدا بنے

خدا نے اس جگہ کو تمام نبیوں کا مسکن بنایا خدا کی قسم اپنے والدین آدم و نوح کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ سے زیادہ کریم وہاں کوئی ساکن نہیں ہوا۔

صِبۡغٍ ۔ اس کا معنی ہے رنگ جب روٹی کا نوالہ سالن میں ڈبویا جاتا ہے تو اس پر سالن کا رنگ چڑھ آتا ہے اس لئے اس مقام پر صبغ سے مراد سالن ہے۔ پس زیتون سے دو فائدے ہیں ایک تیل کا کام دیتا ہے اور دوسرے سالن کا کام بھی آتا ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ یہ مبارک درخت ہے اس کو سالن کی جگہ کھاؤ اور تیل کی جگہ بھی استعمال کیا کرو۔

لَعِبۡرَۃً ۔ یعنی حیوانات میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو خالق کائنات مدبر عالم حضرت حق سبحانہ کی معرفت کے دلائل و براہین ملیں گے مثلاً ان کے پیٹ سے ہم تم کو تازہ دودھ پینے کے لئے مہیا کرتے ہیں ان سے سواری کا کام لیا جا سکتا ہے بار برداری کے کام وہ آسکتے ہیں۔ زمین کی آبادکاری میں وہ معاون ہوتے ہیں اور ان کو ذبح کر کے بطور خوراک کے تم استعمال کر سکتے ہو احسان تمام فوائد کے لئے خدا نے ان کو تمہارے لئے مسخر اور مطیع کر دیا ہے اسی طرح اگر خشکی کی سیر مطلوب ہو تو حیوانات سے سواری کا کام لو اور اگر سمندروں اور دریاؤں کی سیر کرنا ہو تو کشتیاں تمہارے لئے مطیع ہیں خداوند کریم نے اس پورے رکوع میں اپنے احسانات کی یاددہانی سے اہلِ ہوش و حواس طبقہ کو اپنی توحید کی معرفت کی دعوت دی ہے اور اربابِ عقل و دانش کے لئے اور منصف طبع انسانوں کے لئے اس سے زیادہ قابلِ قبول ذریعہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي
تحقیق تمہارے لئے چوپاؤں میں نصیحت ہے کہ ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے جو ان کے پیٹ
بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾
میں ہے اور تمہارے لئے ان میں فائدے زیادہ ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو
وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو اور تحقیق ہم نے نوح کو

رکوع نمبر ۲ حضرت نوحؑ کا ذکر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ قرآن کی سچی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ کے جہلا نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اور ہر دور میں بارسوخ مقتدر و مکھیا اپنی چودھراہٹ کی خاطر نبوت کی تردید میں عوام کو یہی لقمہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ تو ہم جیسا بشر ہے اگر خدا رسول بھیجتا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ پس یہ شخص از خود دعویٰ نبوت کر کے ہمارے اوپر اپنی بادشاہت اور برتری قائم کرنا چاہتا ہے۔ پس جہلا اپنے مقتدرین (ملا) کے دامِ تزویر میں پھنس کر نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتے تھے ہم نے نور اور بشر کے مسئلہ پر تفسیر کی ساتویں جلد میں صفحہ ۲۰۴ تا صفحہ ۲۱۳ پر

سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔
مَا سَمِعْنَا۔ یہ مصیبت بھی ہر زمانہ میں رہی ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کے پیش نظر لوگ حق کی معقول بات کو بلا دریغ ٹھکرا دیتے ہیں اور خدا نے اس آبائی تقلید کی قرآن مجید میں متعدد بار تردید فرمائی ہے۔ بہت سے اپنے آپ کو شیعہ کہلوانے والے سنی مسلمانوں کو آبائی تقلید سے باز رکھنے کے لئے قرآن سے استشہاد کرتے ہیں لیکن جب ان کو اپنی غلط اور ناجائز رسوم اور مشرکانہ عقائد سے روکا جائے تو فوراً اپنے باپ دادا کی تقلید سے لپٹ جاتے ہیں۔
بریں عقل و دانش بباید گریست
فَتَرَبَّصُوا۔ یعنی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اس کی زندگی کا انتظار کرو جب مرے گا تو ہم نجات پالیں گے یا یہ کہ انتظار کرو شاید اپنے جنون سے اس کو افاقہ مل جائے اور بہکی بہکی باتیں چھوڑ دے یہ ہے حق بات کہنے والوں کے متعلق لوگوں کا نظریہ جس کو قرآن دہرا کر

نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
بھیجا اپنی قوم کی طرف تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی کہ نہیں تمہارے لئے

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ
کوئی معبود اس کے سوا کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ
اس کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہاری طرح تم پر برتری رکھنا

یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا
چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے نہیں سنا ہم نے یہ

بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ
(مسئلہ توحید) اپنے گذشتہ باپ دادا ہیں نہیں ہے یہ مگر ایک مرد

جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ
دیوانہ پس انتظار کرو اس کی ایک وقت تک (نوح نے) کہا اے رب میری امداد کر

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ
کہ وہ مجھے جھٹلاتے ہیں تو ہم نے اس کو وحی کی کہ کشتی بنا ہمارے سامنے

بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ
اور ہماری وحی سے پس جب آئے ہمارا امر اور جوش مارے تنور

حق کے مبلغین کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے۔ باقی تفسیر جلد ۱۵ ص ۲۶۶ پر ملاحظہ کیجئے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِي ۔ حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے منع کر دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے دعا نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوحؑ کا فرزند اعلانیہ کافر نہیں تھا بلکہ حضرت نوح کے ساتھ ان کی وفاداری کا اظہار کرتا تھا اور کفار کی مجلس میں ان کا ہم عقیدہ ہو جاتا تھا پس وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری اسلام کی خاطر ہی حضرت نوحؑ نے اس کی سفارش کی ۔ مسئلہ کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۸ صفحہ ۲۱۹ پر ملاحظہ کیجئے ۔

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ

تو سوار کرلے اس میں ہر شے سے جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو مگر وہ جن پر

سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ

حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور نہ خطاب کر مجھے ان لوگوں کے بارے میں

ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۲۷﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَ

جو ظالم ہیں تحقیق وہ غرق ہونے والے ہیں پس جب سوار ہو جاؤ تو اور

مَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا

تیرے ساتھی کشتی پر تو کہو حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں نجات بخشی

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا

ظالم قوم سے اور کہو اے رب اتار ہمیں اتارنا مبارک

مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

اور تو بہتر اتارنے والا ہے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں

وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

اور تحقیق ہم آزمانے والے ہیں پھر ہم نے پیدا کیا ان کے بعد

قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ

ایک دوسری قوم کو پس بھیجے ہم نے ان میں رسول ان میں سے

مُنْزَلًا ۔ یہ مصدر میمی کہلاتا ہے اور مفعول مطلق واقع ہے کسی نئی جگہ انسان پہنچے تو یہ دعا مانگ لیا کرے ۔ پس خدا اس جگہ کا شر اس سے دفع کرے گا جیسا کہ حضرت رسالتمآب سے مروی ہے (صافی)

اَنْشَأْنَا ۔ یعنی حضرت نوحؑ کی قوم کی غرقابی کے بعد دوسری قومیں ان کی جانشین ہوئیں اور ان میں بھی ہم نے رسول بھیجے مثلاً حضرت ہود اور حضرت صالح وغیرہ اور انہوں نے بھی توحید کا پیغام لوگوں کو سنایا ۔

نکتہ لطیفہ

حضرت نوحؑ کی غرق ہونے والی اُمت میں اُن کا ایک بیٹا اور ایک بیوی بھی تھی لیکن حضرت نوحؑ نے بیٹے کے لئے سفارش فرمائی اور بیوی کے لئے سفارش نہ کی حالانکہ دونو کا طرز عمل ایک تھا تو اس کی وجہ یہ

ہے کہ خدا نے نبی کی اہل کو بچا لینے کا وعدہ فرمایا تھا اور بیٹا چونکہ اہل میں داخل ہوتا ہے اور ظاہری طور پر وہ ایمان والوں میں بھی شامل تھا اور نہ وہ آپ کی محبت کا مرکز نہ بنتا اور سفارش کے قابل نہ ہوتا پس بیٹے کی اہل بیت ہونے کی حیثیت سے سفارش کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا صاف بتلاتا ہے کہ بیٹے اہل بیت ہوتے ہیں لیکن بیویاں اہل بیت نہیں ہوا کرتیں۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ (٣٢)

کہ عبادت کرو اللہ کی کہ نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے ؟

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ

اور کہا ان سرداروں نے اس کی قوم سے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی

الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ

حاضری کو اور ہم نے ان کو نعمتیں دی تھیں زندگی دنیا میں کہ نہیں یہ مگر تم جیسا بشر کھاتا

مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ (٣٣)

ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم پیتے ہو

وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ (٣٤)

اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے بشر کی تو تم خسارہ پانے والے ہو گے

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم

کیا وہ تم کو ڈراتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ)

مُّخْرَجُونَ (٣٥) هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ (٣٦) إِنْ

نکالے جاؤ گے محال ہے محال ہے وہ جس سے تم ڈرائے جاتے ہو نہیں

هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (٣٧)

مگر یہی دنیاوی زندگی کہ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم نہیں مبعوث ہوں گے (قیامت کو)

رکوع نمبر ۳

وَقَالَ الْمَلَأُ ۔ یعنی حضرت نوح کے بعد جو بھی رسول آتے رہے ان کی تردید میں قوم کے سردار اور زبان دراز آدمی لوگوں کو ان کی بشریت پیش کر کے ایمان لانے سے روکتے رہے کہ دیکھو وہ تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے پس ایسے کی اطاعت کیوں کریں۔ اسی قدیمی دستور کے مطابق آج کل کے ناخدا ترس ٹھیکہ دارانِ منبر بھی سادہ لوح عوام کے اذہان میں یہی بات پختہ کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا لہٰذا رسول کو بشر کہنے والے علماء کا منہ چڑاتے ہیں ان کو وہابی کہہ کر جہاں ان کو بدنام کرتے ہیں وہاں قرآنی آیات کا بھی تمسخر اڑاتے ہیں۔

هَيْهَاتَ ۔ اسمائے افعال میں سے ہے جو فعل ماضی کے معنی میں ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ

نہیں وہ مگر ایسا شخص جو بہتان باندھتا ہے اللہ پر جھوٹے اور ہم اس پر ایمان

بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ

نہیں لائیں گے (کہا رسول نے) اے رب میری مدد کر کہ مجھے جھٹلاتے ہیں فرمایا

عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

عنقریب وہ ضرور ہوں گے پشیمان پس پکڑ لیا ان کو دھماکے نے ساتھ

بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ

حق کے پس کر دیا ہم نے ان کو ہلاک پس دوری ہے ظالم لوگوں کے لئے (رحمت خدا سے) پھر

أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ

ہم نے پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں نہیں آگے بڑھتی کوئی

أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

قوم اپنی موت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے پھر ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو متواتر

تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا

جب بھی آتا کسی قوم کے پاس ان کا رسول تو اس کو جھٹلاتے تھے پس ہم ایک قوم کو

بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ

دوسری قوم کے پیچھے لاتے رہے اور کر دیا ہم نے ان کو مثالیں پس دوری ہے اس قوم کے لئے

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ

جو ایمان نہیں لاتے (رحمت خدا سے) پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی

بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٤٥﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

نشانیوں اور برہان ظاہر کے ساتھ طرف فرعون اور اس کی قوم کے

افترٰی علی اللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے قائل تھے صرف طریق عبادت ان کا غلط تھا اور اپنے بنائے ہوئے بتوں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے حاجات طلب کرتے اور ان کو مشکل کے وقت سورتے اور پکارتے تھے پس نبی کی حق بیانی اور ہدایت ان کے جذبات کے خلاف تھی لہٰذا اعلان حق کرتے ہی یہ ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

غثاء۔ پانی کے اوپر تیرنے والے تنکوں اور جھاگ کو کہا جاتا ہے۔

ثم ارسلنا۔ یعنی قومیں بدلتی رہیں اور ہم یکے بعد دیگرے انبیا بھیجتے رہے اور ہر قوم کا اپنے نبی و رسول سے یہی وتیرہ رہا۔

احادیث۔ احدوثہ کی جمع ہے یعنی اب وہ ختم

ہو گئے اور ان کی باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں پس زندہ اقوام کو ان سے درس حاصل کرنا چاہیئے کہ بعد والوں کے لئے ہماری بھی باتیں ہی باتیں رہ جائیں گی لہذا ایسی زندگی گذار دیں کہ بعد والے ہماری اچھی باتیں بیان کرتے رہیں۔

جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ۔ یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ دونوں کو اپنی نشانی و معجزہ قرار دیا کہ وہ بیٹا بغیر باپ کے تھا اور اس کی ماں بغیر شوہر کی تھی۔ پس عیسیٰ کا بیٹا ہونا معجزہ ہے جس طرح کی مریم کا ماں بننا معجزہ ہے۔

فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ

پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے وہ سرکش لوگ پس کہنے لگے کیا ہم ایمان لائیں اپنے

لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوهُمَا

جیسے دو انسانوں پر حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے پس انہوں نے ان کو

فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

جھٹلایا تو ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ کو کتاب

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَ

تاکہ وہ ہدایت پائیں اور کیا ہم نے مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور

آوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾ ع ۳

ٹھکانا دیا ہم نے ان کو بلند جگہ جو اچھی رہنے کے قابل اور میٹھے پانی والی تھی

وَآوَيْنَاهُمَا۔ جہاں مریم و عیسیٰ کو ٹھکانا دیا گیا وہ فلسطین یا مصر یا دمشق یا بیت المقدس تھا۔ چار اقوال ہیں اور پانچواں قول امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ ربوہ سے مراد کوفہ کا گرد و نواح ہے اور قرار سے مراد مسجد کوفہ ہے اور معین سے مراد دریائے فرات ہے۔ مجمع البیان

نکتہ علمیہ

معین کے متعلق دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) اس کا مادہ اشتقاق عین ہو تو یہ مفعول بروزن مبیع ہو گا پس اس کا موصوف محذوف ماننا پڑے گا یعنی مَاءٌ مَعِينٌ (چشمے سے نکلنے والا پانی) (۲) اس کا مادہ اشتقاق مَعَنَ يَمْعَنُ کو قرار دیا جائے تو معین بروزن فعیل ماعون کے معنے میں ہو گا جس سے مراد آسان اور تھوڑی چیز لی جاتی ہے اور آیت کا معنی یہ ہو گا کہ وہ جگہ اچھی قرار گاہ ہے اور اس میں زندگی کی آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں۔

امری مخلوق

دورِ حاضر کی کج بحثیوں اور موشگافیوں میں سے محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا امری مخلوق ہونا زبان زدِ عوام ہے۔ ایسے مسائل میں پڑنا اگرچہ میرے نزدیک چنداں فائدہ مند نہیں لیکن عوامی رجحان سے یکسر پہلو تہی بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امری مخلوق ہونے کی تین صورتیں ذہن میں آتی ہیں (۱) وہ امر پروردگار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں اگر یہ معنی مراد ہو تو اس میں کوئی خاص امتیازی شان ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تمام مخلوق امر پروردگار سے ہی پیدا ہوئی ہے (۲) محمد و

آل محمد عنایت الٰہیہ خاصہ کے ماتحت جملہ مخلوق سے بوقت پیدائش نرالی شان و عظمت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے باب النوادر کے اخیر میں حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے منقول ہے۔

قال للامام علامات۔ یکون اعلم النّاس و احکم النّاس واتقی النّاس واحلم النّاس و اشجع النّاس واعبد النّاس واسخی النّاس و یولد مختونا و یکون مطھرا و یری من خلفہ کما یری من بین یدیہ ولا یکون لہ ظلّ و اذا وقع الی الارض من بطن امّہ وقع علی راحتیہ رافعا صوتہ بالشّھادتین ولا یحتلم وینام عینیہ ولا ینام قلبہ و یکون محدّثا و یستوی علیہ درع رسول اللہ ولا یریٰ لہ بول و لا غائط لانّ اللہ عزّ و جلّ وکلّ الارض بابتلاع ما یخرج منہ و یکون رائحتہ اطیب من رائحۃ المسک و یکون اولی بالنّاس منھم بانفسھم واشفق علیھم من آبائھم وامّھاتھم و یکون اشدّ الناس تواضعا للہ جلّ ذکرہ و یکون آخذ النّاس بما یامر بہ و اکفّ النّاس عمّا ینھی عنہ و یکون دعائہ مستجابا حتّی انّہ لو دعا علی صخرۃ لانشقّت بنصفین و یکون عندہ سلاح رسول اللہ و سیفہ ذوالفقار و یکون عندہ صحیفۃ فیہ اسماءُ شیعتہ الی یوم القیمۃ وصحیفہ فیہ اسماء اعدائہ الی یوم القیمۃ و تکون عندہ الجامعۃ و ھی صحیفۃ طولھا سبعون ذراعا فیھا جمیع ما یحتاج الیہ ولد آدم و یکون عندہ الجفر

آپ نے فرمایا امام کی چند نشانیاں ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ عالم، تمام لوگوں سے داناتر۔ تمام لوگوں سے زیادہ متقی تمام لوگوں سے حلیم تر تمام لوگوں سے زیادہ بہادر۔ تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گذار اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی ہوتا ہے وہ ختنہ شدہ اور پاک و پاکیزہ پیدا ہوتا ہے وہ پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ سامنے دیکھتا ہے۔ اس کا سایہ نہیں ہوتا اور جب ماں کے شکم سے زمین پر آئے تو دونوں ہتھیلیوں کے بل بلند آواز سے کلمہ شہادتین پڑھتا ہے اس کو احتلام نہیں ہوتا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا اس کے ساتھ فرشتے باتیں کرتے ہیں اس کے جسم پر رسالتمآب کی زرہ پوری آتی ہے۔ اس کا پیشاب و پاخانہ کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اللہ نے زمین پر فرض عائد کیا ہے کہ اس سے نکلنے والی ہر چیز کو نگل جائے اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لئے اپنے نفسوں سے بھی اولیٰ ہوتا ہے اور ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوتا ہے وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اللہ کے سامنے زیادہ انکساری کرتا ہے وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے لوگوں سے زیادہ اس پر عامل ہوتا ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے لوگوں سے زیادہ اس سے خود پرہیز کرتا ہے اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر پتھر پر دعا کرے تو وہ بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کے پاس رسالتمآب کے ہتھیار اور اس کی تلوار ذوالفقار ہوتی ہے اور اس کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے اس کے تمام شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں

الاکبر و الاصغر .... اور اس کے پاس جامعہ ہے یعنی وہ صحیفہ جس کی لمبائی ستر ذراع ہے اور

فیہا جمیع العلوم حتیٰ ارش الخدش الخبر۔ اس میں تمام وہ امور درج ہیں جن کی طرف بنی آدم کو احتیاج ہوتی ہے

اور اس کے پاس جفر اکبر اور جفر اصغر ہے ---- جس میں تمام علوم موجود ہیں حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی ۔ الخبر۔

پس اگر امری مخلوق سے یہ مراد ہے کہ ان کی ولادت ہمارے عام بچوں کی ولادت سے جداگانہ ہے کہ وہ پاک وپاکیزہ ناف بریدہ اور مختون متولد ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کا نشوونما ہمارے بچوں کے نشوونما سے ممتاز ہوتا ہے کہ وہ دنوں میں ہفتوں کے برابر ہفتوں میں مہینوں کے برابر اور مہینوں میں سالوں کے برابر ترقی کرتے ہیں اسی طرح ان کی زندگی کے حالات ہماری زندگی سے مختلف ہوتے ہیں جس طرح کہ روایت متذکرہ بالا میں گذر چکا ہے تو اس طرح ان کے امری مخلوق ہونے میں کوئی کلام نہیں یعنی وہ ایک خاص مخلوق ہیں جو عنایات عالیہ الٰہیہ کے خاص محل و مورد ہیں (۲) امری مخلوق کا تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ عام مخلوق کے عمومی طریقِ پیدائش اور صلبی و رحمی قیود سے بالاتر ہو کر عالم وجود میں قدم رکھے۔ حضرات محمد و آل محمد علیہم السّلام کے متعلق اس معنی سے امری مخلوق کا قائل ہونا بالکل غلط اور سراسر جھوٹ بلکہ بہتان عظیم ہے کیونکہ ان کا سلسلۂ نسب صحیح طور پر آباء و اُمہات کے ذریعے سے حضرت آدم و حوا تک پہنچتا ہے جس طرح آج کل کے سادات کا سلسلہ نسب صحیح طور پر آباء و امہات کے ذریعے سے ان تک پہنچتا ہے۔ بہر کیف اصلاب پاکیزہ ارحام طاہرہ سے ان کا منتقل ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے اور ان کا توالد[1] و تناسل واضح ترین امور میں سے ہے۔

موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ

دیکھئے موجودات عالم کے سلسلۂ پیدائش پر غور کرنے سے انسان حتمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق ایک جیسی نہیں ہے۔ بعض کی پیدائش صرف امر پروردگار سے ہے کہ اس میں تدریج و ترتیب کا کوئی دخل نہیں مثلاً آسمان و زمین اور سورج چاند ستارے پانی ہوا اور اکثر جمادات کی پیدائش اسی طرح ملائکہ و ارواح و انوار وغیرہ کی تخلیق نیز ہر تدریجی اور اسباب و علل کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اشیاء کا فرد اول اور نر و مادہ کے ذریعے سے جنم لینے والی مخلوق کا پہلا جوڑا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ مثلاً انسانوں میں آدم و حوا قوم جنات میں بروایتے مارج و مارجہ یا جو بھی ان کے پہلے ماں باپ ہوں۔ اسی طرح حیوانات کی اقسام میں ہر نوع کا پہلا جوڑا اور نباتات کے اقسام میں سے ہر قسم و نوع کا پہلا فرد صرف امر پروردگار سے کتم عدم سے منصہ وجود پر پہنچے ہیں اس کے بعد نر و مادہ کے باہمی ارتباط سے یا نباتات میں پہلے فرد کے بیج یا پودوں سے اس کا سلسلہ نسل قائم ہوا۔ اور بعض کیڑوں مکوڑوں کا مٹی سے یا غلیظ مواد سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی قسم سے قرار دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو علل و اسباب کے ذریعہ سے قدرت کا تدریجی تخلیقی کارنامہ قرار دیا جائے۔

بنا بریں پہلے ماں باپ کے بعد جنات کا سلسلہ اولاد اور آدم و حوا کے بعد انسانوں کا سلسلہ پیدائش اور اسی طرح حیوانات و نباتات کی تخلیق اگرچہ امر پروردگار سے ہے لیکن دستور خداوندی کے ماتحت تدریجی و نسلی بقا و ارتقاء کے قانون توالد و تناسل

[1] توالد کا معنی ہے باپ بیٹا پوتا و پڑپوتا ہونے کا سلسلہ اور تناسل کا معنی نسل بہ نسل سلسلۂ پیدائش (مصنف)

کے ذریعے سے ہے اور اگر ان میں سے کوئی فرد اسباب وعلل کی قیود سے بالاتر ہو کر یا ارحام واصلاب کی بندش سے آزاد ہو کر کسی نبی یا ولی کی دعا سے یا ان کی شوکت وشان کے اظہار کے لئے یا صداقت وحق کی توضیح واعلان کی خاطر یا کسی اور مصلحت واقعیہ کے ماتحت امرِ خداوندی سے معرضِ ظہور میں آئے تو اس کو زبانِ شرع میں معجزہ کہا جاتا ہے اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ارشاد ہے جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو آیت (معجزہ) قرار دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ذاتِ پروردگار کا وہ تخلیقی کارنامہ ہے۔ جو اسباب وعلل کے قانون سے مستثنیٰ اور صلبِ پدر سے بے نیاز ہونے کے لحاظ سے امری تخلیق کہلانے کا سزاوار ہے جس طرح کہ خود آدم وحوا اسی امری تخلیق کے مظہر ہیں اور حضرت مریم کو اس لئے معجزہ کہا گیا ہے کہ وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہوئیں پس چونکہ ان کا حمل علل واسباب سے بالاتر ہے لہٰذا اس کو امری کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السّلام کی ناقہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا فدیے والا دنبہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کا اژدہا وغیرہ امری تخلیقی کارنامے ہیں لہٰذا ان کو معجزہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرات محمد وآل محمد علیہم السّلام کی پیدائش چونکہ اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ کے ذریعے سے ہے لہٰذا وہ امری نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ ان کی خلقتِ نوری امری ہے اور خلقتِ جسمانی بھی اس معنی سے امری ہے کہ وہ عنایت الٰہیہ خاصہ کے مورد ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی فضل وکمال میں ان تک تو بجائے خود ان کی گرد راہ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا۔ بعض عبا وقبا میں ملبوس جبہ وعمامہ کے حاملین کہ علمی میدان میں پیش قدمی کرنے سے ان کے پاؤں لنگ اور حقائق بیانی کے لئے اظہارِ واقع سے ان کی زبان گنگ ہے وہ صرف رقص منبری اور چرب لسانی سے عوام کو مسحور کر کے اپنے وقار کی پاسبانی کرتے ہوئے اور ان کے سادہ دماغوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰ امری مخلوق ہو سکتا ہے تو محمدؐ وآل محمدؐ امری مخلوق کیوں نہیں ہو سکتے۔ یہ عقل کے اندھے نہیں سوچتے کہ بحث ہو سکنے میں نہیں بلکہ ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ ہم کہتے ہیں محمدؐ وآلِ محمدؐ تو بجائے خود اگر خدا چاہتا تو ساری کائنات کو علل واسباب کے بغیر امری طور پر پیدا کرتا وہ ایسا کرنے پر قادر ہے پس محمدؐ وآل محمدؐ بھی امری مخلوق ہو سکتی ہے لیکن ہے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان کے آباء وامہات کا سلسلہ صحیح طور پر حضرت آدم وحوا تک پہنچتا ہے جس طرح کہ ان کی اولاد کا سلسلہ نسب ان تک پہنچتا ہے۔

رقاصانِ منبر اور جاہل ذاکروں نے عوام کے اذہان میں یہ بات راسخ کی ہوئی ہے کہ مرد وعورت کا ہمبستر ہونا ایک عیب ہے اور انبیاء وآئمہ چونکہ عیوب سے پاک وپاکیزہ ہیں لہٰذا ہمبستر ہونے کے عیب سے بھی وہ پاک ہیں پس وہ امری مخلوق ہیں۔ ایسی بے تکی باتوں سے عقل کا ناطقہ بند اور طائر ہوش وخرد منقار زیر پر نظر آتا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ مرد نامرد کہلاتا ہے جس میں قوتِ مردمی نہ ہو اور جنسی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح عورت کے عیوب میں سے بھی بدترین عیب یہ ہے کہ اس میں جنسی خواہش کا فقدان ہو۔ پس جنسی خواہش کا زن ومرد میں موجود ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے ہاں اس خواہش کا غلط استعمال کرنا نقص اور عیب ہے جس سے خدا کے برگزیدہ بندے انبیاء واولیاء وصلحا منزہ ومبرا ہوا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ

محمدؐ و اہلبیت محمدؐ رجس سے پاک و منزہ ہیں لیکن شادی کرنا ہمبستر ہونا گھریلو میاں بیوی کے تعلقات کا قائم کرنا اولاد ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ رجس نہیں بلکہ انسانی فرائض میں سے ہے اور معاشرہ کی اہم ضروریات میں سے ہے جس کی اصلاح کے وہ علم بردار تھے۔

نیز وہ یہ نہیں سوچتے کہ جناب رسالت مآبؐ کے والدین جناب آمنہ و جناب عبداللہ اسی طرح حضرت علیؑ کے والدین جناب فاطمہ و جناب ابوطالب پھر ان کے والدین تا آدم و حوا یہ سب کے سب زن و مرد نبی یا امام تو نہ تھے پس ان کا سلسلہ پیدائش و افزائش کس طرح قائم رہا۔ پس جب ان کے آباء و امہات کے لئے میاں بیوی کے مخصوص تعلقات عیب نہ تھے تو ان کے لئے وہی تعلقات عیب کیسے بن گئے؟ پھر ان کی تاقیامت اولاد کے لئے وہی جنسی تعلقات عیب کیوں نہ قرار دیئے گئے؟ اگر کہا جائے کہ یہ چیز صرف معصوم کے لئے عیب ہے تو حضرت آدم بھی معصوم تھے پس خدا نے حضرت حوا کو اس معصوم کے لئے کیوں پیدا کیا جب کہ ان کے تعلقات باعث عیب تھے پھر ہر زمانہ چونکہ حجت خدا سے تو خالی ہو نہیں سکتا لہذا ہر زمانہ کے نبی اگر اس مفروضہ عیب سے خالی تھے تو ہر امت کے لئے اس عیب کو روا کیوں رکھا گیا۔ جب کہ انبیاء کی بعثت ہی دینی اخلاقی معاشرتی عیوب سے لوگوں کو بچانے کے لئے ہوتی ہے اس لحاظ سے تو انبیاء کی شادیوں کا قصہ بھی معرض انکار میں آجائے گا اور لطف یہ کہ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی شادیوں کا انکار کارے دارد کا مصداق ہے۔ حضرت رسالت مآبؐ کی چودہ یا اس سے زیادہ شادیاں ثابت ہیں اور حقوق ازواج کی پاسداری کی روایات حد تواتر کو پہنچتی ہیں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور جناب بتول معظمہ سلام اللہ علیہا کی شادی پر قوم شیعہ آج تک نازاں ہے کہ عرش بریں پر ان کی شادی کی خوشی منائی گئی تھی اسی طرح باقی تمام آئمہ نے شادیاں کیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے مصلحت وقت کے ماتحت کافی شادیاں کیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر ان تمام چیزوں کو مفروضہ قرار دیا جائے تو اساسِ مذہب ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حق ہے تو ثابت ہو گا کہ نہ شادی کرنا اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا باعث عیب ہے اور نہ شادی کے ذریعے سے پیدا ہونا باعث عیب ہے ورنہ اگر یہ امر باعث عیب ہوتا تو انبیاء و آئمہ خود شادیاں نہ کرتے اور اپنی امت کے زن و مرد کو اس سے پر زور روکتے اور بصورتِ دیگر کسی کی شادی پر خوش نہ ہوتے اور غسل جنابت کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ کا فرمان ہے، اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میری امت سے نہیں ہے اسی طرح فرمایا تَنَاکَحُوْا تَنَاسَلُوْا الخ نکاح کرو اور اپنی نسل بڑھاؤ۔ کیونکہ یہ چیز بروز محشر میرے لئے باعثِ فخر ہو گی وغیرہ نیز آج کل کے سادات کی عزت اور ان کا احترام علوی و فاطمی خون کے لحاظ سے ہے اگر آئمہ کا صلب سے رحم کی طرف خون کے نقل و انتقال کا انکار کیا جائے تو نسل فاطمی کا سرے سے انکار لازم آئے گا اور جو لوگ نسل فاطمہؑ سے ہیں ان کے وقار و احترام میں فرق آجائے گا نیز ان کے لئے صدقہ غیر سید کی حرمت اور خمس کی حلیت

اسی نسلی اور خونی شرف کی بدولت ہے۔ نیز اگر ان کی شادی ازدواجی زندگی کے قیام کے لئے نہیں تو بلا وجہ متعدد عورتوں کو اپنے نکاح کی قید میں رکھنا عبث بے جا کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اگر ان کے درمیان باہمی ہمبستری کے تعلقات قائم نہ ہوں تو ازواج پیغمبر کو امہات المومنین کہنا فضول ہوگا اور اُمت کے مردوں پر ان کا حرام ہونا جہاں ایک طرف بالکل بے بنیاد بنتا ہے وہاں دوسری طرف ان منکوحہ عورتوں کو عمر بھر کے لئے انسانی معاشرتی جائز حقوق سے محروم کرنا بھی لازم آتا ہے۔ پس اس ساری تفصیل و توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام آدم و حوا و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح امری مخلوق نہیں اور ان کا اُن پر قیاس کرنا بے تکی ہانکنے کے مترادف ہے۔ پس حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنت اسد حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی والدین ہیں۔ آپ جس طرح حضرت ابوطالب کی صلب میں رہے اسی طرح جناب فاطمہ کے رحم میں رہے اور بیت اللہ میں ان کی ولادت حد تواتر کو پہنچتی ہے اور شیعہ حضرت ابوطالب کا ایمان اسی لئے تو ثابت کرتے ہیں کہ یہ پاک نور ناپاک صلب میں نہیں رہا اور نہ کبھی ناپاک رحم میں منتقل ہوا۔

ہمیں ایک ایسے جاہل شخص سے گفتگو کا موقعہ ملا جسے عوام کالانعام نے اس کی چرب لسانی کی بدولت بڑا عالم سمجھ رکھا تھا حالانکہ منبر پر اِدھر اُدھر کی چند بے تکیاں ہانک کر جذباتی نعروں کے ذریعے اچھلنے اچھالنے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا۔ اور سراسر مذہب اور اہل مذہب کی قدروں سے ناواقف تھا۔ اُس نے واشگاف لفظوں میں حضرت ابوطالب کے نطفے سے حضرت علیؑ کے پیدا ہونے کا انکار کر دیا اور علماء سے عوام کو متنفر کرنے کے لئے اُوپر یہ فقرہ کس دیا کہ دیکھو علماء حضرت علیؑ کو نجس اور گندے نطفے کی پیداوار جانتے ہیں میں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت علیؑ کی پیدائش کا انکار نہ کرو اور حضرت ابوطالب کو حضرت علیؑ کا باپ ماننے سے گریز نہ کرو کیونکہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے باپ کا ماننا کفر ہے اسی طرح حضرت علیؑ کے لئے باپ کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں حضرت علی کی توہین ہے تو وہ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے باپ کا ماننا تو یقیناً کفر ہے کیوں کہ قرآن کا انکار لازم آتا ہے لیکن حضرت علی کے لئے والد کا انکار کفر نہیں میں نے پوچھا اگر عورت و مرد میں میل ملاپ نہیں تو شادیاں کیوں رچائی گئیں تو کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا جس طرح مورنی مور سے آنکھ کے ذریعے حاملہ ہو جاتی ہے اسی طرح معصوم شکم مادر میں قرار پکڑتا ہے (حالانکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں مور اور مورنی کے جنسی ملاپ کا ذکر فرمایا ہے اور ماہر جنسیات لوگ خوب جانتے ہیں۔ بالخصوص جن لوگوں نے گھروں میں مور رکھے ہوئے ہیں کہ مور کے نر اور مادہ میں جنسی ملاپ ہوا کرتا ہے) وہ کہنے لگا کہ حضرت علی صلب ابوطالب میں اس طرح رہے جس طرح پرندہ پنجرے میں ہوتا ہے اور جس طرح پرندے اور پنجرے کی جنس الگ الگ ہے۔ اسی طرح حضرت علی اور ان کے والد کی جنس جدا جدا ہے۔ میں نے جب یہ سوال کیا کہ آج کل کے سادات کا اُن سے خونی رابطہ کس طرح قائم ہے جب کہ ان میں میل و ملاپ کی صورت ہی نہیں وہ تو اپنے ماں باپ کے شکم و صلب میں پرندے و پنجرے کی حیثیت سے رہے تو آج کل کے بلکہ قیامت تک کے سادات ان کے اصلاب میں کس حیثیت سے رہے کیونکہ اگر یہ

کہا جائے کہ یہ سادات ان کی صلب سے نہیں تو احترام سادات ختم ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ ان کی صلب سے ہیں تو جنس کا تفاوت مانع ہے پس اس کا جواب نہ بن آیا۔ فبھت الذی ...... میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم اپنے باپوں کی صلبوں میں رہے اور اُنہی کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور وہ پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتے رہے اور یہ چیز باعثِ توہین نہیں ہے لہٰذا عوام کے جذبات سے کھیلنے کے بجائے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے یہ نہ کہو کہ علما ان کو بجس نطفہ کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اگر تمہاری نظر میں نطفہ کا لفظ باعثِ توہین ہے تو اس کا نام خونی رابطہ تجویز کر لو لیکن یہ بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئمہ طاہرینؑ کا اپنے ماں باپ سے خونی تعلق تھا اور جنس ایک تھی نہ کہ پرندہ و پنجرہ کی حیثیت تھی (اور اسی سورہ کی آیت ۱۲-۱۳-۱۴ میں ہر انسان کی پیدائش کو نطفہ سے قرار دیا گیا ہے (آدم و حوا و عیسیٰ اس سے مستثنےٰ ہیں) اور جملہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام نوع انسانی کے کامل افراد ہیں،

رکوع نمبر ۴

یاایہاالرسل تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ خدا خود پاک و پاکیزہ ہے لہٰذا پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے پس اس نے مومنوں کو ایسی چیز کے کھانے کی اجازت دی ہے جس کے کھانے کا رسولوں کو حکم دیا ہے چنانچہ رسولوں کو خطاب فرمایا یاایہا الرسل کلوا من الطیبٰت یعنی اے رسولو! پاکیزہ غذا کھاؤ اور مومنوں سے فرمایا یاایہا الذین آمنوا کلوا من طیبٰت ما رزقنکم یعنی اے ایمان والو، کھاؤ ہمارے پاکیزہ رزق سے

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ
اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک تحقیق میں

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (51) وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً
اس سے جو تم کرتے ہو آگاہ ہوں اور تحقیق یہ تمہارا دین ایک دین

وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (52) فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ
اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے

ممکن ہے اس جگہ بھی خطاب رسولوں سے ہو اور مراد ان کی اُمتیں ہوں۔ (آج کل ایک جاہل طبقہ پیدا ہوا ہے جو معصومینؑ کے کھانے پینے کا منکر ہے خدا مومنوں کو ایسے غلط عقائد سے محفوظ رکھے)

اِنَّ هٰذِهٖ۔ اس جگہ اُمّت سے مُراد مذہب و دین لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی جانب سے سب لوگوں کے لئے دین صرف ایک ہی ہے۔

فَتَقَطَّعُوْا۔ یعنی لوگوں نے اپنی خواہشات و جذبات کے پیچھے پڑ کر باہمی اتفاق و اتحاد کو پارا پارا کر کے ملت و مذہب کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور اپنے اپنے مسلک کے لئے کتابیں مخصوص کر لیں اور دوسری کتابوں کا انکار کر دیا جیسا کہ یہودیوں نے

تورات کو لے کر انجیل و قرآن کا انکار کیا اور نصرانیوں نے انجیل سے تمسک کر کے قرآن سے انحراف کیا پس فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہوا اور وحدتِ ملی ختم ہو کر رہ گئی۔ پس ہر شخص اپنی جگہ اپنے خیالات و عقائد پر خوش ہے۔

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۗ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۵۳﴾
اپنا باہمی معاملہ کتابوں کے ذریعے ہر گروہ ساتھ اس کے جو اس کے پاس ہے خوش ہوتا ہے

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾ أَيَحْسَبُونَ
پس ان کو چھوڑ دے اپنی تاریکی میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کرتے

أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۵۵﴾
ہیں کہ ہم جو ان کی امداد کرتے ہیں مال و اولاد سے

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾
ان کی بہتری میں جلدی کرتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے نہیں

أَيَحْسَبُونَ - یعنی جن لوگوں کو دنیا میں ہم مال و اولاد سے خوشنود کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ہم پر راضی ہے اور اسی بنا پر وہ ہمارے اوپر اپنی نعمات کی بارش کر رہا ہے بلکہ باوجود گناہوں کے نعمات کی فراوانی ان کے لئے استدراج ہے اور عذاب کی پیش کش ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ سے حدیث قدسی میں منقول ہے خدا فرماتا ہے مومن بندے پر جب میں کوئی تنگی نازل کرتا ہوں تو وہ غمزدہ ہوتا ہے حالانکہ اس میں اس کی بھلائی کا راز مضمر ہوا کرتا ہے اور جب میں اس پر نعمتوں کی زیادتی کرتا ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے حالانکہ یہ چیز واقعاً مجھ سے اس کی دوری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ (مجمع البیان) بہرکیف کسی آدمی پر دنیاوی نعمات کی بارش اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر خوش ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ استدراج ہو یا یہ کہ کسی نیکی کا بدلہ دنیا میں اس کو دیا جا رہا ہو تاکہ آخرت میں صرف عذاب دائمی کا ہی مستحق رہ جائے اسی طرح کسی پر دنیاوی تکالیف تنگی رزق اور گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر ناراض ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز اس کی بلندی مراتب کا پیش خیمہ ہو یا بعض کردہ گناہوں کی اس کو دنیا میں سزا دی جا رہی ہو تاکہ آخرت میں جنت الفردوس اس کا ٹھکانا بنے اور کسی عذاب کا استحقاق اس میں نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ - ان آیات میں پروردگار مومنوں کی صحیح نشانی بیان فرماتا ہے کہ ان کے دل میں خوفِ خدا ہمیشہ جاگزین رہتا ہے وہ اللہ کی جملہ نشانیوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور شرک نہیں کرتے پھر اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کے بعد ان کے دلوں میں کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں لغزش کی وجہ سے وہ ناقابلِ قبول نہ ہو جائیں۔

ہمارے بعض صالح علماء اعلام کا دستور ہے کہ جب کافی عرصہ تک ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور نعماتِ پروردگار میں کمی نہ آئے تو توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں کہ کہیں استدراج نہ ہو جس

طرح کہ فرعون کے چار سو سالہ دورِ اقتدار میں اس کے سر میں بھی درد نہ ہوا اور یہ اللہ کی جانب سے استدراج تھا۔ کہ خوشنودی پس مومن وہ ہے جو خوشحالی اور بدحالی کے ہر دو زمانوں میں شکر و صبر کا شیوہ اختیار کرے اور طمع بخشش کے ساتھ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں رکھے اور بعض عارفین کا قول ہے کہ مومن نیکی بھی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی رہتا ہے اور بخلاف اس کے منافق برائی بھی کرتا رہتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی نہیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حفص بن غیاث سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کر سکو کہ تمہیں کوئی نہ پہچانے تو ایسا ہی کرو کیونکہ اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو اس میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہے اسی طرح اگرچہ لوگ تمہاری مذمت بھی کریں تو کوئی حرج نہیں جب کہ اللہ کے نزدیک تم قابلِ تعریف ہو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں صرف دو قسم کے آدمیوں کے لئے خوبی ہے ایک وہ جو ہر روز اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا رہے اور دوسرا وہ جو اپنے گناہوں کا توبہ

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾

تحقیق وہ لوگ جو اپنے رب (کے عذاب) کے ڈر سے خوف زدہ رہتے ہیں

وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُم

اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے

بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا

رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور وہ جو ادا کرتے ہیں (امورِ خیر) اور

وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

ان کے دل کانپتے ہیں کیونکہ (یقین ہے) کہ انہیں اپنے رب کی طرف جانا ہے

سے علاج کرتا رہے۔ لیکن توبہ کہاں۔ خدا کی قسم سجدے کر کر کے اگر اس کی گردن ٹوٹ بھی جائے خدا اس کی کسی نیکی کو قبول نہ کرے گا جب تک ہماری ولاء نہ رکھتا ہو۔ اور جو ہمارے حق کو پہچانے ثواب کی امید رکھے وہ نصف مُد کی معمولی خوراک معمولی لباس اور معمولی سر ڈھانپنے کے مکان پر رضامند ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے جس طرح آیت ۶۰ میں ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر تیرے بس میں ہو تو گھر سے باہر قدم نہ رکھو کیونکہ گھر سے نکلنے کے بعد تجھے گلہ جھوٹ حسد ریا تصنع اور منافقانہ چالوں سے بچنا ہوگا۔ پھر فرمایا مومن کے لئے بہترین صومعہ (خلوت کی عبادت گاہ) اپنا گھر ہے کہ وہاں اپنے دل زبان آنکھ اور شرمگاہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے جو دل سے اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے وہ زبان پر کلمہ شکر لانے سے پہلے زیادہ کا حق دار بن جاتا ہے اور جو دوسروں پر اپنی برتری کا خیال کرے وہ متکبرین میں شامل ہے۔ راوی نے پوچھا اگر کوئی بندہ کسی دوسرے انسان کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے پس دل میں خیال کرے کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ میں اس گناہ سے بچا ہوا ہوں تو آپ نے فرمایا ایسا بھی خیال نہ کرے

کیوں کر ممکن ہے توبہ سے اُس کا گناہ بخشا جائے اور تجھے مقام حساب میں کھڑا کر دیا جائے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتوں کی فراوانی سے دھوکہ میں مبتلا ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اللہ کی عیب پوشی کی وجہ سے ڈھیل میں پڑ گئے ہیں آپ نے فرمایا ہماری معرفت رکھنے والوں کے لئے نجات کی اُمید ہے سوائے تین قسم کے لوگوں کے (۱) ظالم حکمران کا دوست (۲) ناجائز خواہش رکھنے والا (۳) اعلانیہ فسق کرنے والا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔ الخ۔ پھر فرمایا اے حفص محبت خوف سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم وہ اللہ کا محب نہیں جو دنیا کا طالب اور ہمارے دشمن کا دوست ہو اور جو ہمارا حق پہچان کر ہماری محبت رکھے وہ اللہ کا دوست ہے یہ سن کر ایک شخص رونے لگا آپ نے فرمایا کیا تو روتا ہے حالانکہ تمام اہل ارض و سما اگر مل کر گڑگڑا کر تیری سفارش کریں کہ تجھے جہنم سے نجات دے کر خدا جنت میں داخل کرے تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اے حفص پیچھے چلنے والا بن اور پیشرو نہ بن۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ڈرے اس کی زبان خاموش ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا وعظ سن کر ایک شخص نے گریبان پھاڑ ڈالا تو وحی ہوئی اے موسیٰ اس سے کہو گریبان پھاڑنے کی بجائے دل کے پردے دور کرو۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے ایک آدمی کو لمبے سجدے میں جاتے ہوئے اور پھر پلٹتے ہوئے بھی دیکھا تو فرمانے لگے اگر تیری حاجت میرے قبضے میں ہوتی تو میں پوری کرتا پس وحی ہوئی اے موسیٰ اگر سجدے کرتے ہوئے اس کی گردن بھی ٹوٹ جائے تو میں قبول نہیں کروں گا جب تک میری مبغوض چیزوں سے پرہیز کر کے میری پسندیدہ چیزوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾

وہی لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں کہ وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ

ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی برداشت کے مطابق اور ہمارے (فرشتوں) کے پاس کتاب ہے جو سچی گواہی دیگی اور ان پر نہ ظلم کیا جائے گا

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ

بلکہ ان کے دل (غفلت کی) تاریکی

غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ

میں ہیں اس سے اور ان کے اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں

كِتٰبٌ۔ اس سے مراد وہ اعمال نامہ ہے جو فرشتے (کراماً کاتبین) لکھتے ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی کافر لوگوں کے دل غفلت جہالت یا کفر کے تاریک گڑھے میں ہیں اور ان کے اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں۔ یعنی جس طرح ان کا باطن سیاہ ہے اسی طرح ان کا ظاہر بھی سیاہ ہے۔

اِذَآ اَخَذْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے کفار مکہ پر قحط سالی کے لئے بددعا کی تھی چنانچہ وہ

اس عذاب میں گرفتار ہو گئے اور قحط اتنا بڑھا کہ وہ لوگ مردار اور کتے کھانے لگے۔ پس وہ چیختے تھے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے تھے لیکن عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد دعا کی شنوائی نہیں ہوتی۔

ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ

جو وہ عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے پکڑ لیا ان کے بڑے

بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ

بڑوں کو عذاب میں تو وہ چیختے ہیں (ہم نے کہا) اب نہ چیخو کیونکہ تمہاری

اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

ہماری طرف سے کوئی مدد نہ ہوگی تحقیق تم پر ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ

تو تم پچھلے پاؤں مڑ جایا کرتے تھے تکبر کرتے ہوئے ساتھ اس

بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

کے قصہ گوئی میں کہ اس کو چھوڑ دیتے تھے کیا وہ نہیں سوچ بچار کرتے بات میں

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

کیا ان کے پاس آئی ایسی بات جو ان کے گذشتہ باپ دادا پر نہیں آئی؟

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

کیا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ اس کے منکر ہیں؟

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے؟ بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے

مُسْتَكْبِرِيْنَ۔ یعنی حضور پر اپنی برتری جتلاتے اور تکبر کرتے تھے حتی کہ رات کو جب اکٹھے ہو کر بیٹھتے تو حضور کی توہین کے قصہ کو دہراتے اور حق پر تمسخر کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے یہ نئی بات نہیں اس سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کے باپ دادا کا یہی وتیرہ رہا ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا۔ یہ کفار مکہ کے لئے توبیخ اور سرزنش ہے کہ تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول وہی تو ہے جس کو تم لوگ حسب و نسب کے لحاظ سے جانتے ہو کہ نسب کے لحاظ سے اس کا خاندان خاندانوں سے اشرف ہے اور حسب اس قدر بلند ہے کہ دوست و دشمن بلا استثناء اس کی صداقت امانت اور دیانت کو مان چکے ہیں تو جس نے بچپنے اور جوانی میں اپنی زبان کو جھوٹ سے ملوث نہیں کیا وہ چالیس برس کے بعد کیوں کر جھوٹ بول سکتا ہے اور جو لوگوں کی امانت میں خیانت نہیں کرتا وہ خدائی پیغامات میں کیونکر خیانت کر کے اپنی طرف سے باتیں بنا

کو پیش کر سکتا ہے ؟ کفار مکہ جانتے ہیں کہ محمدؐ صادق و امین ہے لیکن چونکہ پیغام رسالت تسلیم کرنے میں ان کی عیاشیوں اباحیوں رنگ رلیوں اور جملہ خرافات و رسومات جاہلانہ پر ضرب کاری پڑتی ہے نیز ان کی چودھراہٹ کو بھی خطرہ لاحق ہے اس لئے حق کی بات تسلیم کرنے سے کتراتے ہیں پس انکار کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے مثلاً یہ لوگ دانستہ طور پر ایسی باتیں کرتے ہیں تاکہ ان کو کلمۂ حق کہنے کی کسی میں جرأت نہ رہے اور لوگوں میں بھی بات بنی رہے نیز پارٹی بھی قائم رہے لیکن حق ایک ایسی ٹھوس اور مضبوط اصول پر مبنی حقیقت ہے جس میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے جذبات و خواہشات کی پاسداری کے لئے ذرہ بھر لچک پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ حق اگر خواہشات کے تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی حقیقت ختم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ نظام سماوی و ارضی پائدار اصول اور غیر متزلزل حکمتِ پروردگار کے دستور کے مطابق قائم و دائم ہے مدنہ اس میں خواہشات و جذبات کا اگر دخل ہو تو ہر ایک کی خواہش الگ، جذبہ جدا اور احساس علیحدہ ہونے کی وجہ سے پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اسی طرح شرعی نظام بھی صرف اس ایک اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کے ماتحت ہے لہذا لوگوں کے جذبات سے بالاتر ہے۔

أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اور اکثر ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں — اور اگر پیچھے چلے حق ان کی خواہشات
أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ
کے تو فاسد ہو جائیں آسمان و زمین اور جو ان
فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
کے اندر ہے بلکہ ان کے پاس ہم ذکر لائے پس وہ اپنے ذکر سے منہ
مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ
پھیرنے والے ہیں کیا تو ان سے اجرت مانگتا ہے پس رب کی اجرت

ذِكْرِهِمْ۔ اس مقام پر ذکر کے دو معانی کئے گئے ہیں۔ (۱) شرف و فضل، یعنی ہم نے ان کو شرف و فضل عطا کیا کہ حضرت محمد مصطفےٰ انہی میں سے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے شرف سے منہ موڑنے والے ہیں (۲) بیان حق یعنی ہم نے حق کے بیان کے لئے ان کو قرآن عطا کیا لیکن وہ لوگ قرآن سے منہ پھیرتے ہیں۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ روایات اہل بیت میں اس کی تاویل ولایت علی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اگر خدا چاہتا تو اپنے بندوں کو خود اپنی معرفت کا القاء کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہمیں اپنا باب صراط سبیل اور وجہ قرار دیا جو اس کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں پس جو شخص ہماری ولایت سے اعراض کرے اور ہمارے غیر کو ہم پر فضیلت دے وہ سیدھے راستہ سے

maablib.org

خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ

بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور تو ان کو بلاتا ہے ایک راہ کی

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

طرف جو بالکل سیدھا ہے اور تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے آخرت

بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ

پر وہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں

وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

اور دور کردیں ان کی تکلیفوں کو تو زیادہ گھستے ہیں اپنی سرکشیوں میں کو سرگردان

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

ہوتے ہیں اور تحقیق ہم نے پکڑا ان کو عذاب کے ساتھ پس نہ وہ

اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا

جھکے اپنے رب کے آگے اور نہ گریہ وزاری کی یہاں تک کہ جب ہم نے

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ

کھولا ان پر دروازہ سخت عذاب کا تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ

مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

گئے اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کئے تمہارے لئے کان آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور دل تھوڑا ہی تم اس کا شکر کرتے ہو اور وہ وہ ہے جس نے تم کو

ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ

پھیلا دیا زمین میں اور اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ ہے

مبتلا ہوا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ۔ تفسیر صافی میں ہے جب حضور کی بددعا سے اہل مکہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ تو ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آپ کیسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ ہمارے بڑوں کو تلوار سے ماردیا ہے اور چھوٹوں کو بھوک سے مارتے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی۔

ذَا عَذَابٍ۔ اہل مکہ پر پہلا عذاب بدر کے دن قتل کا عذاب تھا اور دوسرا عذاب شدید قحط سالی کا عذاب تھا کہ کتے مردار جانور اور خون کے چھیچھڑے کھانے پر وہ مجبور ہو گئے تھے

رکوع نمبر ۵ ذکر توحید

السَّمْعَ۔ تمام اعضاء میں سے کانوں آنکھوں اور دلوں کا تذکرہ مخصوص فرمایا کیونکہ دنیاوی نعمات خداوندی سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کو بدرجہ

انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس نے تم کو نفع اٹھانے کے لئے یہ اعضا دیئے ہیں اسی نے تمام اعضا عطا کئے ہیں لیکن تم اس کا شکر نہیں کرتے یہاں قلیل نفی کے معنی میں ہے۔ آیات مجیدہ میں جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے صرف انہی تک محدود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ کائنات کا تخلیقی کارنامہ جس طرح میری ذات سے مخصوص ہے اس کی بقاو ارتقاء اور موت و حیات اور نشور بھی میرے اختیار میں ہے پس اگر تم غور و فکر اور تدبر و تعمق سے کام لو تو تم کو مجالِ انکار نہیں رہے

الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اختلاف شب و روز کا

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾

کیا تم نہیں سوچتے ؟ بلکہ کہنے لگے ویسی بات جو کہی پہلے لوگوں نے

قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾

کہنے لگے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں تو ہم اٹھائے جائیں گے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا

تحقیق ہمیں وعدہ دیا گیا اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے پہلے نہیں یہ باتیں

إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن

مگر ہو گزرے افسانے پہلے لوگوں کے پوچھو کس کی ہے زمین اور جو کچھ اس میں

فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ

ہے اگر تم جانتے ہو ؟ وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہو

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ

کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ پوچھو کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور رب

گی کہ میں سب کچھ کر سکتا ہوں لہذا تم کو موت کے بعد زندہ ہو کر میرے دربار کی پیشی اور بازپرس کا خیال کرتے ہوئے دامن اسلام سے وابستہ ہو جانا چاہیے لیکن اس کا جواب انہوں نے وہی دیا جو ان سے پہلے کے لوگ دیتے رہے ہیں کہ مر جانے اور خاکستر ہو جانے کے بعد ہم کیونکر دوبارہ اٹھائے جا سکیں گے یہی باتیں ہمارے اسلاف کو بھی سنائی گئیں بس یہ صرف افسانہ ہی افسانہ ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں پس اساطیر جمع ہوگی اسطور کی اور اس کا معنی ہوگا جھوٹا افسانہ اور اس وزن کا استعمال لہویات و لغویات کے لئے ہوتا ہے جس طرح اکذوب اور اضحوک اور یہ بھی ممکن ہے اسطار کی جمع ہو جو سطر کی جمع ہے (صافی)

قُلْ لِمَنِ: خداوند کریم نے ان کو قیامت اور حشر و نشر کا قائل کرنے کے لئے تین طریقے اختیار فرمائے۔ پہلا یہ کہ ان سے پوچھ

زمین اور اس میں ہونے والی جملہ مخلوق کس کی ملکیت ہے اور ان سب کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً وہ جواب میں کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا مالک و خالق ہے تو پھر ان کو سمجھاؤ کہ جو خدا کتم عدم سے اس ساری مخلوق کو ہستی شہود پر جلوہ گر کر سکتا ہے کیا وہ خدا انہیں مرنے کے بعد اور خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ حالانکہ پہلی ایجاد دوسری دفعہ کے اعادہ سے مشکل تر ہوا کرتی ہے تو جو مشکل امر پر قادر ہے وہ آسان پر یقیناً قادر ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ پھر دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ عالم علوی میں غور کرو۔ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یقیناً یہی دیں گے کہ اللہ ہے تو کہدو کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اس اللہ سے ڈرو کیونکہ یقیناً جو اتنی بڑی کائنات کو بغیر مادہ کے ایجاد کر سکتا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے پھر تیسری دفعہ پوری کائنات کے تصرفات میں غور و خوض کی دعوت دے کر ارشاد فرمایا ان سے دریافت کرو وہ کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ہونے والی شئی کی حکومت و بادشاہت ہے اور وہ جسے چاہے پناہ دے دے لیکن اس کی گرفت سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو اس کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ اس قسم کی بیحد و وسیع سلطنت کا مالک صرف اللہ ہے تو ان سے پوچھیے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے ایک واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾

عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے اللہ کے لئے ہے تو کہو کیا تم نہیں ڈرتے

قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا

پوچھو کس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور وہ پناہ دیتا ہے

يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ

(جسے چاہے) اور نہیں پناہ دیا جاتا کوئی اس (کے عذاب) سے اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے کہ یہ اللہ کے

لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ

لئے ہے کہو پھر کیوں فریب کھاتے ہو؟ بلکہ ہم نے ان کو دیا حق (پیغام توحید)

ان آیات مجیدہ میں جہاں ایک طرف اثبات قیامت کے لئے دلیلیں قائم کی گئی ہیں وہاں دوسری طرف توحید حق سبحانہ کو بھی قابل قبول انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی جو ذات اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے سب کی ایجاد پر قادر ہے وہ سب کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور جس طرح ایجاد مخلوق میں وہ یکا و تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے اور اٹھانے میں بھی وہ تنہا قادر ہے۔

تُسْحَرُونَ۔ جس طرح جادو میں فریب ہوتا ہے کہ خلاف واقع امر کا اظہار کر کے آنکھوں کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی جانتے ہوئے فریب خوردہ ہو۔

بَلْ اَتَیْنٰھُمْ یعنی ہم نے ان کو دعوتِ توحید دی جو پیغامِ حق ہے لیکن وہ غلط اور جھوٹے عقائد سے باز نہیں آتے۔ کسی نے عزیرؑ و عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا اور کئی ایسے ہیں جنہوں نے خدا کے علاوہ اور الٰہ (خالق) تجویز کر لئے حالانکہ یہ سب جھوٹے ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کوئی شریک رکھتا ہے۔

مِنْ اِلٰہٍ۔ آیتِ مجیدہ میں الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا

اِلٰہ کا معنی الٰہ نہیں یعنی خالق نہیں کیونکہ اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو وہ اپنی مخلوق بانٹ لیتا اور تقسیم میں جھگڑا پڑنے کی صورت میں دونوں میں لڑائی ہو جاتی اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا پس لڑائی کا نہ ہونا اور نظام کا قائم و دائم رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ساری خدائی کا خالق صرف ایک خدا ہے جس کی تدبیرِ محکم سے کائناتی نظام بدرجۂ اتم و اکمل جاری ہے بعض جاہل ایک مجہول خطبہ بیان کا منبروں پر بیان کر کے سادہ لوح شیعوں میں شرک کی ترویج کرتے ہیں اور تمام کائنات کی تخلیق کو حضرت علیؑ کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے اس دعویٰ کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بد عقیدہ لوگوں سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کر کے جیبیں پُر کرتے ہیں ایسے لوگ عوام کے لئے عذابِ خداوندی سے کم نہیں وہ دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے خطرناک ڈاکو ہیں جب اُن سے کہا جائے کہ حضرت علیؑ اور باقی معصوم خالق ہوں تو کئی خالق بن جائیں گے پھر توحید کا عقیدہ کہاں جائے گا۔ پس انتہائی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کو خالق مانتے ہیں الٰہ نہیں مانتے لہٰذا ان کو خالق کہنے سے لا الٰہ الا اللہ پر کوئی زد نہیں پڑتی آیتِ مجیدہ میں صاف طور پر الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے گویا جو اللہ کے علاوہ کسی کو خالق مانتا ہے وہ معنیً الٰہ ہی شرک کرتا ہے بعض جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے خلق کرتے ہیں حالانکہ آیتِ مجیدہ میں خداوندِ کریم نے صریح طور پر اس امر کی تردید فرمائی ہے کہ نہ میں نے کوئی بیٹا بنایا ہے جو کائناتی تخلیق اور نظام و تدبیر میں میرے ساتھ تعاون کرے اور نہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو میرا شریک کار ہو ورنہ ایسا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور جھگڑے فساد تک نوبت پہنچتی۔ اللہ

وَاِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ

اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں نہیں بنایا اللہ نے کوئی بیٹا اور

وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍۭ

نہ ہے اس کے ساتھ کوئی الٰہ (شریک) ورنہ بانٹ لیتا ہر الٰہ اپنی

بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا

مخلوق کو اور حملہ کرتا ایک دوسرے پر پاک ہے اللہ اس سے جو

یَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع ۵

وہ کہتے ہیں غائب اور حاضر کے جاننے والا ہے پس بلند و بالا ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

جن کو لوگ خالق تجویز کرتے ہیں اگر وہ اپنی مخلوق کو الگ نہیں کر سکتے تو وہ خالق کس کام کے ہیں؟ معلوم ہوا کہ اس کے سوا سب کے سب اس کے بندے ہیں اور اس کی قدرت وعظمت کے سامنے سرنگوں اور اس کے عبادت گذار ہیں۔ پس جن لوگوں نے آلِ محمدؐ کی طرف پیدا کرنا منسوب کیا ہے وہ مشرک ہیں اور ایسوں کو نہ آلِ محمدؐ معاف کریں گے اور نہ خدا معاف کرے گا۔ چنانچہ اس نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اس کو قرآن مجید میں ناقابل عفو جرم ٹھہرایا ہے۔

توحید آیت مجیدہ میں توحید حق سبحانہ پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔ (۱) دلیل تمایز (۲) دلیل تمانع

(۱) دلیل تمایز اِذًا لَّذَھَبَ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ خالق اور الٰہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت میں دوسرے کی شرکت کو برداشت نہ کرتا اور اس کے قادر ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق کو دوسروں کی مخلوق سے الگ کر لیتا اور اپنی خلق کردہ اشیاء کو دوسروں کے قبضہ اور ان کی بالادستی سے نکال سکنے اور اپنی الگ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوتا نیز ہر ایک کے قادر ہونے کا لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ہر دوسرے کا دفاع کر سکتا اور جو بھی دوسرے کے دفاع پر قادر ہوتا وہی صحیح الٰہ ہوتا۔ پس اس تمایز کا انجام تدافع ہوتا اور نظام عالم درہم برہم ہوتا (اس دلیل کا مآل بھی دلیل تمانع ہے)

(۲) دلیل تمانع وَلَعَلٰی بَعْضُھُمْ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو قدرت ان کی عین ذات ہوتی لہذا ہر ایک ہر اس چیز پر قادر ہوتا جس پر دوسرا قادر ہے۔ پس ایک کا ایک مخلوق میں دوسرے سے سبقت کرنا یا تو دوسرے کی بے علمی سے ہوگا۔ یا بے بسی سے ہوگا اور یہ دونوں چیزیں الٰہ میں ناممکن ہیں۔ پس مخلوق کے ہر فرد کے مقام تخلیق میں خداؤں کے درمیان رسہ کشی ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ہر ایک کی قدرت کا لازمہ یہ ہے کہ دوسرے کے دفاع پر قادر ہو پس ہر ایک غالب بھی ہوتا اور مغلوب بھی ہوتا۔ اور اسی کا نام تمانع ہے کیونکہ دونوں کی قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مقام سے دھکیل سکیں اور نیز ان کی قدرت کا لازمہ یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے دھکیلے نہ جا سکیں۔ پس چونکہ مخلوق میں تمایز نہیں اور خداؤں میں تمانع نہیں اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات کا خالق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کے اعجاز کی زبردست دلیل ہے یہ بات کہ اس قدر مختصر بیان میں توحید خالق کی دو ایسی دلیلیں سمو دی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کلام میں اس قدر مختصر فقرات ایسی معنویت پر مشتمل نہیں ہو سکتے۔

سوال وجواب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ممکن ہے چند خالق ہوں لیکن ان کی ایک دوسرے سے صلح ہو اور وہ کامل اتفاق سے نظام کو چلا رہے ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دوسرے کے برابر قدرت رکھنا ہر ایک کی قدرت کے محدود ہونے کو ثابت کرتا ہے کیوں کہ ہر ایک دوسرے کا اگر دفاع کر سکتا ہے (جیسا کہ قادر ہونے کا مطلب ہے) تو سابق خرابی یقیناً لازم آئے گی۔ اور اگر ہر ایک دوسرے کے دفاع پر قادر نہیں تو سب عاجز ہوں گے اور ان میں سے خدا کوئی بھی نہ ہوگا بلکہ خدا وہ ہوگا جو ان سب پر حاوی ہوگا اور وہ ایک ہی ہوگا۔

رکوع نمبر ۶۔ قُلْ رَّبِّ۔ مروی ہے کہ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو اطلاع دی تھی کہ میں قریش مکہ پر عذاب نازل کروں گا

پس باذنِ پروردگار حضورؐ نے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار! اگر میری زندگی میں اور میرے سامنے تو ان پر عذاب نازل کرے تو مجھے محفوظ رکھنا حضورؐ کا یہ طریقہ اُمّت کی تعلیم کے لئے ہے کہ گرفتارِ عذاب کو دیکھو تو اپنے لئے اپنے پروردگار سے دفع عذاب کی دعا مانگا کرو۔ اگرچہ اپنے متعلق نجات کا یقین بھی ہو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ ۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب بھی کوئی انسان نیکی اور خدمتِ خلق کیلئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو طعن و تشنیع اور اعتراضات و اشکالات کا بے پناہ سلسلہ اس کو کارِ خیر سے روکنے کے لئے شروع ہو جاتا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ گھبرا کر کسی طرح وہ نیکی سے دست بردار ہو جائے اور آیت مجیدہ میں پروردگار بذریعہ اپنے حبیب کے تمام ہدایت کے علم برداروں کو ایک اصولِ تبلیغ تعلیم دے رہا ہے کہ لوگوں کی جانب سے بدسلوکی کا جواب بدسلوکی سے نہ دو بلکہ ان کی برائی کو اپنی اچھائی کے ذریعے روکو اور ان کی ہر طرح کی بدزبانی کو اپنے حسنِ کردار کے دامن میں سمیٹے جاؤ۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ کہ کسی کا دشمن خداترس ہو تو اس کو اپنے دشمن کی ایذا رسانی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خوفِ خدا اس کو خود بخود میری ایذا سے روکنے والا موجود ہے۔ اور بعض اوقات اس کی خداترسی کو بزدلی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر حوادث دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کسی کا دشمن کوئی ناخداترس ہو تو وہ ہر وقت اپنی جان مال اور ناموس کو خطرے میں پاتا ہے۔ لیکن ہادیانِ دین کے دشمن خداترس تو ہو نہیں سکتے اور ناخداترس لوگوں کا کام ہی شرفاء کی پگڑی اچھالنا ہوتا ہے۔ پس خداوند کریم صبر و ضبط اور حلم و حوصلہ سے جہلا کی باتوں کو برداشت کر کے نیک راستے کی ہدایت کی تلقین فرماتا ہے۔ بنابریں علمائے کرام کو دورِ حاضر میں بجائے

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ

کہو اے رب اگر تو مجھے دکھائے (وہ عذاب) جس کا وہ وعدہ دیئے گئے ہیں اے رب نہ کرنا مجھے

فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

ظلم کرنے والے لوگوں میں اور تحقیق ہم اوپر اس کے کہ دکھائیں تجھے وہ جس کا ان سے وعدہ ہے

لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ

البتہ قادر ہیں دفع کر (اس طریقہ سے) جو اچھا ہو برائی کو ہم جانتے

اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں اور کہو اے رب میں پناہ مانگتا ہوں تیری

هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

وساوس شیاطین سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ

يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

وہ حاضر ہوں (میرے پاس) یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی پر موت

گھبرانے کے کمر ہمت باندھ کر ہر باطل کے طوفان کے آگے سینہ سپر ہو جانا چاہیے اور ہر بدزبانی کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے اپنے آثار علمیہ کی حفاظت کرتے ہوئے قدم آگے بڑھانا چاہیئے انشاء اللہ تائید ایزدی شامل حال رہے گی۔

اخلاقِ نبوتیہ

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جب سے مبعوث ہوئے تا دمِ زیست کبھی تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ کسی مجلس میں کبھی کسی ہمنشین نے آپ کو ننگے زانو نہیں دیکھا۔ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو اتنے تک ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ دوسرا آدمی ہاتھ نہ کھینچتا۔ کسی کی بدسلوکی کا بدلہ کبھی بدسلوکی سے نہ دیا۔ کبھی کسی سائل کو دروازہ سے نہ روکا۔ اگر کچھ پاس ہوتا تھا تو وہ دے دیتے ورنہ فرماتے تھے تجھے اللہ عطا فرمائے گا۔ جس کسی کے ساتھ اللہ کی طرف سے کچھ ملنے کا وعدہ فرماتے تھے تو اللہ اس کو پورا کرتا تھا۔ اور ان کا بھائی ان کے بعد انہی کے اخلاق کریمہ کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے دنیا میں کبھی حرام کو منہ نہیں لگایا اور اگر ان کے سامنے دو امر اطاعتِ پروردگار کے پیش ہوتے تو اس کو اختیار فرماتے تھے جو بدن کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم انہوں نے رضائے پروردگار کے لئے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ایک ہزار غلام خرید کر کے آزاد کئے۔ خدا کی قسم جناب رسالتمآبؐ کے کردار کا مکمل آئینہ دار ان کے بغیر اور کوئی نہ ہو سکا۔ خدا کی قسم جب بھی حضرت رسالتمآبؐ پر کوئی مشکل آئی تو ان کو ہی سینہ سپر کیا کیونکہ ان پر ہی ان کو کامل اعتماد تھا۔ اور جب بھی حضورؐ ان کو کسی جنگ میں فوج کا علم دے کر روانہ فرماتے تھے تو جبرئیلؑ ان کے دائیں اور میکائیل ان کے بائیں ہو کر مشغولِ جہاد ہوتے یہاں تک کہ فتح کے بغیر واپس نہیں پلٹتے تھے۔ (ملخصاً) نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں سے سیرت و کردار میں پیغمبرؐ کے مشابہ تھے۔ حضرت علیؑ اُجرت پر لوگوں کے باغات کو سیراب کرتے تھے۔ اور لکڑیاں جنگل سے لا کر فروخت کرتے تھے اور جناب فاطمہؑ گھریلو کاروبار خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا کرتی تھیں چنانچہ کھانا خود پکاتی تھیں اور بچوں کے کپڑے خود سیا کرتی تھیں۔ سلام اللہ علیہا (ملخصاً)

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا

تو کہے گا اے رب مجھے واپس بھیج تاکہ میں عمل کروں اس چیز کے بارے میں جو

تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ

چھوڑ آیا ہوں (فرماتا ہے) ہرگز نہیں (دیکھو) یہ بات ہے جو اس نے کہہ دی اور ان کے پیچھے

رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے اور یائے متکلم تخفیف کے لئے حذف کر دی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا عذاب موت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ مجھے ایک مرتبہ واپس زندگی دے کر بھیجا جائے تاکہ میں جو فریضہ ترک کر آیا ہوں اسے ادا کروں اور آیت مجیدہ کے الفاظ ہر کافر و ملحد و بے دین کو شامل ہیں جنہوں نے دعوتِ اسلام کو ٹھکرا کر خلافِ تعلیم پیغمبر غلط کاریوں میں وقت گذارا۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ بوقتِ مرگ فرشتے مومن سے کہتے ہیں کہ اگر تیرا ارادہ ہو تو تجھے واپس دنیا میں بھیجا جائے۔ پس جواب میں مومن کہتا ہے کہ میں دوبارہ رنج و بلا کے گھر کی طرف نہیں جانا چاہتا لیکن کافر موت کو دیکھ کر کہتا ہے مجھے

واپس پلٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمال کا تدارک کرلوں۔

بَرْزَخٌ۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے مانع اور اصطلاح شریعت میں مرنے سے تاقیامت کے درمیانی عرصہ کا نام برزخ ہے۔

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ دنیا و آخرت کے درمیان ثواب و عقاب کی منزل کا نام برزخ ہے اور یہ آیت ان لوگوں کی تردید کررہی ہے جو قیامت سے پہلے عذاب قبر اور ثواب و عقاب کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق صرف برزخ کا ڈر ہے ورنہ جب معاملہ ہمارے پاس پہنچے گا تو ہم تمہارے لئے اچھا انتظام کریں گے۔

بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک راوی حدیث نے سوال کیا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے تمام شیعہ جنّت میں جائیں گے۔ خواہ کسی قدر ہی ان سے لغزشیں سرزد ہوں؟ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے خدا کی قسم وہ سب کے سب جنّت میں جائیں گے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں؟ گناہ بڑے بڑے بھی تو ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تو تم سب کے سب نبی یا وصی نبی کی شفاعت سے جنّت میں جاؤ گے لیکن برزخ کے متعلق مجھے تمہارا خطرہ ہے۔ راوی نے پوچھا کہ برزخ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ۔

بروایت زہری امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسان پر تین وقت بہت سخت آتے ہیں پہلا موت کا وقت دوسرا قبر سے اٹھنے کا وقت تیسرا اللہ کے دربار میں پیشی کا وقت پھر جنّت والے جنّت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اے آدم زادے اگر موت کے وقت تیری اچھی گذر گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت دائمی اور اگر قبر میں تیری نجات ہوگئی، تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور پل صراط سے اگر گذر گیا تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور منزل حساب میں تجھے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (الخ)

فَلَآ اَنْسَابَ کی تفسیر میں قمی سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بروز قیامت ہر شخص اپنے اعمال کی بدولت آگے بڑھ سکے گا اور اس کی دلیل حضرت رسالت مآبؐ کا فرمان ہے کہ عربی ہونا ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جو بھی بول لے وہی عربی ہے آگاہ ہو تم سب کے سب اولادِ آدم ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے۔ خدا کی قسم اللہ کی اطاعت کرنے والا حبشی غلام اُس سید قرشی سے بہتر ہے جو اللہ کا نافرمان ہو۔ اور اللہ کے نزدیک زیادہ عزت دار وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ فَاِذَا نُفِخَ (الخ)۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ آیت مجیدہ میں صریح طور پر اعلان ہے کہ اس وقت لوگ ایک دوسرے سے بات تک نہ کرسکیں گے لیکن ایک دوسرے مقام پر شاہ قدرت ہے۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی بروز محشر ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے موقف متعدد ہیں۔ وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ اس موقف کی ترجمانی ہے جب نفخ صور ہوگا اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے پس اس وقت کسی کو کسی سے کچھ پوچھنے کی مہلت و فرصت نہ ہوگی اور اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ (الخ) والی آیت اس موقف کے بیان میں ہے جب لوگ اللہ کے دربار میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے۔

maablib.org

فَاِذَا نُفِخَ - نفخ صور کی حقیقت کو سمجھنا تو ہمارے ناقص عقول کی پہنچ سے بالاتر ہے بس اسی قدر ہی روایات سے مستفاد ہے کہ نفخ صور پر مامور فرشتہ حضرت اسرافیل ہے جب پہلی دفعہ نفخ صور ہو گا تو تمام زندہ مر جائیں گے اور ایک وقفہ کے بعد جو پچاس برس بتایا گیا ہے جب دوبارہ نفخ صور ہو گا تو سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت دربار پروردگار میں پیشی کے لئے بلاوا ہو گا۔ پس ہر شخص اپنی فکر میں کھویا ہوا ہو گا۔ کسی کو اپنے عزیز و قریبی رشتہ دار کا کوئی خیال تک نہ آئے گا اور باوجود اکٹھے ہونے کے نہ ایک دوسرے کے شریک غم ہوں گے اور نہ آپس میں احوال پرسی کر کے غم غلط کر سکیں گے۔ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کُلُّ حَسَبٍ وَّ نَسَبٍ مُنْقَطِعٌ اِلَّا حَسَبِىْ وَنَسَبِىْ (یعنی ہر حسب و نسب ختم ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے (مجمع البیان) مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی شخص کو کسی رشتہ کا فائدہ پہنچے گا اور نہ کوئی کسی رشتہ پر ناز کر سکے گا بس اپنے اعمال کام آئیں گے لیکن جناب رسالت مآبؐ کا نسب قیامت کے دن بھی فائدہ دے گا۔

تَلْفَحُ - یعنی جہنم کی آگ ان کی شکلوں کو مسخ کر دے گی چنانچہ مروی ہے کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو کھچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک لٹک آئے گا۔ اور بقول ابن مسعود دونو ہونٹ جل کر گر پڑیں گے اور دانت نمایاں ہو جائیں گے۔ پس جب یہ لوگ قیامت میں آئیں گے تو آگ میں جھلس جانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور اُن کے منہ پھٹے کے پھٹے ہوں گے۔ لفح اور نفح دونو کا معنی ایک ہے۔ لیکن لفح نفح سے زیادہ سخت ہے۔ پس لفح کا معنی ہے باد سموم کا منہ پر سختی سے پڑنا اور نفح کا معنی ہے تیز ہوا کا منہ پر پڑنا۔ (مجمع البیان)

بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ

برزخ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے پس جب پھونکا جائے گا صور میں پس نہ رشتہ داریاں

اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

ہوں گی آپس کی اس دن اور نہ احوال پرسی ہو گی پس جس کا میزان بھارا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

ہو گا (نیکی کا) تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جس کا میزان ہلکا ہو گا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِىْ جَهَنَّمَ

(نیکی کا) تو وہ وہ ہوں گے جنہوں نے گھاٹا دیا اپنے نفسوں کو وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں

خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا

گے جلائے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں کھلے منہ رو سیاہ

قَالَ اخْسَئُوْا - خَسَأَ يَخْسَأُ کتے کو دھتکارنے کے معنی میں ہے۔ گویا پروردگار کی جانب سے دوزخیوں کو ان کے سوال کے جواب میں کتے کی طرح دھتکارا جائے گا کہ دفع ہو جاؤ اور بکواس بند کرو۔

نکاتِ علمیہ

(۱) احتجاج طبرسی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کیا اعمال تولے نہ جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ وہ اجسام نہیں بلکہ صفات ہیں نیز تولنے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو اس کے عدد یا وزن کا علم نہ ہو حالانکہ خدا پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پس راوی نے پوچھا کہ میزان کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے عدل پس موازین کے بھارے ہونے کا مقصد ہے نیک اعمال کی زیادتی اور ہلکے ہونے کا مطلب ہے نیک اعمال کی کمی)

(۲) کعب الاحبار سے مروی ہے قیامت کے دن لوگ چار قسموں پر محشور ہوں گے۔ کچھ سوار ہوں گے کچھ پیدل ہوں گے، کچھ گھٹنے ٹیک کر جانے والے ہوں گے اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہوگی جو منہ کے بل جائیں گے۔ اندھے بہرے اور گونگے ہوں گے نہ بول سکیں گے اور نہ اپنا کوئی عذر پیش کر سکیں گے سائیک سوال کے جواب میں کعب نے بتایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو مرتد ہو گئے اور بعیت توڑ کر خلیفۂ رسول سے نبرد آزما ہوئے اور بُرا حال ہوگا ان لوگوں کا جو وصی پیغمبرؐ کے خلاف جنگ لڑے اور کعبہ کے رب کی قسم وہ حرف علی کی ذات ہی ہے اور اسی کی نسل سے حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ عجل اللہ فرجہ (ملخصاً) برہان

كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

ہوں گے (کہا جائے گا) کیا نہیں پڑھی گئیں تم پر میری آیتیں پس تم ان کو

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا

جھٹلاتے تھے؟ کہیں گے اے رب سوار ہو گئی ہم پر اپنی بدبختی اور ہم گروہ

قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

لوگ تھے اے رب نکال ہم کو اس سے پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

ظالم ہوں گے فرمائے گا دفع ہو جاؤ اس میں اور نہ بولو میرے ساتھ

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا

تحقیق ایک گروہ میرے بندوں میں سے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے

سِخْرِيًّا۔ کفار کا مومنین سے تمسخر دو طرح کا تھا۔ ایک یہ کہ مومنین کے غریب طبقہ کے لوگوں کو مزدوری پر لے جاتے تھے اور سارا دن ان سے مزدوری کرانے کے بعد بغیر اُجرت دیئے ان کو گھروں کی طرف بھیج دیتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ جب مومنوں کو دیکھتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے ان لوگوں کو دیکھو جو دنیا میں پست ترین زندگی پر راضی ہیں اور آخرت میں اس کے بدلہ کی اُمید رکھے ہوئے ہیں حالانکہ نہ کوئی آخرت ہے اور نہ ثواب۔ پس ان آیات مجیدہ میں خداوند کریم فرماتا ہے۔ ان کو دوزخ میں بھیج کر ہم یاد دلائیں گے کہ تم کس طرح مومنوں سے سخری کرتے تھے۔

اَنْسَوْكُمْ ۔ یعنی کفار لوگ مومنوں پر طعن و تشنیع میں وقت ضائع کر کے ان کے لئے پریشانی کا موجب بنتے تھے اور اپنے ذہن و دماغ کے دروازوں کو مقفل کر کے کفر و شرک کی تاریک وادی میں رہنے پر مصر تھے ورنہ اگر مومنوں کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہونے کی بجائے عقل و خرد سے کام لیتے ہوئے دعوتِ اسلامیہ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے بچ جاتے پس قیامت کے دن گرفتارِ عذاب ہونے کے بعد ان کو کہا جائے گا کہ تمہیں آج یہ سوچ آرہی ہے کہ واپس پلٹ کر ہم اچھے کام کرتے حالانکہ دنیا میں مومنوں کے ساتھ مسخری کرنے میں وقت ضائع کرنے کی وجہ سے تم مجھے بھلا بیٹھے تھے آیت مجیدہ میں اِنْسَاء کا فاعل ضمیر کُمْ کو قرار دیا گیا ہے جو مومنوں کی طرف راجع ہے ۔ کیونکہ کفار کی یادِ خدا سے غفلت کا سبب مومن تھے یعنی کافر لوگ ان کی چھیڑ بازی کی بدولت دعوتِ توحید کو نظر انداز کر بیٹھے تھے ۔

فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

بس بخش ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو بہتر رحم کرنے والا ہے

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ

تو تم بناتے تھے ان کو جائے تمخول بازی یہاں تک کہ ان (کی چھیڑ بازی) نے بھلا دیا تم کو میرا

كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ

ذکر اور تم ان سے ہنستے تھے میں نے ان کو جزا دی ہے آج ہی

بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ

کے صبر کی بدولت کہ وہ کامیاب ہونے والے ہیں پوچھو کتنے رہے ہو

فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ

زمین میں سالوں کی تعداد ؟ کہیں گے ٹھہرے ہم ایک دن یا کچھ

بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

حصہ دن کا پس پوچھو گننے والوں (فرشتوں) سے کہے گا نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا عرصہ

لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ

کاش تم جانتے ہوتے کیا تم یہ سمجھے کہ ہم نے پیدا کیا ہے تم کو

لَبِثْنَا ۔ قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر انہیں دنیاوی گذشتہ زندگی ایک آدھ یوم معلوم ہوگی اور ممکن ہے ایام آخرت کے لحاظ سے وہ دنیاوی زندگی کو ایک آدھ یوم سمجھیں گے ۔

لَوْ اَنَّكُمْ ۔ یعنی اگر تم جانتے ہوتے کہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں اس قدر تھوڑی ہے تو تم اسلامی تعلیمات کو

ٹھکرانے کی جرأت نہ کرتے اور فنا کو بقا پر ترجیح نہ دیتے۔

عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ﴿۱۱۵﴾ فتعلی اللہ الملک

بے فائدہ اور تحقیق تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے پس بلند ہے اللہ جو سچا بادشاہ

الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم ﴿۱۱۶﴾ ومن

ہے نہیں کوئی معبود مگر وہی جو عرش کریم کا پروردگار ہے اور جو پکارے

یدع مع اللہ الٰہا اٰخر لا برھان لہ بہ فانما

اللہ کے ساتھ کسی اور الہ کو تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں پس اس کا حساب اس

حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکفرون ﴿۱۱۷﴾ و

کے رب کے پاس ہے تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے کافر لوگ اور

قل رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین ﴿۱۱۸﴾

کہہ اے رب بخش دے اور رحم کر اور تو بہتر رحم کرنے والا ہے

افحسبتم یعنی ہر عقلمند اور باہوش انسان نظام عالم میں تفکر و تدبر کرنے سے اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ اتنا لمبا چوڑا اور پُر از حکمت و مصلحت پختہ نظام کسی غرض و غایت کے بغیر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس نظام کا خالق مدبر اور حکیم ہے اور حکیم کا کام بے فائدہ نہیں ہوا کرتا لہذا ماننا پڑتا ہے کہ اس تخلیق کی کوئی غرض اہم ضرور ہے اور اگر غرض کا مرجع اللہ کی ذات ہو تو محال ہے۔ کیونکہ اللہ اغراض سے پاک ہے۔ اس لئے کہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے غرض کا اور اللہ محتاج نہیں۔ بنابریں ضروری ہے کہ غرض کا مرجع مخلوق ہو اور وہ ہے دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام اور رد کرنے والوں کے لئے عذاب و عقاب اور اس کا محل روز قیامت ہے۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ وہ فعل عبث کا فائدہ نہ فاعل کو پہنچے اور نہ کسی دوسرے کو عبث شمار ہوتا ہے اور خدا عبث سے پاک ہے تفسیر صافی میں بروایت علل امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم فنا کے لئے نہیں بلکہ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ اس کی جنت ختم ہونے والی ہے اور نہ اس کی آگ خاموش ہونے والی ہے۔ پس ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے۔

maablib.org

سُورَۂ نُور

یہ سورہ مدینہ ہے اس کی آیات کی تعداد چونسٹھ (۶۴) ہے۔

- تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی ذات کو اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو سُورَۂ نُور کی تلاوت سے پاک دامن بناؤ۔ کیونکہ جو شخص شب و روز اس کی تلاوت کرتا رہے تو وہ مرتے دم تک اپنے خاندان میں برائی نہ دیکھے گا اور مرنے کے بعد ستر ہزار فرشتے قبر تک اس کے جنازہ کے ساتھ جائیں گے اور قبر میں پہنچنے تک اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کریں گے۔
- تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ عورتوں کو بالاخانوں میں جگہ نہ دو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ۔ البتہ ان کو چرخا کاتنا سکھاؤ اور سورہ نور کی تعلیم دو۔
- جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔
- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنی چادر میں رکھے یا بستر میں رکھ کر سو جائے اس کو احتلام نہ ہوگا۔

maablib.org

نور کی حقیقت

چونکہ اس سورہ مجیدہ کا نام سورہ نور ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نور کے مفہوم کی وضاحت کریں۔ نور کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ هُوَ الظَّاهِرُ بِذَاتِهٖ الْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ۔ یعنی وہ جو خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا سبب اور موجب ہو۔ اگر نور کے تمام استعمالاتِ عرفیہ اور اطلاقاتِ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے تو انسان بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نور عدم کے مقابلہ میں وجود کا نام ہے اور شر کے مقابلہ میں خیر کا نام ہے اور نور صفات میں سے ہے ذوات میں سے نہیں۔ یعنی عرض ہے جوہر نہیں۔ البتہ ذات وجوہر پہ اس کا اطلاق از راہِ مجاز کثرت سے ہوا کرتا ہے۔ اور نور چونکہ صفتِ وجودی ہے اور خیر اس کی حقیقت میں داخل ہے۔ بنا بریں اس کا مقابلہ شر و عدم سے ہوگا۔ اور جن لوگوں نے نور کے مقابلہ میں بشر کو رکھا ہے وہ حقیقتِ نور کو سمجھنے سے قاصر ہیں پس یوں سمجھئے کہ اوصاف میں سے ہر روشن پہلو پر نور کا اطلاق صحیح ہے اور ہر تاریک پہلو پر ظلمت کا استعمال درست ہے۔ مثلاً نورِ وجود کے مقابلہ میں ظلمت عدم ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ خدا نے مخلوق کو ظلمتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود عطا فرمایا اسی طرح علم روشن پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت تاریک پہلو ہے۔ پس علم نور ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت ظلمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ علم پڑھنے پڑھانے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے خدا جس کے دل میں چاہے ڈال دے نیکی کے مقابلہ میں برائی ظلمت ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی ظلمت اور نتیجہ کے لحاظ سے جزا کے مقابلہ میں سزا ظلمت ہے۔ چنانچہ ارشادِ پروردگار ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ پ ۳ ع ۲۔ ترجمہ۔ (اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور شیاطین کافروں کے اولیا ہیں کہ ان کو نور سے نکال کر ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں) یعنی اللہ اپنے بندوں کو گمراہی اور برائی سے نکال کر دعوتِ حقہ کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کی طرف بلاتا ہے تاکہ جہنم کی سزا سے بچ کر جنت کی جزا پائیں اور اس کے برعکس کفار لوگ جو شیطانوں کے ہتھکنڈوں میں آگئے وہ ان کو خیر و رشد سے ہٹا کر شر و ضلالت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں پس جنت کی بہاروں سے محروم کر کے ان کو جہنم کے انگاروں کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اسی طرح ذرا وجود انسانی کا سرسری جائزہ لیجئے آنکھوں میں بینائی نور ہے اور اندھا پن ظلمت ہے۔ کانوں میں سماعت کی قوت نور ہے اور بہرہ پن ظلمت ہے اور زبان میں قوت گویائی نور ہے اور گونگا ہونا ظلمت ہے وعلی ہذا القیاس ہر عضو میں اس کی مناسب قوت جو اس کا روشن پہلو ہے نور ہے اور اس کا نہ ہونا ظلمت ہے پس نور ہر صفتِ کمال کا نام ہے جس کا عدم ظلمت ہے۔

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نور اگرچہ صفت ہے لیکن جب کسی موصوف میں بدرجۂ کمال موجود ہو تو از راہِ مجاز ذاتِ موصوف پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا ہے جس طرح کسی عادل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر عادل ہے گویا مجسمہ عدل ہے۔ اسی طرح شجاع کو مجسمہ شجاعت اور عالم کو مجسمہ علم اطلاق مجازی میں درست ہے۔ خداوند کریم جو جمیع صفاتِ کمال کا جامع اور واجب الوجود ہے۔ اس پر نور کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ جو نور محض ہے اور اس میں کوئی ظلماتی پہلو نہیں کیونکہ صفاتِ ثبوتیہ اس کی عین ذات ہیں اور صفاتِ سلبیہ سے وہ منزہ و مبرا ہے۔ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو نورِ وجود دے

منور کرنے والا ہے کہ ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعتِ وجود سے آراستہ کر کے ان کو بقعۂ نور بنایا۔

اس کی مخلوق میں سے فرشتے نور ہیں کہ صفاتِ خیر سے آراستہ اور صفاتِ شر سے یکسو و مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں انجیل کی آیات پر نور کا اطلاق موجود ہے۔ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ۔ پ۶ ع۱۱۔ یعنی ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسی طرح تورات کی آیات پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ پ۶ ع۱۱۔ یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اور قرآن مجید پر صرف نور نہیں بلکہ نور مبین کا اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ پ۶ ع۳۔ ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین بھیجا ہے (قرآن مجید) بعض روایات میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں جس طرح تفسیر کی جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۷۵ پر گذر چکا ہے۔ یعنی خدا کی جانب سے آنے والی کتابیں جن میں قرآن مجید سید الکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جو دعوتِ خیر و ہدایت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے نہ ہو۔ پس وہ نور کی طرف لے جانے والی بلکہ مجسمہ نور کتابیں ہیں۔ اسی طرح چاند چونکہ خود روشن اور اہل زمین کے لئے روشنی کا باعث ہے۔ اس پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ پ۱۱ ع۶۔ وہ ذات ہے جس نے سورج کو تابانی اور چاند کو روشنی عطا فرمائی۔ اسی بنا پر خدا کے وہ بندے جو صفاتِ بد سے مبرا و منزہ اور صفاتِ خیر سے آراستہ ہیں ان کو نور کہا جاتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصیاء طاہرین سب نور ہیں۔ اور حضور رسالت مآبؐ پر نور کا اطلاق قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ پ۶ ع۷۔ ترجمہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آچکے ہیں اس جگہ نور سے مراد حضرت رسالت مآبؐ ہیں جس طرح ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں صفحہ ۱۸۱ پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی نور کا اطلاق ذات باری پر موجود ہے۔ چنانچہ دعائے نور کے الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ نُوْرِ النُّوْرِ الخ اور حضرت رسالت مآبؐ اور اس کی آلِ اطہار کی ذواتِ مقدسہ پر نور کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ چنانچہ خلقتِ نوری کی ہدایت تفسیر کی جلد نمبر ۱ میں صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی سیر ملکوتی کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں صفحہ ۲۳۳ پر مندرج ہے۔ اسی طرح زیارت کے الفاظ ہیں۔ اَنَّكَ كُنْتَ نُوْرًا فِی الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ۔ الخ۔ معصوم کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ تو بلند پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں نور کی حیثیت سے موجود تھا۔ چنانچہ اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر کے عنوان (آبائے نبی کا اسلام) میں حدیث نور مذکور ہو گی صفحہ ۲۱۸ اس بارے میں زیادہ تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی پس جس طرح نور کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا باعث ہو۔ لہذا وہ ذواتِ طاہرہ جو اپنے مقام پر ہر جہت کثافت سے پاک اور ہر فضل و کمال کی صفت سے آراستہ ہوں وہ نور کے صحیح مصداق ہیں۔ اور تمام مخلوق میں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ نور کے اکمل و اشرف افراد ہیں۔ کیونکہ انہی کی بدولت تمام عالم بقعہ نور بنا۔ اور خدا اس لئے نور ہے کہ وہ تمام انوار کا خالق و موجد اور جامع جمیع صفاتِ کمال ہے۔ بایں طور کہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔

قرآن میں نور کا استعمال

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نور سے مختلف معانی مُراد لئے گئے ہیں لیکن نتیجہ اور مآل کے لحاظ سے سب کی بازگشت ایک معنی کی طرف ہے۔ یعنی نور سے مُراد صفاتِ کمالیہ ذاتیہ کا مثبت اور روشن پہلو اور اس کے مقابلہ میں ظلمت سے مُراد اس صفت کا منفی اور تاریک پہلو ہے (۱) ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ۔ پ ۱ ع ۲ ترجمہ۔ ختم کر دیا اللہ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ان کو تاریکی میں۔ نور سے مراد روشنی اور ظلمت سے مراد تاریکی ہے (۲) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ۔ پ ۳ ع ۲ ترجمہ۔ اللہ مومنوں کا ولی ہے۔ کہ ان کو (کفر و شرک وگمراہی کی) تاریکیوں سے نکال کر (اسلام وایمان وخیرات کی) روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیا شیاطین ہیں جو اُن کو (اسلام وایمان وخیرات کی) روشنی سے نکال کر (کفر و شرک وگمراہی کی) تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہاں نور سے مراد اسلام وایمان وجملہ اُمورِ خیر ہیں اور ظلمت سے مراد کفر و شرک والحاد وجملہ امورِ شر ہیں (۳) قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا۔ پ ۶ ع ۲ ترجمہ۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے اور ہم نے اُتارا تمہاری طرف نورِ مبین کو یہاں نور سے مراد ہدایت قرآنیہ ہے یا ولایت علیؑ ہے۔ اور اس کے برعکس ظلمت ہے۔ (۴) قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔ پ ۶ ع ۶ ترجمہ۔ تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ اس جگہ نور سے مراد نورِ نبوت ہے اور اس کا انکار ظلمت ہے (۵) وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ۔ پ ۹ ع ۹۔ اور اتباع کی اس نور کی جو اُتارا گیا ساتھ اس کے یہاں نور سے مُراد بروایت صافی وکافی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ تفسیر ہذا جلد نمبر ۶ صفحہ ۱ اور اس کے برعکس ظلمت اس کے انکار کا نام ہے (۶) مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ پ ۱۸ ع ۱۱۔ جس کے لئے اللہ نور کا سامان پیدا نہ کرے تو اس کو نور نہیں ملتا۔ یہاں نور سے مراد ہدایت ہے اور اس کے برعکس ظلمت گُمراہی کا نام ہے (۷) أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِنْ رَبِّهِ۔ ترجمہ۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے خدا کھول دے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر گامزن ہوتا ہے یہاں نور سے مراد نورِ ہدایت اور صراطِ مستقیم ہے اور اس کے برعکس گمراہی اور کج روی کا نام ظلمت ہے (۸) يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ (پ ۲۷ ع ۱۸) ترجمہ۔ جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہ ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں۔ یہاں نور سے مُراد اُن کے ایمان واعمالِ صالحہ کی جزا (نعماتِ جنّت) ہے۔ اور اس کے برعکس وہ خود جس ظلمت میں ہوں گے وہ کفر اور اعمالِ بد کی سزا جہنّم ہے (۹) لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ۔ پ ۲۷ ع ۱۸ ترجمہ۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے ان کا اجر اور نور ہوگا۔ نور کا عطف اجر پر عطف تفسیری ہے پس نور سے مراد جزائے خیر اور ثواب جنّت ہے اور اس کے برعکس کافروں اور منکروں کی سزا اور عذاب کا نام ظلمت ہے (۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ پ ۲۷ ع ۲۰ ۔ اے

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے ہیں ثابت قدم رہو خدا تمہیں دو کفل اپنی رحمت سے دے گا۔ اور تمہارے لئے ایک ایسا نور پیدا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے۔ یہاں نور سے مراد وقار رعب اور ہیبت ہے اور اس کے برعکس ذلت و خواری ظلمت ہے۔ قرآن مجید کے دس مذکورہ استعمالات کا تجزیہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نور صفت خیر کے مثبت پہلو اور اس کے روشن انجام پر بولا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کا منفی پہلو اور تاریک انجام ظلمت کہلاتا ہے اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی نور کا استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

نور ہدیٰ اور رحمت

قرآن مجید میں جن معانی پر نور کا اطلاق ہوا ہے انہی معانی پر ہدیٰ اور رحمت کی لفظیں بھی استعمال کی گئی ہیں (۱) انجیل کی آیات کو جہاں نور کہا گیا وہاں ہدیٰ بھی کہا گیا۔ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ۔ پ۶ ع۱۱۔ یعنی ہم نے اس کو انجیل دی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا (۲) اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ۔ پ۶ ع۱۱۔ یعنی ہم نے نازل کیا توراۃ کو کہ اس میں ہدایت اور نور تھا (۳) قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی۔ پ۷ ع۱۶۔ کہدو کس نے نازل کی ہے وہ کتاب جو موسیٰ لایا کہ وہ نور اور ہدایت تھی (۴) لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّرَحْمَةً۔ پ۸ ع۱۳۔ اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے (۵) جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ۔ پ۸ ع۶۔ تحقیق آیا تمہارے پاس بیّنہ اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت (نبوت اور دعوت اسلام) (۶) هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ پ۱ ع۱ (قرآن ہدایت ہے متقیوں کے لئے (۷) نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً پ۱۴ ع۱۴۔ ہم نے اتاری تیرے اوپر کتاب جو واضح بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت و رحمت ہے (۸) یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔ پ۲۷ ع۲۶ یعنی اللہ تمہیں دو کفل رحمت کے دے گا۔ تو جہاں مومنوں کے اجر پر نور کا اطلاق ہوا وہاں رحمت بھی اس کو کہا گیا ہے۔ پس ان تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ نور رحمت اور ہدایت ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور جہاں نور کے اطلاق ہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تمام نوری افراد کے سید و سردار ہیں وہاں رحمت کے تمام مصداق بھی آپ کے دست کرم کے ممنون احسان ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کی رحمت بنا کر اور حضرت علی علیہ السلام جس طرح حضورؐ کے صحیح جانشین ہونے کی حیثیت سے عالمین پر رحمت ہیں اسی طرح ہدایت ہیں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے مصداق بھی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ نور ایک مثبت حقیقت ہے جو خیر و رشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ بنا بریں نور کو بشر کے مقابلہ میں لانا اور ان کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینا محض جہالت اور نافہمی ہے اور جو لوگ یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ انبیاء و آئمہ نور تھے یا بشر؟ اسی لقمۂ جہالت کو بار بار چباتے ہیں۔

اوّل مخلوق

خداوند کریم خیر محض ہے اور اَلْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ مِنْہُ اِلَّا الْخَیْرُ۔ یعنی خیر سے صرف خیر ہی صادر ہو سکتی ہے۔ بنا بریں اوّل مخلوق کو خالص خیر اور محض نور ہونا چاہیے جس میں شر کا کوئی شائبہ اور ظلمت کا کوئی پہلو نہ ہو۔ اور احادیث میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ یعنی سب سے پہلی چیز جو اللہ نے خلق فرمائی وہ میرا نور تھا۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ خلقت نوری کی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونو کو ملا کر مجھے اور علی و فاطمہ و حسن و حسین کو پیدا کیا پھر میرے نور سے عرش کے نور کو علی کے نور سے ملائکہ کے نور کو فاطمہ کے نور سے زمین و آسمان کو حسن کے نور سے شمس و قمر کو اور حسین کے نور سے جنّت و حور العین کو پیدا کیا۔ مفصل حدیث تفسیر کی جلد ۴ میں ص۲۰ پر مرقوم ہے۔ نیز اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر میں بھی اسی قسم کی روایت انشاء اللہ آ جائے گی۔ ص۲۱

پس خداوند کریم نور کل اور خیر محض ہے بایں معنی کہ وہ خود ظاہر و باہر اور روشن و جلی ہے اور باقی ہر شئے کو ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر وجود کے بقعۂ نور میں داخل کرنے والا ہے اس کا اپنا ظہور کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ ارباب بصیرت کے نزدیک اس کی مخلوق کا ہر فرد اپنی زبان عجز سے اس کے وجود کا بولتا ہوا ناقوس ہے۔ اسی لئے عرفا نے اس کے وجود کے اثبات کو دلیل و برہان سے بھی جلی تر قرار دیا ہے کیونکہ باقی ہر شے اپنے وضوح و جلا میں اس کی رہین منّت ہے۔

اور تمام مخلوق میں سے حضرت محمد مصطفےٰؐ نور کل اور خیر محض ہیں بایں طور کہ وہ اوّل مخلوق ہیں اور باقی تمام مخلوق کا کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونا انہی کے طفیل سے ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ ممکن میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں ان میں سب موجود ہیں اور ممکن میں جو نقائص ہو سکتے ہیں۔ آپ سب سے منزّہ و مبرّا ہیں۔ پس تمام ممکنات کے لئے ہدایت کل رحمتِ مجسّمہ روح حیات اور عقل کل آپ کی ذات بابرکات ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اوّل مخلوق کی مختلف تعبیریں اس کی شاہد ہیں۔ اوّل مخلوق کے متعلق وارد شدہ احادیث میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

کافی۔ باسنادہٖ عن ابی جعفر علیہ السّلام قال لما خلق اللہ تعالیٰ العقل استنطقہ ثم قال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فادبر ثم قال وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا ھو احب الی منک ولا اکملتک الا فیمن احب اما انی ایاک امر و ایاک انھی و ایاک اعاقب و ایاک اثیب۔

ھذا الحدیث مما دونہ العامۃ

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے جب عقل کو پیدا کیا اور اس کو گویا کیا تو پھر فرمایا آ۔ پس وہ آیا پھر فرمایا جا پس وہ گیا پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اور میں نے تجھ کو نہیں کامل کیا مگر اپنے محبوب بندوں میں۔ میں تجھ کو ہی امر و نہی کروں گا۔ اور تجھے ہی (غلطی پر) سزا اور (نیکی پر) جزا دوں گا۔

(صاحب وافی فرماتے ہیں) اس حدیث کو سُنّی و شیعہ علما نے

والخاصة باسانید مختلفة والفاظ متغایرة۔

اسانید مختلفہ اور الفاظ متغائرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

والعقل جوهر ملكوتی نورانی خلقه الله سبحانه من نور عظمته وبه اقام السموات والارضين وما فيهن وما بينهن من الخيرات ولاجله البس الجميع حلة نور الوجود وبوساطته فتح ابواب الكرم والجود ولولاه لكن جميعًا فی ظلمة العدم ولاغلقت دوننا ابواب النعم۔

اور عقل ایک جوہر ملکوتی و نورانی ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور اسی کے ساتھ زمین و آسمان کو اور ان کے اندر ہونے والی تمام چیزوں کو قائم کیا اور اسی کی بدولت تمام مخلوق کو نورِ وجود کی خلعت بخشی اور اسی کی وساطت سے اپنے کرم وجود کے دروازے کھولے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو سب مخلوق ظلمت کدۂ عدم میں ہوتی اور نعمات کے تمام دروازے بند ہوتے۔

وهو اوّل خلق من الروحانيين عن يمين العرش وهو بعينه نور نبيّنا، وروحه الّذی تشعب منه انوار اوصيائه المعصومين وارواح الانبياء والمرسلين سلام الله عليهم اجمعين ثمّ خلقت من شعاعها ارواح شيعتهم من الاوّلين والاخرين

اور روحانیین میں سے وہ پہلی مخلوق ہے جو عرش کے دائیں طرف ہے۔ اور وہی بعینہٖ ہمارے نبی کا نور اور روح ہے۔ جس سے اس کے اوصیائے معصومین علیہم السّلام کے ارواح الگ ہوئے۔ اور اس سے انبیاء و مرسلین کے ارواح پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شعاعوں سے اوّلین و آخرین سے ہونے والے ان کے شیعوں کے ارواح پیدا ہوئے۔

قال نبيّنا اوّل ما خلق الله نوری وفی رواية اخری روحی وفی حديث القدسی لولاك لما خلقت الافلاك وفی هذا المعنی وردت روايات كثيرة وفی حديث المفضل عن الصّادق عليه السلام انا خلقنا نوراً او خلقت شيعتنا من شعاع ذلك النّور فلذالك سميت شيعة (وافی)

حضورؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا۔ دوسری روایت میں ہے میرا روح تھا۔ اور حدیث قدسی میں ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمان کو پیدا نہ کرتا اور اسی مطلب کی حدیثیں کثرت سے منقول ہیں اور بروایت مفضل امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ہم انوار پیدا ہوئے اور ہمارے شیعہ اس نور کی شعاع سے پیدا ہوئے اور اسی لئے ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

پس ایک حدیث میں اوّل مخلوق عقل ہے۔ دوسری میں اوّل مخلوق نور محمدی ہے۔ اور تیسری میں روح محمدی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب ایک ہی مطلب کی الگ الگ تعبیریں ہیں۔ یعنی عقل نور اور روح سب سے مراد نور رسالت مآبؐ ہے۔

اقبال وادبار کا معنی

بنا بریں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل کو پیدا کرنے اور قوت گویائی دینے کے بعد کہنا اُقْبِلْ یعنی آ۔ اور پھر فرمانا اَدْبِرْ یعنی جا۔ اس کا کیا مقصد ہے حالانکہ خدا ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے۔

تو اس کے حل میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی صاحب وافی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت یہ کہ عقل سے مراد اگر روحِ محمدی ہو تو عالمِ ظہور میں قدم رکھنے کے بعد اقبال یعنی آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کسب کمالات اور ترقی درجات کی طرف پیش قدمی کی دعوت دی گئی جس پر آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے عمل کیا اور ادبار یعنی جانے کا حکم دینے سے مُراد یہ ہے کہ کمال ذاتی کے بعد ان کو ہدایت خلق اور دعوتِ حق کے لئے مامور کیا گیا۔ جس کو آپ نے بطریق احسن نبھایا۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ عقل سے مراد اوّل مخلوق ہو (عالمِ ظہور سے پہلے) تو اقبال کا معنی ہے عالمین کی رحمت بن کر دنیا کی طرف جانا اور زمین پر پہنچنا تاکہ حسب استعداد مخلوق ان سے فیض یاب ہو کر حیوانی پستی سے نکل کر اوجِ انسانی تک پہنچے۔ اور ادبار سے مُراد ہے اپنا فریضۂ نبوت اور عہدہ رسالت ادا کرنے کے بعد دعوتِ حق سبحانہ پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ قدس میں واپس پہنچنا۔ پس حضور نے اقبال اور ادبار کی دونوں منزلیں کماحقہ نبھائیں اور ان کے نور سے پیدا ہونے والے تمام انوار طاہرہؑ اور ارواح طیبہؑ نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض کو کماحقہ ادا فرمایا۔ پس اقبال کا معنی ہے۔ عالمِ جسمانی کی طرف آنا اور ادبار کا معنی ہے ادائیگی فرض کے بعد عالمِ قدس کی طرف رجوع کرنا۔

اس کے بعد مثال سے مطلب کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ غیب میں نورِ عقل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو عالمِ ظاہری میں نورِ شمس کو حاصل ہے۔ پس جس طرح آنکھ نورِ شمس کی بدولت چیزوں کو دیکھتی ہے اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو آنکھ کچھ نہ دیکھتی۔ اسی طرح بصیرت کی آنکھ نورِ عقل کی بدولت معقولات کو دیکھتی ہے۔ اگر نورِ عقل نہ ہوتا تو چشمِ بصیرت کچھ نہ دیکھ سکتی۔ نیز اگر کسی کی آنکھ نہ ہو تو نورِ شمس اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جس کے پاس چشمِ بصیرت نہ ہو۔ نورِ عقل اس کو فائدہ نہیں بخشتا۔

علاوہ ازیں علمائے اعلام نے اقبال و ادبار کی اور تاویلیں بھی کی ہیں۔

(۱) اقبال کا معنی اُمورِ خیر کی طرف رغبت جو عقل نے فوراً قبول کی اور ادبار کا معنی اُمورِ بد سے دوری جس کو عقل نے بلا پس و پیش مان لیا۔

(۲) اقبال کا معنی منفعت خوشی تندرستی اور خوشحالی میں شکرِ پروردگار کی بجا آوری اور ادبار کا معنی نقصان غمی بیماری اور بدحالی کی آمد پر دامن صبر کو تھام کر رضائے خالق پر راضی رہنا۔ پس عقل نے اس کو بھی قبول کر لیا۔

(۳) اقبال کا معنی اطاعتِ حکم پروردگار جب کہ اس اطاعت میں ظاہری طور پر منفعت بھی ہو۔ اور ادبار کا معنی اطاعتِ پروردگار جب کہ ظاہری طور پر کوئی منفعت و مصلحت کارفرما نظر نہ آتی ہو یا بجائے منفعت کے اس کو نقصان اٹھانا پڑتا ہو۔ پس اقبال و ادبار کا معنی ہے دونوں صورتوں میں رضائے خالق کو مدِ نظر رکھنا۔

عقل کی عظمت:۔ حدیث کے آخر میں سزا و جزا کا تعلق عقل کے ساتھ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ عقل سے اگر عقل کل جو خلق

اوّلؔ سے مراد ہو تو معنی یہ ہے کہ تیری وجہ سے سزا و جزا ہوگی جو تیرے اطاعت گذار ہوں گے جزا کے حق دار ہوں گے اور جو نافرمان ہوں گے وہ سزا کے سزاوار ہوں گے اور عقل سے مراد عام انسانی عقول ہوں جو عقل اوّل یعنی نور محمدی کی شعاع سے پیدا ہوئے تو مراد یہ ہے کہ اگر یہ عقول اپنے صحیح مقتضا پر قائم رہتے ہوئے وہم و خیال و خواہشات و جذبات کی اتباع سے بلند ہو کر فرمان خداوندی کو قبول کریں گے تو جزائے خیر کے مستحق ہوں گے لیکن اگر اپنے مقتضا سے ہٹ کر وہم و خیال و خواہشات و جذبات کے جالوں میں پھنس کر فرمانِ خداوندی کو نظر انداز کر دیں گے تو سزا کے حق دار ہوں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود عقل بذاتہٖ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے متنفر ہے۔ اسی لئے اس کو رسولِ باطنی کہا گیا ہے۔ خداوندِ کریم نے خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کرنے کا ذریعہ عقل کو قرار دیا ہے۔ اگر یہ خود صالح نہ ہوتا تو اس کو معیار امتیاز کیوں قرار دیا جاتا کائنات کے اُمور میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت صاحبانِ عقول کو دی گئی ہے۔ اگر عقل کی ذات میں غلط کاری اور کج روی ہوتی تو اس کو دعوتِ فکر دینے کا مقصد ختم ہو جاتا۔ بے شک ذاتِ عقل جملہ بُرائیوں سے پاک اور معصوم ہے۔ اِسی لئے رسولِ باطنی کے لقب کی اہل ہے۔ البتہ بعض اوقات جذبات و خواہشات کا قیدی ہو کر غلط کاری کی طرف اقدام کرتا ہے لیکن تاہم اپنے مقام پر وہ غلطی کو غلطی سمجھتا ہے۔ اور اندر ہی اندر غلطی کرنے والے کو اس کے غلط کردار پر ملامت بھی کرتا رہتا ہے۔ خواہ خواہشات و جذبات کا اُلّو مانے یا نہ مانے یہ الگ بات ہے۔ عقل قیدی ہو کر بھی اپنے فریضہ سے کوتاہی نہیں کرتا۔ پس کسی انسان میں نیکی کا وجود اس کی عقل کی سرشت کے ماتحت ہوتا ہے۔ جو اس کا نورانی پہلو ہے اور برائی کا وجُود عقلی دعوت کو پسِ پشت ڈال کر نفسانی و جذباتی خواہشات کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ جو اس کا ظلمانی پہلو ہے۔ اور بالعموم انسانوں میں جو اربابِ عقل و دانش ہیں نورانی پہلو بھی موجود ہوتا ہے جو نیکیوں کی شکل میں اس کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے اور ظلماتی پہلو بھی ہوتا ہے۔ جو برائیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ لیکن بعضوں میں دونو پہلو یکساں ہوتے ہیں اور بعضوں میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے اور تاریک پہلو مغلوب ہوتا ہے لہذا اسے نیک کہا جاتا ہے اور بعضوں میں تاریک پہلو غالب اور روشن پہلو مغلوب ہوتا ہے پس اُسے بد کہا جاتا ہے۔ اور جن میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نیکی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گناہ کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے غلطی ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں پس ان کا تاریک پہلو مضمحل اور نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں جن کا تاریک پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کے گناہانِ کبیرہ ان کی سرشت بن جاتے ہیں۔ پس ان کی جزوی نیکیاں برائیوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ لہذا وہ فاسق و فاجر بلکہ کافر و ملحد کہلاتے ہیں۔ اور معصوم وہ ہے جو کبھی مقتضائے عقل سے ہٹ کر جذبات و خواہشات کا قیدی نہ ہو سکے اور جس میں تاریک پہلو برائے نام بھی نہ ہو۔ پس وہ عقل کل بھی ہوتا ہے۔ اور نور مجسم بھی۔ بنا بریں ہر نبی اپنی اپنی اُمت کے لئے عقل کل اور نور مجسم تھا لیکن حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کل کائنات کے لئے حتی کہ انبیاء و مرسلینؑ ملائکہ مقربینؑ اور اوصیائے طاہرینؑ سب کے لئے آپ کی ذات نور کل ہدایت کلیہ اور رحمت مجسمہ تھی۔ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السّلام سے لے کر حضرت مہدی علیہ السّلام تک آئمہ معصومین علیہم السّلام تمام کائنات کے لئے عقل کل، اور

نورِ مجسم ہیں۔ پس تمام گذشتہ انبیاء کے مقابلہ میں ان کی ہدایت ہدایت کاملہ اور ان کی عصمت عصمتِ کبریٰ ہے۔ اُن سے ترکِ اولےٰ ہو سکتا تھا لیکن اِن سے ترکِ اولیٰ بھی نہیں ہو سکتا۔

ملا معین کاشفی نے معارج النبوۃ کے رکن اوّل میں خلقتِ نورِ محمدی کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد اول مخلوق کے متعلق وارد شدہ چار احادیث نقل کیں (۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (۲) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الرُّوْحَ (۳) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ (۴) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ۔ پہلی حدیث میں اوّل مخلوق نورِ محمدی بیان ہوا ہے دوسری میں روح تیسری میں عقل اور چوتھی حدیث میں اوّل مخلوق قلم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملا کاشفی نے احادیث مذکورہ کی توفیق و تطبیق کے لئے چار تاویلیں ذکر کی ہیں۔ (۱) پہلی حدیث میں اوّلیت سے مراد اولیتِ حقیقیہ ہے اور باقی تینوں حدیثوں میں اوّلیت اضافیہ مراد ہے یعنی روحانیین میں سب سے پہلی مخلوق رُوحِ محمدی ہے۔ مجردات میں سے پہلی مخلوق عقل ہے اور اجسام میں سے پہلی مخلوق قلم ہے۔ (۲) نورِ محمدی کی اولیت مبنی بر حقیقت ہے کہ اس کی تخلیق تمام اشیاء سے پہلے ہے اور تمام عقول میں سے پہلی مخلوق وہ عقل ہے جو اقبال و ادبار سے خطاب کیا گیا اور اطاعت کے تقاضوں پر پورا اترا اور تمام قلموں سے پہلی مخلوق وہ قلم ہے جس کے ذریعے سے تمام اشیاء کی تقدیریں لوحِ محفوظ پر نقش کی گئیں۔ (اور روح کا ذکر اس تاویل میں نہیں کیا گیا۔ شاید نورِ محمدی اور روحِ محمدی دونو کو ایک قرار دیا گیا ہے) (۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ احادیث مذکورہ میں اگرچہ تعبیریں چار ہیں لیکن درحقیقت سب سے مراد ایک ذات ہے جس کا حیثیات کے اختلاف سے نام الگ الگ رکھ دیا گیا ہے یعنی ایک ہی حقیقت مقدسہ جو وجود واجب ازلی و ابدی کے نوری پرتو سے متاثر ہو کر باقی تمام ہونے والی مخلوق میں ظاہر لذاتہ اور مظہر لغیرہ ہے اور کائنات میں ہونے والے جملہ کمالات و فیوض کا منبع و سرچشمہ ہے پس اس کو نورِ محمدی سے تعبیر کیا گیا کہ باقی تمام موجوداتِ عالم کا تخلیقی کارنامہ ان کے وجود کی بدولت ہے اور اس حیثیت سے ان کا وجود عالمین کے لئے سراپا رحمت ہے اور انہوں نے خداداد علم و استعداد کی بنا پر حقیقتِ مبدأ و معاد کو خود ادراک کیا جتنے کہ ان کے نوری اجسام کی نوری زبانوں سے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تمجید پروردگار کے نوری اذکار نوری ملائکہ کے لئے مشعل راہ بنے۔ پس وہ عالمین کے عقول میں عقلِ کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہی پہلی مخلوق ہیں جن کو حدیث میں عقل سے تعبیر کیا گیا ہے نیز روح چونکہ بدن کے لئے باعثِ زندگی ہے اور نورِ محمدی عالمین کے جسم کل کے لئے باعث زندگی ہے۔ اس لئے اس کی تعبیر روح سے کی گئی اور صفحہ عالم پر تخلیقِ کائنات کی مفصل تحریر اسی نورِ کامل کے وجود کی بدولت ہوئی لہذا اس کو قلم سے تعبیر کیا گیا۔ (۴) اس کی چوتھی تاویل یہ ہے کہ درحقیقت مخلوق اوّل نورِ محمدی ہے۔ پس تمام انوار کو خدا نے ان کے نوری پرتو سے پیدا کیا۔ اور تمام ارواح اور روح دار مخلوق کو ان کے روحِ مقدس کی وساطت سے خلق فرمایا اور تمام عقول کو ان کے عقلِ کل کی بدولت منصۂ شہود پر جگہ دی اور یہی وہ قلم ہے جس کو یدِ قدرت نے اپنے تخلیقی کارنامہ کی مفصل تحریر کے لئے واسطہ بنایا اور ن وَالْقَلَمِ میں اسی ذات کی قسم کھائی گئی۔

نور و بشر عوام میں نور و بشر کا مسئلہ معرکۃ الآراء حیثیت کا حامل ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ نور و بشر کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ اور جو صاحبان منبر نور و بشر میں تقابل بیان کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کو بے نقاب کرتے ہیں قرآن مجید میں جہاں حضور

کو نور رحمت اور ہُدیٰ کہا گیا ہے وہاں ان کو بشر بھی کہا گیا ہے۔ اگر بشر ہونا یا ان کو بشر کہنا ان کی توہین ہوتا۔ تو خداوند کریم قرآن مجید میں ان کو بشر نہ کہتا۔ بلکہ ان کی زبانی کہلوایا کہ تم کہو۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی میں تم جیسا انسان ہوں گویا بشریت اور نبوت میں کوئی منافات نہیں اور کفار کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ بشریت اور نبوّت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھتے رہے ہیں۔ پس ہر نبی کی دعوت کو ردّ کرنے کا ان کے پاس یہی ایک بہانہ تھا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو۔ لہٰذا نبی کیسے بن سکتے ہو۔ اگر وہ نبوّت و بشریت میں منافات نہ سمجھتے تو نبوّت کا انکار نہ کرتے اور ہر آنے والے نبی نے اُمّت کے اس بہانہ کا کبھی یہ جواب نہیں دیا کہ تم کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تم جیسا بشر نہیں ہوں بلکہ صاف کہتے تھے کہ واقعی میں تمہاری طرح کا بشر تو ہوں لیکن مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے معجزہ عطا فرمایا ہے اور احکامِ شریعت کی تبلیغ پر مامور فرمایا ہے۔ وغیرہ۔ یعنی نبی یہ باور کراتے رہے کہ تم بشریت اور نبوت میں منافات نہ سمجھو کیونکہ ہم بشر بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی جلد نمبر ۱ میں ص۲۰۹ پر واضح کیا ہے۔ قرآن مجید میں بشر کے اطلاق کے متعدد مقامات دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ بشریت کو نورِ نبوّت سے کوئی منافات نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۹ کا ترجمہ ملاحظہ ہو (کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو (آیت نمبر ۱۰ کا ترجمہ) تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تمہارے گناہ اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقرر تک قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا تو کوئی معجزہ لے کر آؤ (آیت نمبر ۱۱) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ الخ (پ۱۳ ۔ ع۱۴) ان کو رسولوں نے کہا کہ واقعی ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے۔ الخ۔

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ گذشتہ قومیں نبیوں کی دعوت کو اسی بہانہ سے رد کرتی تھیں کہ تم ہم جیسے بشر ہو۔ لہٰذا تم عہدۂ جلیلہ نبوّت پر فائز ہونے کا غلط دعویٰ کرتے ہو۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں اس زمانہ کے متقدمین نے اپنی چوہدراہٹ کے باقی رکھنے کے لئے یہ بات پختہ کر رکھی تھی کہ جو نبی ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا پس وہ اس بات پر ڈٹ گئے پھر اپنے انکار کو مزید تقویت دینے کے لئے کہتے تھے کہ اپنی صداقت کے لئے کوئی معجزہ لے آؤ۔ اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ وہ لوگ معجزہ حق جوئی کے لئے نہیں طلب کرتے تھے ورنہ معجزہ کے بعد وہ ایمان ضرور لاتے بلکہ وہ معجزہ محض ازراہِ تمسخر و انکار طلب کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر تھی کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نبی نے باذنِ خدا معجزہ دکھایا بھی تو فوراً ان کے ذہن تصدیق کی بجائے الٹی راہ چل کر اسے جادو کہنے پر تل گئے اور نبی کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ورنہ اگر بشریت و

نبوت کے درمیان منافات ان کے ذہن نشین نہ کرائی گئی ہوتی تو معجزہ دیکھتے ہی ان کے دل شمع ایمان سے منور ہو جاتے اور کلمہ توحید و نبوت کو زبان پر جاری کر کے حضیض جہالت سے نکل کر اوج ایمانی پر جا پہنچتے۔ چنانچہ قرآنی حکایت کے ماتحت ہر زمانہ کے نبی نے اپنی امت کا اعتراض سُن کر کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن ہم پر اللہ نے احسان کیا ہے کہ اس نے ہم کو عہدۂ نبوت عطا فرما کر تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ ان کی معجزہ طلبی ازراہ تمسخر و عناد تھی۔ لہٰذا نبی یہ جواب دیتے تھے کہ معجزہ دکھانا ہمارے بس میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ہم دکھا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق صاف ارشاد ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ الخ پ ۱۴ ع ۳۔ یعنی میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ آواز کرنے والی مٹی سے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام نبیوں کا باپ اور خود بھی نبی ہے لیکن مٹی سے پیدا ہونے والا بشر ہے اور اس کا انکار قرآنی ارشاد کا انکار ہے۔

اور اسی جلد میں پ ۱۹ رکوع نمبر ۳ میں آئے گا۔ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔ وہ وہ ذات ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اس کو نسب اور صہر بنایا۔ تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ بشر سے مراد رسالت مآبؐ اور نسب سے مراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہے۔

ایک مقام پر بالعموم نبوت کے دستور کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔ الخ۔ پ ۳ ع ۱۶۔ ترجمہ کسی بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب علم اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا پھرے بجز خدا کے۔ الخ۔ مقصد یہ ہے کہ جس بشر کو نبوت دی جاتی ہے وہ غلط تبلیغ نہیں کرتا اور نہ وہ اپنی عبادت کی ترویج کرتا ہے بلکہ وہ توحید کی دعوت کا علمبردار ہوتا ہے اور اسی پر کاربند رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر تمام نبیوں کی پوزیشن کو اس طرح واضح فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ پ ۱۳۔ ع ۱۳۔ پ ۱۴ ع ۱۔ حضورؐ کو خطاب ہے کہ تم سے پہلے میں نے جس قدر رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے ایک مقام پر انکار کرنے والے لوگوں کے بہانۂ بشریت کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ پ ۱۵ ع ۱۔ ترجمہ:۔ نہیں روکتی لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس رسول آئے (ہدیٰ کا اطلاق رسول پر ہو سکتا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں) مگر یہ بات کہ ازراہ تعجب کہتے ہیں کیا بشر کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی وہ بشریت اور رسالت میں منافات سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کا نظریہ سراسر غلط ہے۔

ایک اور مقام پر حضورؐ کی تسلی کے لئے ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ پ ۱۷۔ ع ۱۳۔ ترجمہ۔ ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے؟ پس جلائے ایمانی کے لئے اسی قدر کافی ہے ورنہ بشریت رسول پر مشتمل آیات کی تعداد

قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے۔ اب ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی انسان بشریت اور نبوت میں منافات سمجھتا ہے تو ایسے منکرِ قرآن کا سمجھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔

پس وہ بشر جس میں نورِ بصیرت موجود ہو اور اس کے سر میں نورِ عقل کی قندیل روشن ہو وہ نورِ ایمان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ورنہ ظلمتِ کفر کے گرداب سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اور بشرِ نورانی وہ ہے جس کے دل میں نورِ ایمان کی شمع روشن ہو۔ ورنہ وہ بشر ظلمانی ہو گا انبیاء علیہم السّلام بشر ہونے کے باوجود ان میں نورِ عقل کی قندیل نہیں بلکہ اُمّت کے مقابلہ میں وہ عقل کل تھے۔ لہٰذا ایمانِ کل تھے۔ اور نور مجسم تھے۔ اور حضرت محمد مصطفٰےؐ صرف بشر نہیں بلکہ سیّد البشر ہیں۔ اور کل کائنات کے مقابلہ میں عقل کل ایمان کل اور نور مجسّم ہیں اور حضرت علی علیہ السّلام سے حضرت مہدی علیہ السّلام تک تمام آئمہ طاہرینؑ یکے بعد دیگرے جناب رسالتمآبؐ کے بعد تمام کائنات کے لئے عقل کل ایمان کل اور نور مجسم ہیں۔

وافی میں ہے کہ محاسن برقی میں خلقتِ عقل والی حدیث کے آخر میں ایک جملہ کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ عقل کی ۹۹ جزئیں حضرت محمد مصطفٰےؐ کو عطا ہوئیں اور باقی ایک جز تمام بندوں میں تقسیم ہوئی اور اس کی ضد شر ہے۔ صاحب وافی فرماتے ہیں کہ تقسیم ہونے والی جزء شعاعی جز ہے جس کے الگ ہونے سے عقل کل میں سے کوئی شی کم نہیں ہوتی۔

نور و عصمت میں تلازم

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ نور کے معنی میں خیر اور بھلائی داخل ہے اور عقل اس کی دوسری تعبیر ہے۔ پس ہر خیر و بھلائی کا پہلو نور و عقل ہو گا۔ اور اس کے برعکس ہر شر و بُرائی کا پہلو ظلمت و جہالت ہو گا۔ پس جس میں خیر و بھلائی غالب ہو گی اس کا نورانی و عقلی پہلو غالب ہو گا۔ اور جس میں شر و برائی غالب ہو گی اس کا ظلمانی و جہالت کا پہلو غالب ہو گا۔ پس جس میں خیر اور بھلائی ہی ہو۔ اور شر و برائی بالکل نہ ہو، تو وہ نور مجسم و عقلِ کامل اور ایمان کل ہو گا۔ اس کا مقابل جہالت مجسّمہ ظلمت تامہ اور کفر کل ہو گا۔ اور اسی نکتہ کے پیشِ نظر حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کے متعلّق بروز خندق ارشاد فرمایا تھا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّهٖ۔ یعنی آپ نے علیؑ کو مجسّم ایمان اور اس کے مقابل کو کفر مجسّم قرار دیا۔ کیونکہ وجودِ علیؑ میں تاریک پہلو کوئی نہیں تھا۔ اور اس کے مقابل میں روشن پہلو کوئی نہیں تھا۔ پس یہ نورِ محض تھا۔ اور وہ ظلمتِ تامہ کا مرقعہ تھا۔ اور چونکہ عقل و نور ایک ہی حقیقت کی تعبیریں ہیں۔ تو احادیث کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

چنانچہ وافی میں بروایتِ خصالِ صدوق حضرتِ امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خدا نے عقل کو ایک نور سے پیدا کیا جو اس کے علم سابق میں مکنون و مخزون تھا۔ جس کا علم نہ کسی نبی مرسل کو تھا اور نہ ملک مقرب کو۔ پس علم کو اس کا نفس فہم کو اس کی روح۔ زہد کو اس کا سر۔ حیا کو اس کی آنکھیں، حکمت کو اس کی زبان۔ نرمی کو اس کی حکمت اور رحمت کو اس کا دل قرار دیا۔ اس کے بعد دس چیزوں کو عقل کی غذا و تقویت کا باعث قرار دیا۔ یقین۔ ایمان۔ صدق۔ سکینہ۔ اخلاص۔ رفق۔ عطیہ۔ خشوع۔ ذکر اور شکر۔ الخ۔ حدیث میں عقل کی اس تصویر کشی

سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف عقل کے نشان ہیں اور ان کا نہ ہونا جہالت کا غازہ ہے۔ گویا یہ اوصاف نور کی شعاعیں ہیں۔ اور ان کا عدم ظلمت کی گھٹائیں ہیں۔

اصول کافی میں بروایت سماعہ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْعَقْلَ وَھُوَ اَوَّلُ خَلْقٍ مِّنَ الرُّوْحَانِیِّیْنَ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ مِنْ نُوْرِہٖ ترجمہ: تحقیق اللہ تعالےٰ نے عقل کو خلق فرمایا۔ اور یہ عرش کے دائیں طرف روحانیین ہیں سے اس کی پہلی مخلوق ہے جس کو اس نے اپنے نور خاص سے پیدا کیا۔ پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے عقل کے معاون پچھتر بیان فرمائے اور ان کی ضدوں کو جہل کا معاون قرار دیا۔

(۱) خیر وزیر عقل اس کی ضد شر وزیر جہل (۲) ایمان اور اس کی ضد کفر (۳) تصدیق اور اس کی ضد انکار (۴) رحمت خدا کا امیدوار ہونا اور اس کی ضد مایوس ہونا (۵) عدل اور اس کی ضد جور (۶) اللہ کے فیصلہ پر رضا اور اس کی ضد ہے اس کے فیصلہ پر ناراض ہونا (۷) شکر اور اس کی ضد بے شکری (۸) اُمید عطا اور اس کی ضد نااُمید ہونا (۹) توکل اور اس کی ضد حرص (۱۰) نرم دلی اور اس کی ضد سخت دلی (۱۱) رحمت اور اس کی ضد غضب (۱۲) علم اور اس کی ضد جہل (۱۳) دانشمندی اور اس کی ضد حماقت (۱۴) پاکدامنی اور اس کی ضد پردہ دری (۱۵) زہد اور اس کی ضد رغبت (۱۶) خودداری اور اس کی ضد چھچھورا پن (۱۷) خوف خدا اور اس کی ضد نا خدا ترسی (۱۸) تواضع اور اس کی ضد تکبر (۱۹) متانت اور اس کی ضد جلد بازی (۲۰) حلم اور اس کی ضد بے وقوفی (۲۱) خاموشی اور اس کی ضد یادہ گوئی (۲۲) جھکنا اور اس کی ضد اکڑنا (۲۳) تسلیم اور اس کی ضد شک (۲۴) صبر اور اس کی ضد بے صبری (۲۵) درگذر اور اس کی ضد انتقام (۲۶) غنائے نفس اور اس کی ضد فقر نفس (۲۷) تذکر (بھولی ہوئی کا یاد آجانا) اور اس کی ضد سہو (۲۸) حفظ اور اس کی ضد نسیان (۲۹) صلہ رحمی اور اس کی ضد قطع رحمی (۳۰) قناعت اور اس کی ضد لالچ (۳۱) ہمدردی اور اس کی ضد لاپرواہی (۳۲) دوستی اور اس کی ضد دشمنی (۳۳) عہد کی وفا کرنا اور اس کی ضد عہد شکنی (۳۴) نیکی اور اس کی ضد گناہ (۳۵) فروتنی اور اس کی ضد بڑائی (۳۶) سلامتی اور اس کی ضد آلائش (۳۷) سنجیدگی اور اس کی ضد عداوت (۳۸) حب اور اس کی ضد بغض (۳۹) سچ اور اس کی ضد جھوٹ (۴۰) حق اور اس کی ضد باطل (۴۱) امانت اور اس کی ضد خیانت (۴۲) اخلاص اور اس کی ضد ملاوٹ (۴۳) ذکی ہونا اور اس کی ضد بلید ہونا (۴۴) معرفت اور اس کی ضد انکار (۴۵) سہل انگاری اور اس کی ضد چغلخور پن (۴۶) عدم موجودگی میں خیرخواہی اور اس کی ضد فریب کاری (۴۷) پردہ پوشی اور اس کی ضد افشاء راز (۴۸) نماز اور اس کی ضد بے نمازی (۴۹) روزہ اور اس کی ضد افطار (۵۰) جہاد اور اس کی ضد بزدلی (۵۱) حج اور اس کی ضد میثاق کا توڑنا (۵۲) بات کو دل میں رکھنا اور اس کی ضد چغل خوری (۵۳) والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اس کی ضد عقوق الوالدین (۵۴) بے ریا ہونا اور اس کی ضد ریاکاری (۵۵) معروف اور اس کی ضد منکر (۵۶) پردہ اور اس کی ضد بے پردگی (۵۷) تقیہ اور اس کی ضد عدم تقیہ (۵۸) انصاف اور اس کی ضد انصاف کے تقاضوں کو چھوڑ دینا (۵۹) ٹھنڈے دل سے سوچنا اور اس کی ضد بغاوت (۶۰) ستھرا ہونا اور اس کی ضد میلا رہنا (۶۱) حیا اور اس کی ضد بے حیائی (۶۲) میانہ روی اور اس کی ضد سرکشی (۶۳) دنیاوی جھمیلوں میں نہ پڑنا اور آرام سے رہنا اور اس کی ضد ہے دنیاوی کاموں میں انہماک اور تھکاوٹ (۶۴) نرمی اور اس کی ضد سختی (۶۵) برکت اور اس

کی ضد بے برکتی (۶۶) عافیت اور اس کی ضد تکلیف (۶۷) متوسط گذارا اور اس کی ضد ذخیرہ اندوزی (۶۸) دانائی اور اس کی ضد غلط رائے (۶۹) وقار اور اس کی ضد ہلکا پن (۷۰) نیک بختی اور اس کی ضد بد بختی (۷۱) توبہ اور اس کی ضد گناہوں پر اصرار کرنا (۷۲) استغفار اور اس کی ضد دھوکے میں رہنا (۷۳) محنتی اور اس کی ضد سستی (۷۴) دعا اور اس کی ضد دعا سے گریز کرنا (استنکاف) (۷۵) نیک کاموں میں مداومت اور اس کی ضد سست ہو جانا (۷۶) اللہ کی محبت میں خوش رہنا اور اس کی ضد دنیاوی غم (۷۷) اتفاق اور اس کی ضد ہے پھوٹ (۷۸) سخاوت اور اس کی ضد ہے بخل۔

(اقول) صاحب صافی تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد میں یہ اٹھتر ہیں حالانکہ پچھتر کہا گیا تھا تو شاید تین اوصاف کا تکرار ہی اس کا موجب ہوا ہو۔ مثلاً نمبر ۳ رجا اور اس کی ضد قنوط ہے۔ اور نمبر ۸ طمع اور اس کی ضد یاس ہے۔ اور ان دونوں کا ترجمہ ایک ہو سکتا ہے اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی رحمت سے ناامیدی۔ اسی طرح نمبر ۳۶ سلامتی کی ضد بلا ہے اور نمبر ۲۲ عافیت کی ضد بلا ہے اور دونو کا ترجمہ ایک جیسا ہے۔ اور اسی طرح نمبر ۱۳، فہم کی ضد حمق اور نمبر ۴۳ فہم کی ضد عبادت ہے اور دونو کا مفہوم تقریباً ایک ہے، ان تمام اوصاف کے گننے کے بعد آپ نے فرمایا رعقل کے یہ تمام معادن نہیں جمع ہو سکتے۔ مگر نبی میں یا نبی کے وصی میں یا اس مومن میں جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو۔ لیکن ہمارے باقی موالی جو ہیں۔ وہ ان اوصاف میں سے کسی نہ کسی صفت سے خالی نہ ہوں گے اور باقی صفات کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے آخر کار کامل ہو جائیں گے اور جہل کے اوصاف سے کنارہ کش ہوتے ہوتے آخر اس سے بچ جائیں گے پس وہ انبیاء و اوصیاء کے ہمراہ بلند درجہ میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن یہ عقل اور اس کے معاونین کی معرفت اور جہل اور اس کے اوصاف سے پرہیز کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس طولانی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اور وصی نبی چونکہ عقل کل ہیں لہٰذا وہ عقل کے جمیع اوصاف کے جامع ہوتے ہیں اور ان میں جہل اور اس کے جملہ اوصاف برائے نام بھی نہیں پائے جاتے اور چونکہ عقل نور ہے پس انبیاء و اوصیاء نور ہیں یعنی ان کے وجودِ مسعود میں تمام اوصافِ حسنہ بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ پس ہر صفت کمال کے لحاظ سے وہ روشن پہلو کے حامل ہیں اور ان میں ظلمانی و تاریکی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ لہٰذا باوجود بشریت کے نور محض ہیں۔ اور محمد و آلِ محمدؐ چونکہ تمام انبیاء و اوصیاء سے اشرف و اکمل ہیں۔ لہٰذا ان کی بشریت ہر بشر سے بلند تر اور ان کی نوریت تمام انوار سے اعلیٰ تر ہے۔ نہ کوئی بشر ان کی بشریت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ کسی نور کو ان کی نوریت تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور جب کمالات انسانیہ کا ہر روشن پہلو ان میں موجود ہے اور ہر تاریک پہلو سے وہ منزّہ و مبرّا ہیں تو اسی کا نام عصمت ہے۔ پس نور عقل عصمت طہارت اور رحمت میں معنوی طور پر شخصیت میں یگانگت موجود ہے۔

فنِ منطق میں نئے باب کا اضافہ ایک صاحب جو دورِ حاضر کے چوٹی کے مقررین میں سے ہیں۔ اپنی سحر بیانی کی بدولت بڑے سے بڑے مجمع کے دلوں کو موہ لینا اور ان کو گرویدہ بنا لینا۔ نیز خاموش مجلس کو چند جملوں میں اچھال لینا اور ان سے داد و واہ واہ حاصل کر لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

بہر کیف آپ رقص منبری میں بہت ماہر ہیں اور عوام میں بحر علم کے غواص بھی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے علمائے اعلام

کی تحقیر و تذلیل میں اپنی مزخرفات کا ایک طومار لکھ مارا ہے جسے وہ علمی خدمت تصور کرتے ہیں۔ مجھے ان کے علم کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اُن کے دہانِ قلم سے نکلے ہوئے بعض الفاظ ان کی علمی بے کسی کا رونا ضرور روتے ہیں کیونکہ نہ تو بازاری لب ولہجہ سے کسی مطلب کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ خطابیہ جملے حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے زورِ خطابت سے فنِ منطق میں ایک باب کا اضافہ کرنے کی جرأت کی چنانچہ انبیاء کو الگ نوع ثابت کرنے کے لئے بشر کو نبی اور عام انسان کے لئے جنس کا نام دے دیا۔ فرماتے ہیں جس طرح حیوان جنس ہے اور اس کے ماتحت انواع ایک دوسری سے بذریعہ فصلِ ممیز جدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح بشر جنس ہے اور نبی و دیگر انسان اس کی الگ الگ دو نوعیں ہیں چنانچہ مثلاً وحی کا ہونا نبی کی فصلِ ممیز اور وحی کا نہ ہونا انسان کے لئے فصلِ ممیز ہے۔ پھر اپنے اس مزعومۂ فاسدہ کو تحقیق انیق قرار دیتے ہوئے معلمین کو چیلنج کرتے ہوئے علماء کا منہ چڑانے کی بھی انہوں نے کوشش کی کہ معلمین حضرات قرآن مجید میں نبی پر کہیں صرف بشر کا اطلاق دکھائیں کہ فصلِ ممیز اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ اور ہم نے ابھی نور و بشر کے بیان میں متعدد آیات ذکر کی ہیں جن میں نبی کو صرف بشر کی لفظ سے یاد کیا گیا ہے مثلاً اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ پ۱۴ ع ۳ ۔ یہاں بشر سے مراد حضرت آدمؑ ہیں اور ان کا نبی ہونا شک و ریب سے بالاتر ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ پ۱۷ ع ۳ ۔ یعنی ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے ؟ آیت مجیدہ میں حضورؐ کو صرف بشر کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے بالعموم کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا مقرر نہیں کیا۔ تو آپ بھی اسی قانون کے ماتحت جام موت پئیں گے اور وہ لوگ بھی مریں گے جو آپ پر معترض ہیں۔

اِسی جلد پارہ نمبر ۱۹ کے رکوع نمبر ۳ میں خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔ تفسیر اہل بیتؑ میں بشر سے حضرت رسالت مآبؐ نسب سے مراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہیں ص۱۸۲ کسی فصلِ ممیز کا ذکر ساتھ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر اس لحاظ سے انبیاء کو الگ نوع کہا جائے کہ ان میں نورِ نبوت اور روحِ نبوت موجود ہے جو باقی انسانوں میں نہیں تو اس نئی اصطلاح کے پیدا کرنے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ اس قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں کوئی وضع کرتا پھرے اس پر کسی صاحبِ ذوق کو اعتراض کرنے کا حق نہیں کیونکہ لامشاحۃ فی الاصطلاح اس طرح نئی اصطلاح پیدا کرتے ہوئے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عالم اور جاہل دو الگ الگ نوعیں ہیں۔ کیونکہ عالم میں نورِ علم موجود ہے اور جاہل اس سے خالی ہے۔ اسی طرح مومن اور کافر دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ مومن میں نورِ ایمان ہے اور کافر اس سے خالی ہے۔ اسی طرح معصوم اور غیر معصوم دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ معصوم میں نورِ عصمت موجود ہے اور غیر معصوم اس سے خالی ہے۔ اور شریف و رذیل دو الگ الگ نوعیں ہیں۔ اسی طرح نیک و بد سخی و بخیل تندرست و بیمار و علیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحبِ صفت کو فاقدِ صفت سے الگ نوع قرار دے کر ایک اصطلاح قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوان کی باقی انواع اونٹ گھوڑا گدھا بیل بھیڑ بکری ہاتھی کو مرغ تک کو جنس قرار دے کر ان کی ماتحت اصناف کو انواع کا نام دیتے ہوئے جدت پسندی کی ہوس کو پورا کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس کو منطقی اصطلاح قرار دیا جائے تو علم معقول ایسے دریدہ دہن مجدد کے منہ پر تھوک دے گا۔ جس کی چند

وجوہ ہیں۔

(۱) بشر کا نبی سے عام ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ بشر کو نبی کی جنس قرار دیا جائے اس میں شک نہیں کہ ہر بشر نبی نہیں ہوتا اور ہر نبی بشر ہوتا ہے لیکن بعینہٖ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ ہر بشر شریف انسان نہیں لیکن ہر شریف انسان بشر ہوتا ہے۔ ہر بشر صاحب علم نہیں لیکن ہر صاحب علم بشر ہوتا ہے۔ اور ہر بشر سخی نہیں لیکن ہر سخی بشر ہوتا ہے وعلی ہذا القیاس تو اس عموم کا یہ مطلب نہیں کہ بشر کو ان تمام کے لئے جنس قرار دے کر ان کو اس کی انواع قرار دیا جائے بلکہ اہل منطق کے نزدیک ان کو اصناف کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے خود اس کو ایک صفت خاصہ کا درجہ دیا ہے۔ جس طرح انسان کے مختلف افراد میں مختلف صفات علم وجہل اور حسن وقبح وغیرہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ فرقان کی تفسیر میں ص۱۹۵ پر بیان ہوگا۔

(۲) نبی پر بشر کا اطلاق جائز ہے اور بغیر لُوحِیَ کے جس کو فصل ممیز ٹھہرایا گیا ہے بشر کا اطلاق نبی پر قرآن مجید میں ہوا ہے۔ جس طرح ہم نے ابھی ثابت کیا ہے اور اگر اصرار کیا جائے کہ بغیر لوحی کے بشر کا اطلاق نبی پر ناجائز ہے تو دوسری طرف عام انسانوں پر بھی بغیر فصل لگائے بشر کا اطلاق ناجائز ہوگا کیونکہ بشر کی نوع ہونے میں دونوں برابر ہیں پس فصل ممیز دونوں کے لئے ضروری ہے۔

(۳) کسی جنس کی الگ الگ نوعیں ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ہر نوع کا آبائی ونسلی سلسلہ اسی نوع کا ہی ہوتا ہے حالانکہ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جن کے والدین نبی نہیں تھے اور اگر بعض نبیوں کے باپ نبی ہیں تو ماں کسی نبی کی بیٹی نہیں تھی اسی طرح انبیاء کی اولاد ساری نبی نہیں اور تمام انسان ایک نبی حضرت آدم کی تو یقیناً اولاد ہیں اسی طرح جملہ سادات حضرت علی کی اولاد ہیں حالانکہ نوعی اختلاف اس اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ (۴) اگر انسان نبی کے مقابلہ میں الگ نوع ہو تو نبی پر انسان کا اطلاق غلط ہو جائے گا۔ حالانکہ نبیوں پر انسان کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے۔ خلقنا الانسان من صلصال الخ (پ۱۴ ع۳) ہم نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا اور اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ الرحمن علم القرآن خلق الانسان پ۲۷۔ یہاں بھی انسان سے مراد نبی ہے۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ ۔ پ۵ ع۵ آیت مجیدہ کی تفسیر میں باطن اور تاویل کے لحاظ سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ یہاں ناس سے مراد ہم ہیں اور ہم ہی حسد کئے گئے ہیں (وافی عن الکافی)

رقاصانِ منبر علمائے اعلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے ان کو غلط تاثر دلاتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بہتانِ عظیم اور افترائے جسیم ہے جو شخص انبیاء کو یا آئمہ کو اپنے جیسا عام انسان سمجھے وہ کافر وملحد وبے دین ہے بلکہ علمائے اعلام کے نزدیک خدا کی ساری خدائی میں انبیاء اشرف وافضل ہیں اور وہ بشر ہوتے ہوئے اپنی امتوں میں عقل کل، نورِ کل اور ایمانِ کل تھے۔ اور محمدؐ وآل محمدؐ پوری کائنات حتیٰ کہ گذشتہ انبیاء ومرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین کے لئے بھی عقل کل نور مجسم اور رحمت مطلقہ تھے پس وہ بشر تھے لیکن تمام بشر ان کے غلام اور وہ سیّد البشر تھے۔ اور کوئی ان کی حقیقت بشری کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور ان کا بشری وجود نورانیوں کے نوری وجود سے اشرف واعلیٰ تھا حتیٰ کہ جہاں ان کا بشری وجود پہنچ گیا وہاں سید الملائکہ جبریل ساتھ جانے کا دم نہ بھر سکا۔ اسی طرح وہ .... بشریت کے باوجود نور مجسم تھے اور ان کا نور تمام عالمِ وجود کے اجالے کا باعث تھا۔

نور کی توضیح اور متعلقہ بحث میں اگرچہ طول ہوگیا ہے لیکن خالی از فائدہ نہیں اور ابھی آیت نور کی تشریح میں اس پہ مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

رکوع نمبر ۱۔ شان نزول

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ سورۂ نور، سورہ نساء کے بعد نازل ہوا کیونکہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں بدکار عورتوں کی سزا کا حکم تھا کہ اگر چار گواہ عینی شہادت دے دیں تو ان کو گھروں میں قید کر دو۔ یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا یہ کہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر فرمائے۔ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۔ پس اس سبیل کو اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زانی مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ الخ۔ اور علمائے امامیہ کے نزدیک یہ سزا کنوارے جوڑے کے لئے ہے ورنہ شادی شدہ زانی جوڑے کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔

سُوْرَةٌ۔ یا تو سُور البناء سے ہے جس کا معنی ہے بلندی یا اس کا معنی ہے ایک دار جو دیوار پر رکھا جائے۔ پس قرآن مجید کے ایک ٹکڑے کو سورہ کہنا یا تو اس کی بلندی کے پیش نظر ہے۔ یا اس لئے کہ بنائے قرآن میں اس کو ایک دار کی حیثیت حاصل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(شروع کرتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍۭ

(یہ) سورت جس کو ہم نے اتارا اور فرض کیا (اس پر عمل کرنا) اور اتاریں اس میں نشانیاں

بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ

واضح تاکہ تم نصیحت پاؤ زنا کرنے والے عورت و مرد

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ

کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان میں سے ایک سو کوڑے اور نہ غلبہ کرے تم پر

زنا کی شرعی سزا

اَلزَّانِیَةُ :- اِس بارے میں جامع روایت وہ ہے جو اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے بروایت قمی خلافت ثانیہ کے دربار میں چھ آدمی زنا کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ہر ایک پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام موجود تھے فوراً آپ نے ٹوک دیا کہ ایسا مت کرو پس خلیفہ نے عرض کی آپ خود ہی ان پر حد جاری فرمائیں پس ان میں سے ایک کو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو گردن زدنی قرار دے کر قتل کر دیا۔ دوسرے کو لایا گیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا۔ پھر تیسرے کو ایک سو کوڑے (حد) لگانے کا حکم دیا اور چوتھے کو نصف حد یعنی پچاس کوڑے لگوائے اور پانچویں کو تعزیر و تادیب کر کے چھوڑ دیا۔ اور چھٹے کو رہا کر دیا۔ آپ کے اس فعل سے لوگ بحر تعجب میں ڈوب گئے اور خلیفہ خود

اپنے مقام پر حیران و ششدر رہ گیا۔ پس عرض گذار ہوا۔ مولا! ایک ہی مقدمہ میں گرفتار ہونے والے ملزموں کی سزائیں الگ الگ کیوں؟ آپ نے جواب کو تفصیل وار بالترتیب بیان فرمایا کہ پہلا شخص کافر ذمی تھا جب اُس نے زنا کیا تو اس کے ذمی ہونے والا عہد ختم ہو گیا۔ پس وہ واجب القتل ہو گیا۔ لہذا اسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ملزم مُحصن (شادی شدہ) تھا پس اس کی سزا رجم یعنی سنگساری تھی۔ تیسرا ملزم غیر محصن (غیر شادی شدہ) تھا پس اس کی سزا ایک سو کوڑا ہے چوتھا ملزم غلام تھا۔ اور غلام کی سزا نصف حد ہوتی ہے پس اس کو پچاس کوڑے لگوائے

بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
ان کے لیئے نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ
اور یوم آخر پر اور چاہیے کہ حاضر ہو ان کی سزا کے وقت ایک
الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾ الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً
گروہ مومنون میں سے زانی مرد نہ نکاح کرے مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے
وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ
اور زانیہ نہ نکاح کرے اس سے مگر زانی یا مشرک اور حرام ہے

پانچواں ملزم شبہ کی بنا پر فعل کا مرتکب ہوا۔ لہذا اس کو تعزیر (تادیب) کی گئی اور چھٹا ملزم چونکہ دیوانہ ہے۔ لہذا مرفوع القلم ہے۔ پس اس کو رہا کر دیا گیا۔ (صافی)

مسئلہ۔ رجم کی آیت قرأت کے لحاظ سے منسوخ ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے یعنی جب شادی شدہ جوڑا زنا کرے اور ثابت ہو جائے تو ان دونو کو رجم کیا جائے گا اور یہ علمائے اعلام کا متفق علیہ فتویٰ ہے۔

مسئلہ۔ مُحصن سے مراد شادی شدہ مرد اور محصنہ سے مراد شادی شدہ عورت ہے اور اس سے مراد دائمی نکاح ہے (پس متعہ کرنے سے مرد یا عورت کو محصن نہیں کہا جاتا) معصوم نے فرمایا محصن وہ ہے جو حلال طریقہ سے جنسی خواہش جس وقت چاہے اور جتنی دفعہ چاہے مٹا سکتا ہو۔ (مرادی ترجمہ)

مسئلہ۔ غلام اور کنیز کو محصن نہیں کہا جاتا اگرچہ شادی شدہ بھی ہوں پس ان کے زنا کی حد آزاد کنوارے کی سزا کی نصف ہے یعنی پچاس کوڑے اس کو لگائے جائیں گے۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں ہے کہ کنوارا جوڑا اگر زنا کرے تو ایک ایک سو کوڑے کی سزا کے علاوہ ایک سال تک ان کو شہر بدر کیا جائے گا اور جس جوڑے کا نکاح ہو چکا ہو لیکن شادی نہ ہوئی ہو تو کنوارا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تک چار آدمی عینی شاہد نہ ہوں تو مرد و عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ - امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر رجم کیا جائے گا اور ان کے سر اور شرمگاہ پر پتھر نہ برسائے جائیں گے اور مروی ہے کہ پشت کی طرف سے رجم کیا جائے گا اور ان کے منہ کو بچایا جائے گا (برہان)

مسئلہ - زانیوں کو سزا تنہائی میں نہ دی جائے بلکہ ایک طائفہ ان کی سزا کو دیکھے تاکہ عبرت و نصیحت حاصل ہو - اور طائفہ کی حد مقرر نہیں - امام وقت جس قدر آدمیوں کو بلالے درست ہے -

مسئلہ - امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کوڑے سخت طور پر لگانے چاہئیں اور ننگے جسم پر لگائے جائیں -

مسئلہ - زانی و زانیہ کو رجم کرنے کے وقت پتھر سختی سے مارے جائیں اور اللہ کی حدود میں نرمی ممنوع ہے -

مسئلہ - سزا کا حکم بیان کرنے میں زانیہ کو پہلے ذکر کیا - کیونکہ عورت کا جرم زنا بہ نسبت مرد کے سنگین تر ہے - ایک تو قوم و قبیلہ کے لئے باعث ننگ و عار ہے اور دوسرے نسل انسانی کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر عورت پر عائد ہوتی ہے کیونکہ وہ اس بارے میں امین کی حیثیت رکھتی ہے پس اس کی خیانت نسل انسانی کی تباہی کی موجب ہے -

مسئلہ - حدود کا قائم کرنا فرض ہے چنانچہ ارشاد ہے (فرضناھا)

فرض اور واجب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ فرض وہ ہے جو حاکم و آمر کے حکم سے ضروری قرار دیا جائے اور واجب بعض اوقات حاکم کے حکم کے بغیر بھی ہو جاتا ہے جیسے شکر منعم کا وجوب گویا واجب کا مفہوم فرض سے عام ہے -

طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کم از کم کی کیا حد ہے - چار - دو - اور ایک تک کا قول بھی موجود ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کم از کم ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے (مجمع) اور اس کا شاہد قرآن مجید کا یہ فرمان ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقتتلوا - الخ - یعنی مومنوں کے دو گروہ جب لڑیں - یہاں طائفتان سے مراد دو مومن بھی ہو سکتے ہیں -

نص خلافت

خلافت اجماعیہ کو ثابت کرنے والے بعض لوگ اس آیت اور اس قسم کی جملہ آیات کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں - کہ یہ مسلّم ہے کہ حدود شرعیہ امام کے بغیر جاری نہیں ہو سکتیں اور خدا نے تمام مومنوں کو بالعموم یہ حکم دیا ہے فَاجْلِدُوْا کہ ان کو حد لگاؤ یا چور کے ہاتھ کاٹو مثلاً تو اس کا التزامی نتیجہ یہی ہے کہ مومنوں کو امام نصب کرنے کا حکم ہے یعنی امام کا انتخاب کرو تاکہ وہ حدود کو جاری کرے -

واقعی کسی شئی کی محبت انسان کو اس کے عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کی برائی سننے سے بہرہ کر دیا کرتی ہے - چونکہ خشت اوّل غلط نصب ہو چکی ہے لہذا دیوار کی کجی کی مذمت کی بجائے اس کی صحت ثابت کرنے میں اپنی علمی طاقت کو خرچ کیا جاتا ہے - اور اگر چشم بصیرت سے جنبہ داری و تعصب کی پٹی ہٹا کر غور کیا جائے تو آیت مجیدہ بہانگ دہل نصی خلافت کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ جب مسلّم ہے کہ امام کے بغیر کسی کو حدود کے قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تو حدود قائم کرنے کے جس قدر قرآن مجید میں احکام ہیں ان کا خطاب عوام سے نہیں بلکہ انہی سے ہے جنہوں نے حدود کو قائم کرنا ہے اور اس کا التزامی نتیجہ یہ ہے کہ حکم صادر کرنے سے پہلے خدا امام کو متعین کرے اور بعد میں عمل درآمد کے لئے فرمان جاری کرے اور جن لوگوں سے فعل کا

maablib.org

تعلق نہیں ہوتا وہ خود بخود حکم کے متعلق سے خارج ہوتے ہیں مثلاً نماز و روزہ کے احکام میں عورتیں مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔ لہٰذا خطاب دونو کو شامل ہے لیکن جہاد میں چونکہ عورتیں مردوں کے ساتھ شامل نہیں ہوتیں۔ لہٰذا حکم جہاد اگرچہ یاایہا الذین آمنوا کے لہجہ سے آئے۔ تاہم مردوں کے لئے مخصوص ہوگا اور عورتوں کو اس سے خارج سمجھا جائے گا۔ نیز قرآن مجید کے عمومی فرامین جن پر عمل کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے وہاں خطاب عامۃ المسلمین کو ہے لیکن جن امور کا تعلق نظام حکومت اور تدبیر مملکت سے ہے وہاں خطاب کو عامۃ الناس کے لئے قرار دینا کج بحثی بلکہ کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرآن مجید قیامت تک کے لئے تکمیل انسانیت کا مکمل کورس اور نظامِ مملکت کا کامل دستور ہے۔ پس جہاں عوام کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہاں حدودِ شرعیہ کی محافظت کے لئے قرآنی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا کی جانب سے نامزد نمائندوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ حضرت محمد مصطفٰیؐ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک خدا کی جانب سے یکے بعد دیگرے متعین ہیں۔ اور نظام شرعی کو برقرار رکھنے اور حدود قرآنیہ کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر خطابات وارد ہیں۔ ان کا تعلق انہی سے ہے اور ان کا ان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اقتدار مملکت ان کے ہاتھ میں ہو۔ پس اس قسم کی آیات سے اجماع اور الیکشن کے جواز کے بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ حدود کا قیام واجب ہے جو امام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عوام پر واجب ہے کہ خدا کی جانب سے نصب کردہ امام کے ہاتھوں کو مضبوط کریں۔ اور اس سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کا اقتدار قائم رہے۔ اور کوئی دشمنِ دینِ خدا کرسیٔ اقتدار کی طرف للچائی ہوئی نظریں ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ مثلاً جہاد واجب ہے اور جہاد کرنا بغیر امام کے ناممکن ہے تو طالوت و جالوت کے قصہ میں خدا نے اس حقیقت کی قلعی کھول دی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ جہاد کے وجوب کے بعد نصب امام ہم خود کر لیں گے تو خدا نے بذریعہ نبی کے ان کو اطلاع دی کہ طالوت کو تمہارا امام و قائد مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس حکم کے سننے کے بعد انہوں نے کئی جتن کئے اور گلو خلاصی کے بہانے تلاش کئے کہ وہ مال دار نہیں۔ وہ قوم و قبیلہ میں پست ہے۔ لیکن خدائی اٹل فیصلہ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور ارشاد ہوا جس کو خدا نے چنا ہے وہ علم اور طاقت میں زیادہ ہے۔ لہٰذا جہاد کی قیادت کے لئے وہ موزوں تر ہے اور ہم پر اس کی کمان میں رہتے ہوئے اس کی اطاعت فرض ہے۔ وہ چونکہ عالم ہے۔ لہٰذا اس کی تجویز کردہ ہر سکیم کو کامیاب کرنے کے لئے اس کا بھرپور تعاون کرو تاکہ دشمن بے بس ہو کر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے پس اس امت میں بھی امام کا نصب کرنا اس کا کام ہے۔ اور اس نے بزبان پیغمبر باعلان عام حضرت علی سے حضرت مہدی علیہ السلام تک مقرر فرما دیئے ہیں اور عوام کو تعاون کی دعوت دی گئی ہے لیکن پہلے دن سے مسلمانوں نے ان کی جانب دستِ تعاون بڑھانا چھوڑ دیا اور ایک من مانے غلط راستہ پر چل نکلے جس کے نتیجہ میں نااہل لوگوں کی طرف اقتدار منتقل ہو گیا۔ پس احکام مضمحل اور حدود معطل ہو گئیں۔ اور آخر کار خدا کی جانب سے امام منصوب کو گوشۂ غیب میں آرام کرنا پڑا پھر جب اس کی مصلحت ہوگی تو غیب کا پردہ اٹھے گا پس اسلام دوبارہ زندہ ہوگا۔ قرآن منبر پر آئے گا اور دنیا میں امن و انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔ نیز اگر حدود قائم کرنے کا حکم عوام کے لئے ہو۔ تو چور و زانی و دیگر جرائم پیشہ لوگ بھی تو عوام میں ہوتے ہیں

imdadlib.org

بلکہ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ شاید بہت کم مقدار ایسے افراد کی نکل سکے گی جو زندگی بھر ایسے جرائم سے یکسو رہے ہوں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ عوام کو حکم دیا جائے کہ تم حدود قائم کرو یا ایسے شخص کا انتخاب کرو جو حدود کو قائم کرے کیا چور و زانی و مجرم سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے شخص کے اقتدار کا حامی ہوگا جو ان کو سزائیں دے۔ ہاں اگر ہر زمانہ میں اکثریت کا رجحان نیکی کی طرف ہوتا تو اکثریت کی نظرِ انتخاب ایسے افراد پر پڑتی جو حدودِ قرآنیہ کا پاسدار ہو لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے کا انتخاب کرتے جو ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہوتا پس بجائے حدود کے قیام کے حدود معطل ہو جاتیں۔ لیکن اگر اکثریتی رجحان ہی معصیت کی طرف ہو۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہوں جن کا دامن جملہ آلائشوں سے پاک ہو تو ایسی صورت میں عوام تو ایسے شخص کے اقتدار کے حامی ہوں گے جو ان جیسا غلط کار ہو تاکہ حدودِ شرعیہ کی زد سے بچ کر رنگ رلیاں مناتے رہیں اور اسلام کا لبادہ بھی اوڑھے رہیں۔ نیز حدود جاری کرنے کا سزاوار وہی ہو سکتا ہے جو خود افعالِ ناشائستہ سے گریزاں ہو اور اس کا اپنا دامن غلط کاریوں سے منزہ ہو۔ پس وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ایک ایسا جوہر ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ کیونکہ عوام ظاہری نیکی کو دیکھ سکتے ہیں باطنی برائیوں کو معلوم نہیں کر سکتے لیکن اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس حدود قائم کرنے کے لئے معصوم امام کا نامزد کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

نیز دنیاوی عام حکومتیں جب ملک کی تدبیر و تنظیم کے قوانین نافذ کرتی ہیں تو جن اُمور کا تعلق پبلک سے ہوتا ہے وہاں خطاب بھی عوام کو کیا جاتا ہے لیکن جن اُمور کا تعلق نظامِ مملکت سے ہوتا ہے۔ اور تعزیرات کا بیان ہوتا ہے وہاں خطاب عوام سے نہیں ہوتا کہ تم پر نظامِ مملکت کی بحالی واجب ہے۔ لہٰذا اپنے علاقہ میں ایک ناظم چن لو تاکہ وہ نظام کو قائم کرنے بلکہ ایسے خطابات کا تعلق متعلقہ آفیسروں اور عہدہ داروں سے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور نظامِ مملکت کی تدبیر کے لئے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں عوام سے حکومت کا یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ آئینِ حکومت کے نفاذ کے لئے حکام طبقہ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ ملکی آئین کامیابی سے نفوذ پذیر ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ پس قانونِ الٰہی یعنی اسلامی ضابطۂ حیات بھی اسی لہجہ سے خطاب فرما رہا ہے اور آئمہ کو حکم ہے کہ حدودِ شرعیہ کو جاری رکھیں اور اللہ کے دین میں نرمی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور پبلک کو ضمنی طور پر دست تعاون بڑھانے کا حکم ہے اور حدودِ شرعیہ کے اجراء کے وقت ایک طائفہ کی شمولیت جہاں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو سکتی ہے۔ وہاں دست تعاون بڑھاتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کا راز بھی اس میں پنہاں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اقتدارِ اعلیٰ کا حق صرف امام معصوم کو ہی حاصل ہے اور عصمت انتخاب سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک جوہر ہے جس کو اللہ عطا فرمائے وہی معصوم ہوتا ہے اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ خود اس کا اعلان نہ فرمائے۔ پس اُمّت کے لئے نصب امام کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور اُمّت پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اپنے دورِ اقتدار میں امام جن کو اپنا نائب مقرر کرے وہ ان تمام اُمور کا متولی ہوتا ہے جن کا انتظام امام کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس اقامتِ حدود کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے۔ اور غیبتِ امام کے زمانہ میں اگر فقہاءِ زمانہ کو موقعہ ملے

اور حکومتِ وقت ساتھ دے تو حدود شرعیہ قائم کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں تین حالات سے خالی نہیں، یا تو حدود شرعیہ کو بالکل معطل چھوڑ دیا جائے۔ نیز یتیموں اور دیوانوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے یا حدود شرعیہ اور حقوق یتامیٰ کی سرپرستی کا حق جاہلوں اور دین کے دشمن لوگوں کے حوالے کیا جائے یا عُلماء فقہا کو ان کی تولیت کا حق دیا جائے۔ پہلی دو نو صورتیں عقلاً قابلِ قبول نہیں ہیں لہٰذا تیسری صورت پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ اگرچہ آئمہ کی طرف سے صریحی فرمان اس بارے میں نہیں ملتا۔ لیکن جن جن احادیث میں دینی معاملات میں علمائے امامیہ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے ان سے اس مسئلہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور دلیلِ عقلی کے ساتھ روایت کی تائید اثبات مطلب کے لئے کافی ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ: منقول ہے کہ مکّہ میں چند مرد و عورتیں بدکاری و فحاشی میں مشہور تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ان بدکار عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور حضورؐ سے اجازت چاہی تو یہ آیت اُتری کہ زانی مرد زانیہ عورتوں سے نکاح کریں اور زانیہ عورتیں زانی مردوں سے نکاح کریں کیوں کہ ان سے رشتہ کرنا مومنوں پر حرام ہے۔ آیت مجیدہ میں حرمت کا معنی کراہت پر محمول ہے پس پاک دامن عورت کو بدکار مرد کے نکاح میں دینا یا نیک مرد کا بدکار عورت سے نکاح کرنا مکروہ ہے البتہ توبہ کرنے کے بعد کراہت رفع ہو جاتی ہے اور آیت مجیدہ میں زناکاروں کو مشرکوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے کہ مشرک اور زانی ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ گویا اللہ کے نزدیک زنا کی برائی شرک کے برابر ہے۔ اور تفسیر صافی میں امام محمد باقر

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

یہ مومنوں پر اور جو تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر پھر

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

نہ لائیں چار گواہ تو کوڑے لگاؤ ان کو ۸۰ کوڑے

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور نہ قبول کرو ان کی شہادت کبھی اور وہ لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا

فاسق ہیں جنہوں نے توبہ کر لی بعد اس کے اور اصلاح کر لی تو

علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں اتری پس اللہ نے زانی مرد و عورت کو مومن کا نام نہیں دیا حضور رسالت مآب نے فرمایا زانی زنا نہیں کر سکتا جب کہ مومن ہو۔ اور چور چوری نہیں کر سکتا اگر مومن ہو۔ اگر ایسا کرے تو ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے جس طرح قمیص اتارنے کے بعد بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔

قذف کی سزا قذف کا معنی ہے بدکاری کی تہمت لگانا۔ وَالَّذِيْنَ۔ اگر کوئی کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو ثبوت کے لئے چار عادل گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ جو عینی شہادت دیں ورنہ تہمت لگانے والے

کو اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور گواہ اگر چار سے کم ہوں تو ہر ایک کو اسّی اسّی کوڑوں کی سزا ملے گی۔ آیت میں حکم عورت پر تہمت لگانے کا ہے لیکن مرد بھی اس میں شریک ہیں پس اگر کوئی شخص کسی مرد پر مفعولیت یا فاعلیت لواطہ یا زنا کی تہمت لگائے تو اس کی سزا بھی اسّی کوڑے ہے اور آیت کا ملاک اس کو شامل ہے۔

مسئلہ۔ مرد عورت پر تہمت لگائے یا عورت مرد پر تہمت لگائے دونوں صورتوں میں سزا ایک ہے۔

مسئلہ۔ نابالغ لڑکا یا لڑکی یا دیوانہ کسی پر تہمت لگائے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والا آزاد ہو یا غلام اسّی کوڑوں کی سزا ہو گی۔ عند الامامیہ (مجمع)

مسئلہ۔ تفسیر صافی میں ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا تہمت تین صورتوں سے ہوتی ہے۔ (۱) ایک شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگائے (۲) کسی کی ماں کو زانیہ کہے (۳) کسی کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا کہہ کر بلائے۔ ان تینوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص دوسرے کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر خطاب کرے اور اس کی ماں زندہ ہو پس وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو تہمت لگانے والے کو مذکورہ سزا ملے گی اور اگر وہ گھر سے باہر گئی ہوئی ہو تو اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا۔ پس اگر واپسی پر اس نے حق طلب کیا تو ملزم مذکور کو مذکورہ سزا دی جائے گی اور اگر مر چکی ہو اور اس کی برائی معلوم نہ ہو تب بھی تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ آپ نے فرمایا اگر ایک شخص ایک جماعت پر تہمت لگائے پس وہ سب کے سب مل کر اس کو پکڑ لائیں تو ایک سزا دی جائے گی لیکن اگر الگ الگ باری باری سے اس کو پیش کریں تو الگ الگ سزا اس کو دی جائے گی۔

مسئلہ:۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا اگر چند آدمیوں پر ایک جملہ کہہ کر تہمت لگائے اور نام کسی کا نہ لے تو ایک سزا اس کو ملے گی لیکن اگر الگ الگ نام لے تو الگ الگ سزا ملے گی۔

مسئلہ:۔ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والوں کو کوڑے لگاتے وقت سوائے رداکے باقی کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔

مسئلہ:۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ زانی کی مار شرابی سے سخت ہونی چاہیے اور شرابی کی مار تہمت لگانے والے سے سخت ہونی چاہیے اور تہمت لگانے والے کی مار تعزیر سے سخت ہونی چاہیے۔ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ بہت سخت کر کے مارے جائیں اور نہ نرم۔ بلکہ متوسط انداز سے اس کو سزا دی جائے۔

مسئلہ:۔ تہمت لگانے والے پر اسّی کوڑوں کی حد بھی جاری ہو گی اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی بھی کسی عدالت میں قبول نہ ہو گی۔ کیوں کہ قرآن نے اس کو فاسق کہا ہے۔ اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کر لے تو فسق کا نام تو اس سے ہٹ جائے گا لیکن پھر بھی اس کی گواہی کے قبول ہونے میں اختلاف ہے۔ اور قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شہادت قبول نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ صاف ارشاد ہے کہ ان کی شہادت ابداً قبول نہ کرو۔ البتہ بعد والی آیت میں اس کی توبہ کے قبول

ہونے کا اعلان ہے۔ یعنی اس کے سابق جرم تہمت کو خدا غفور رحیم ہونے کی حیثیت سے بخش دے گا۔ پس وہ فاسق نہ کہلائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ استثناء کا تعلق دونوں باتوں سے ہے یعنی سابق گناہ بھی بخشا جائے گا اور آئندہ کے لئے اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی۔ اور تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور توبہ کا مقصد یہ ہے کہ اعلانیہ اپنی تہمت کو غلط قرار دے اور اللہ سے معافی مانگے۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق زنا کی نسبت دے تو جب تک چار مرتبہ نہ کہے گا شہادت قبول نہ ہوگی (صافی)

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ⑤ وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ

تو تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور جو لوگ تہمت (زنا) دیں

اَزۡوَاجَہُمۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ شُہَدَآءُ اِلَّاۤ اَنۡفُسُہُمۡ

اپنی عورتوں کو اور نہ ہوں ان کے پاس گواہ سوائے اپنے نفسوں کے

فَشَہَادَۃُ اَحَدِہِمۡ اَرۡبَعُ شَہٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ

پس ان کے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہوں ساتھ اللہ کے کہ تحقیق وہ سچا ہے

الصّٰدِقِیۡنَ ⑥ وَالۡخَامِسَۃُ اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَیۡہِ

(نسبت زنا میں) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر

اِنۡ کَانَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ⑦ وَیَدۡرَؤُا عَنۡہَا الۡعَذَابَ

وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) اور ہٹائے گی عورت سے عذاب (سزا)

اَنۡ تَشۡہَدَ اَرۡبَعَ شَہٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ ۙ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ⑧

یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں اللہ کے ساتھ کہ تحقیق وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں)

وَالۡخَامِسَۃَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیۡہَاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ

اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ سچا ہو

لعان کا بیان

وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے پس اگر قذف (تہمت) کے بعد اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلے تو اس کو قذف کی سزا دی جائے گی لیکن عورت اس پر حرام نہ ہوگی اور اگر اپنے قول پر ڈٹا رہے تو اس سے چار دفعہ شہادت لی جائے گی اور وہ اس طرح کہے گا۔ اَشۡہَدُ بِاللّٰہِ اِنِّیۡ لَمِنَ الصَّادِقِیۡنَ فیما رمیتہا بہ اور پانچویں دفعہ بصورت جھوٹ اپنے اوپر لعنت کرے گا اور یہ کہے گا۔ اِنَّ لَعۡنَۃَ اللّٰہِ

عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ فِیۡمَا رَمَیۡتُہَا بِہٖ (پس مرد حد قذف سے بچ جائے گا اور عورت پر رجم ثابت ہوگا) پس اگر وہ اپنے اُوپر عذاب (سزا) کو ہٹانا چاہے تو چار دفعہ شہادت دے گی کہ اَشۡہَدُ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ فِیۡمَا رَمَانِیۡ بِہٖ اور پانچویں دفعہ کہے گی اِنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیَّ اِنۡ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ پس عورت ایسا نہ کرے تو اس پر رجم کی سزا آئے گی اور کرلے تو رجم کی سزا سے بچ جائے گی۔ لیکن مرد پر حرام مؤبّد ہو جائے گی۔ راوی نے پُوچھا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو کس کے ہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ ماں کو ملے گا اور وہ مر جائے تو ماں اس کی وارث ہوگی۔ اور ماں نہ ہو تو ماں کے قریبی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے اور اگر کوئی اس بچے کو ولد الزنا کہے گا تو اس پر قذف کی سزا آئے گی۔ راوی نے پُوچھا اس کے بعد اگر باپ اقرار کرے تو بیٹا اس کو مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں البتہ اس کے اقرار کا یہ اثر ہوگا کہ بیٹا اس کی جائداد کا وارث ہو سکے گا لیکن بیٹے کے مرنے پر یہ اس کا وارث نہ ہوگا۔

الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۹﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ
(نسبت زنا ہیں) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور
رَحۡمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰﴾ ع
اس کی رحمت اور یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا حکیم ہے (تو تمہاری نسل فاسد ہوتی)

آپ سے مروی ہے کہ یہ واقعہ زمانۂ پیغمبر میں ایک صحابی کے پیش آیا تو اُس نے حضورؐ سے شکایت کی۔ آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہ کہا۔ پس وحی نازل ہوئی اور حضورؐ نے اس کو بلا بھیجا۔ اور پوچھا کہ کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور تو نے اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا ہے؟ کہنے لگا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی عورت کو لے آؤ کیونکہ تمہارے متعلق حکم پروردگار پہنچ چکا ہے چنانچہ وہ اپنی عورت کو ساتھ لایا آپ نے پہلے مرد سے چار دفعہ شہادت لی۔ اس کے بعد اس کو وعظ و نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی لعنت کو اپنے اوپر واجب نہ کرو جب وہ اپنے دعویٰ پر مصر رہا تو آپ نے پانچویں مرتبہ اس سے لعنت جاری کرائی پھر عورت سے چار شہادتیں لیں اور وعظ و نصیحت فرمائی کہ اللہ کے غضب سے بچو۔ جب اسے اپنی بات پر مصر پایا تو غضب کا صیغہ اس سے جاری کرایا۔ پس صیغۂ لعان پورا ہونے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جُدائی کا حکم دے دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے لعان تب ہو سکتا ہے کہ مرد دعویٰ کرے کہ میں نے عورت کو زنا کراتے دیکھا ہے۔

مسئلہ ۔ لعان کے وقت امام قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے گا اور لعان کرنے والے عورت و مرد اس کے سامنے قبلہ رخ ہوں گے پہلے صیغہ مرد جاری کرے گا۔ اور بعد میں عورت۔ ایک روایت میں ہے کہ مرد امام کے دائیں اور عورت امام کے بائیں جانب ہوگی۔

مسئلہ ۔ اگر لعان کے صیغہ کے مکمل ہونے سے پہلے مرد اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس پر حدِ قذف

جاری ہوگی اور عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔

مسئلہ:- امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ شوہر اگر عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کی چار شہادتیں لی جاتی ہیں اور قذف کی حد اس پر جاری نہیں ہوتی لیکن اگر عورت کا بھائی باپ یا کوئی اور قریبی یہ بات کہے تو گواہوں کے نہ ہونے کی صورت میں اس پر حدِ قذف جاری ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا مرد کو عورت پر داخل ہونے کا ہر وقت حق حاصل ہے وہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں جب چاہے عورت کے پاس جا سکتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت عورت کو ناجائز حالت میں دیکھے۔ لہٰذا اس کے دعوے کی صحت کا امکان ہے لیکن اور کسی قریبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عورت پر ہر وقت وارد ہو سکے اس لئے اس سے گواہ طلب کئے جائیں گے ورنہ حدِ قذف اس پر جاری ہوگی (ملخصاً)

مسئلہ:- جس طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد لعان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد مرد کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے بلکہ زنا سے پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی لعان کرنے سے حد جاری نہ ہوگی لیکن عورت و مرد ایک دوسرے پر حرام موبّد ہو جائیں گے اور بچے کا نسب باپ سے کٹ جائے گا وہ صرف ماں کو ملے گا۔ ہاں پھر اس کو ولد الزنا کہنے والا حدِ قذف کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ:- ایک روایت میں معصوم سے سوال کیا گیا کہ زنا کے اثبات میں چار گواہ اور قتل کے لئے دو گواہ کافی ہوا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا زنا میں حد دو نفوس پر جاری کی جاتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک کے لئے دو دو گواہ ہونے لازمی ہیں لیکن قتل میں ملزم صرف ایک ہوتا ہے اور سزا کا تعلق اسی ایک سے ہی ہوتا ہے لہٰذا دو گواہ کافی قرار دئے گئے۔

مسئلہ:- قمی سے منقول ہے کہ رسالتمآبؐ نے جب صحابی اور اس کی زوجہ کے درمیان لعان کا صیغہ جاری کرا کے ان کو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا حکم دیا تو صحابی مرد نے عرض کی حضور میں نے اس کو مال دیا ہوا ہے وہ تو مجھے واپس دلوائیے آپ نے فرمایا اگر تو نے اس عورت پر غلط الزام لگایا ہے تو تجھے اس مال کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تو سچا ہے تو اس وقت تک تو نے جو اس کے جسم سے فائدہ اٹھایا ہے وہ اس کے بدلہ میں ہو جائے گا۔

مسئلہ:- مرد پر سات قسم کی عورتیں نسب کے لحاظ سے حرام ہیں اور سات قسم کی عورتیں سبب کے لحاظ حرام ہوا کرتی ہیں۔ جن کی تفصیل تفسیر کی جلد ۴ ص۱۵۴ پر ذکر کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ تین قسم کی عورتیں بطور سزا کے مرد پر حرام موبد ہو جایا کرتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی مرد کسی منکوحہ شوہر دار عورت سے زنا کرے یا اس کی عدت کے اندر اس سے زنا کرے تو وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے اور علمائے امامیہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

(۲) اگر مرد اپنی کم سن بیوی سے مجامعت کرے اور افضا ہو جائے یعنی اس کے مقام پیشاب اور مقام حیض کا درمیانی پردہ پھٹ جائے تو اس صورت میں وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر مرد عورت کو زنا کی تہمت دے یا بچے کے حلالی ہونے کا انکار کرے پس حاکم شرع کی عدالت میں لعان تک

نوبت پہنچ جائے تولعان کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔
وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ۔ لولا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمہاری نسل بگڑ جاتی یا تم پر عذاب فوری آجاتا وغیرہ
اور عیاشی سے منقول ہے کہ فضل سے مراد رسالت مآبؐ اور رحمت سے مراد ولایت آئمہ ہے (برہان)

رکوع نمبر ۸ قصۂ افک

سُنّی مفسّرین نے بروایت زہری اس کا شان نزول جو بیان کیا ہے اور اسے تفسیر مجمع البیان میں بھی نقل کیا گیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک مقام پر قیام ہوا تو حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے دور نکل گئیں اور ان کا ہار گم ہو گیا۔ تو پھر واپس اس کے ڈھونڈھنے چلی گئیں۔ اتنے میں قافلہ نے کوچ کیا اور عائشہ کے خالی کجاوہ کو اُونٹ پر لاد کر روانہ ہوئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ عائشہ اس میں سوار ہے بعد میں صفوان نامی ایک شخص جو رات کو کہیں پیچھے رہ گیا تھا صبح سویرے اس مقام پر پہنچا تو عائشہ کو تنہا پایا پس اس کو اونٹ پر سوار کرکے تیزی سے سفر کیا اور قافلہ کو پالیا جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے پس لوگوں کی بدگمانیوں کا دروازہ کھل گیا اور سافتراپردازی میں جتنے منہ اتنی باتیں ظاہر ہوئیں حضورؐ کی طبیعت پر بھی اثر پڑا پس یہ آیتیں نازل ہوئیں اور افتراپردازی میں سب سے بڑا پارٹ ادا کرنے

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ
تحقیق جو لوگ لائے بہتان ایک ٹولہ ہے تم میں سے نہ خیال کرو اس کو بُرا
شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا
اپنے لئے بلکہ وہ اچھا ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصّہ ہوگا
اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ
جو کمایا اس نے گناہ سے اور وہ جس نے بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس

والا عبد اللہ بن ابی سلول تھا جو اس بات کو خوب ہوا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ صفوان اور عائشہ نے جو اکیلے رات گذاری ہے۔ پس دال میں کالا کالا ضرور ہے اور وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ کا مصداق یہی شخص ہے۔

اور تفاسیر امامیہ میں ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ ام المومنین کے ہاں جب ابراہیم فرزندِ رسول پیدا ہوا تو دوسری ازواجِ رسول کو حسد پیدا ہوا اور عائشہ و حفصہ اس میں پیش پیش تھیں پس یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم جناب رسالتمآبؐ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات اپنے غلام جریح کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ بچہ اسی کا ہے۔ حضورؐ کو اس بات کا کافی قلق ہوا۔ پس آپ نے حضرت علی کو ذوالفقار سے جریح کا کام تمام کرنے کا فرمان دیا اور جلد بازی سے منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی جب حجرۂ ماریہ میں پہنچے تو دیکھا کہ جریح اور ماریہ ایک جگہ موجود ہیں اور جریح ماریہ کو سلطانی آداب کا درس دے رہا ہے اور پیغمبر کی تعظیم و تکریم کی تلقین کر رہا ہے۔ تلوار برہنہ دیکھ کر جریح کے دل میں خوف طاری ہوا۔ پس وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کھجور

کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ہوا کے جھونکے سے اس کا لباس سنبھلا نہ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک نامرد غلام ہے (نہ وہ مرد ہے نہ عورت) پس حضرت علی اس کو خدمتِ رسالت میں لائے۔ اور سارا ماجرا بیان کیا اور یہ آیتیں ماریہ کی پاکدامنی کی ترجمانی کے لئے اتریں۔ یہ روایت تفسیر برہان وصافی میں مفصلاً امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہما السلام سے مختلف سندوں سے منقول ہے۔ نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور امام رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۱) لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ

کے لیے بڑا عذاب ہوگا — کیوں نہیں کہ جب تم نے یہ بات سنی تو گمان کرتے مومن مرد اور

وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُبِينٌ (۱۲)

عورتیں اپنے نفسوں پہ اچھائی کا اور کہتے کہ یہ صاف بہتان ہے

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ پس جب گواہ نہیں لائے

بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ (۱۳)

تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں تو

لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۴)

پکڑ لیتا تم کو بوجہ اس کے جس بات میں تم گھسے تھے بڑا عذاب

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا

جب زبان و زبانی ایک دوسرے سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم

بِأَنْفُسِهِمْ۔ یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے اُن پر اچھا گمان کیوں نہ کیا جو ان کے لئے اپنے نفسوں کی طرح تھے کیونکہ سب مومن ایک دوسرے کے ساتھ نفس واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حکم ہے کہ دوسرے مومن کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور کیوں نہ اس کو افک اور بہتان قرار دیا؟ پھر کیوں نہ چار گواہ پیش کئے۔ یہ سب تنبیہات ہیں۔ کہ مومن کو ایسی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیے خصوصاً ام المومنین کے حق میں زبان کشائی قطعاً مومن کو زیب نہیں دیتی اور جب عام مومنوں پر حسنِ ظن کا حکم ہے تو اپنی ماں پر بدگمان ہونا کہاں کی شرافت ہے؟

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ یعنی سنی سنائی باتوں کو باور کر لیتے تھے اور پھر آگے پھیلانا شروع کر دیتے تھے جو قطعاً خلاف عقل و دیانت ہے اور

بعید از شرافت ہے۔ تُلَقَّوْنَهٗ بِاَفْوَاهِكُمْ کا معنی ہے اپنے مونہوں سے دوسروں تک پہنچانا۔ اور تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
کا معنی ہے ایک دوسرے سے زبان در زبانی بات قبول کرنا۔

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ
کو کوئی علم نہ تھا اور تم اس کو خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک غیر معمولی

عَظِيْمٌ ⑮ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ
ہے اور کیوں نہیں جب تم نے اس کو سنا تھا تو کہتے کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ

اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯
ایسی باتیں کریں تو پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان ہے

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ
اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم ہو

مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
مومن اور بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور وہ خدائے علیم و

حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
حکیم ہے تحقیق جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیلے بری بات ان لوگوں میں

فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا و آخرت میں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
اور اللہ جانتا ہے حالانکہ تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل

وَلَوْلَآ۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مومن کے متعلق کوئی ایسی بات کرے جس میں اس کے کردار پر حملہ ہو تو تمام مومنوں پر واجب ہے ایسی بات مت سنیں اور بیان کرنے والے کو فوراً ٹوک دیں جب تک اس کے پاس گواہ عادل موجود نہ ہوں ورنہ افترا کا گناہ ہوگا۔

سُبْحٰنَكَ۔ اس مقام پر تنزیہ پروردگار کا کلمہ اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے

غیبت اور بہتان میں فرق

اِنَّ الَّذِيْنَ۔ کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں ہو اس کو غیبت کہتے ہیں۔ اور کسی کی ایک ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں نہ ہو اس کو بہتان کہتے ہیں اور یہ دونوں گناہ کبیرہ میں داخل ہیں۔ جب انسان کسی دوسرے کو ایک گناہ کرتا ہوا دیکھے اور گواہ نہ موجود ہوں پھر اس کو آگے بیان کرے تو شرعاً اس کو بھی افترا اور بہتان سمجھا جائے گا اور حاکم شرع کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی

خداوند کریم مومنوں کو لوگوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع فرماتا ہے۔ پس مومن کا حق یہ ہے کہ اس کی بُرائی بیان نہ کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دُعا خیر کرے اور دوسروں کی غلطی دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور اپنی اسی قسم کی یا اس سے سنگین غلطیوں کی اللہ سے معافی طلب کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی برائی بیان کرے وہ اسی آیت کا مصداق ہے۔ ایک شخص نے امام موسے کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! بعض اوقات میرے پاس مومن کا شکوہ پہنچتا ہے جو مجھے ناگوار ہوتا ہے۔ جب اس سے اس کا ذکر کرتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو بری الذمہ بناتا ہے حالانکہ جن لوگوں نے مجھے بتایا تھا وہ بھی جھوٹ بولنے والے نہیں تھے آپ نے فرمایا مومن بھائی کے متعلق اپنی آنکھوں اور کانوں کو بھی جھوٹا سمجھو۔ اگر پچاس آدمی اس کا عیب بیان کریں اور وہ اپنی صفائی پیش کرے تو ان سب کو جھوٹا سمجھو اور اس کی بات مان لو اور اس کی کسی غلطی کو اچھالنے کے درپے نہ ہو۔ اور اس کے متعلق کوئی ایسی بات مت کرو جس سے اس کی عزت و شان میں فرق پڑتا ہو ورنہ اسی آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ درگذر کرنے والا رحیم ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) اے وہ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ
جو ایمان لائے ہو نہ اتباع کرو۔ شیطان کے نقش قدم کی اور جو اتباع کرے گا نقش قدم
الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ
شیطان کی تو وہ تو حکم دیتا ہے بدکاری اور برائی کا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ
فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن
وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾
اللہ پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے۔ حضرت علی کی کتاب میں ہے ایک دن جناب رسالت مآبؐ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کبھی کسی مومن نے دنیا و آخرت کی بھلائی نہیں پائی مگر اللہ پر حسنِ ظن رکھنے سے اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ

توبہ اور استغفار کے بعد اللہ کسی مومن کو گرفتارِ عذاب نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ اللہ پردہ یدخلن ہو جائے۔ اور مومنوں کی غیبت کا مرتکب ہو جائے۔ (برہان نقلاً عن کتب الشیعہ)

رکوع ۹

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ آیت مجیدہ میں شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے اور قرآن کا سیاق بتاتا ہے کہ مومن کی برائی بیان کرنا اور سننا اور اس کو اچھالنا شیطانی اتباع ہے پس مومن کا مومن پر حق ہے کہ جب ایک کا گلہ دوسرے کے سامنے ہو تو وہ بیان کرنے والے کو ٹوک دے ورنہ اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہو اور یہ ہے مومن بھائی کی غیبی امداد چنانچہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مالک اشتر کا گذر بازار کوفہ سے ہوا تو دیکھا کہ ایک دوکان میں اس کا گلہ جاری ہے پس اس جانب سے کپڑا لٹکا لیا اور ان سُنی کر کے آگے بڑھ گئے۔ اتنے میں گلہ کرنے والے سے کسی نے کہہ دیا کہ مالک اشتر یہی تھے جو ابھی کپڑے کا دامن منہ کے آگے لٹکا کر گذر گئے وہ شخص فوراً شرمندگی محسوس کر کے معافی طلب کرنے کیلئے پیچھے دوڑا۔ حضرت مالک اشتر ایک مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو اس شخص نے معافی مانگ لی۔ پس مالک اشتر نے جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہی مسجد میں آیا ہوں اور یہ دو رکعت نماز بھی تیری بخشش کے لئے پڑھی ہے اور تیری بخشش کے لئے ہی خدا سے دعا کا طالب ہوں یہ کردار تھا علی کے شیعوں کا جن کے نقشِ قدم پر چلنا ہمارے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔

لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ ۔ اس کلمہ کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے لیکن آیت نمبر ۲۰ میں مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتو تم جو بھی کسی مومن بھائی کی غیبت اور شکوہ میں مصروف ہوتے ہو اور اس کی برائی کو اچھالتے ہو تو تمہیں فوراً گرفتارِ عذاب کر لیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے فضل سے تم کو توبہ و استغفار کا موقعہ دیا ہے۔ پس وہ فوری عذاب نہیں بھیجتا اور آیت نمبر ۲۱ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے تمہارے عیوب پہ پردہ ڈالے ہوئے ہے ورنہ اگر وہ پردہ اٹھا دے تو تم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کا دامن داغدار نہ ہو پس اس کی پردہ پوشی ہی تمہاری پاکیزگی کی ضامن ہے۔ نیز اس کا یہ بھی فضل ہے کہ تم جب ایک دوسرے کی پردہ دری کرتے ہو اور پھر معافی مانگ لیتے ہو تو اللہ اس کو قبول کرتا ہے اور تمہیں پاکبازی کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اللہ کا یہ فضلِ عمیم اور احسانِ جسیم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہو سکتا پس ایک دوسرے سے اعتماد ختم ہو جاتا اور انسانی تمدنی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہ سکتی۔ بس حسنِ ظن ہی کے نتیجہ میں اور اللہ کی پردہ پوشی کے ہی طفیل سے دنیا والوں کی ساکھ قائم ہے اور نظامِ تمدنی کو بقا حاصل ہے۔ والحمد للہ۔

وَلَا یَاْتَلِ :۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر کا خالہ زاد بھائی مہاجر اور بدری بھی تھا بوجہ تنگ دستی و افلاس کے حضرت ابوبکر اس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے جب حضرت عائشہ پر الزام و اتہام کے قصے کو ہوا دی گئی۔ تو یہ شخص بھی انہیں میں سے ہو گیا پس ابوبکر نے اس سے قطع تعلق کر لی اور قسم کھا لی کہ آئندہ اس کی کسی قسم کی مدد نہ کروں گا۔ اسی طرح بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی روایات وارد ہیں۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو درگذر کی تلقین کی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ بعض لوگ عوام شیعہ کے سامنے یہ آیتیں پیش کر کے حضرت عائشہ کی فضیلت کے گن گاتے ہیں اور شیعہ عوام کو کوستے

ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شیعہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ کی پاکدامنی اور عفت میں شک کرتا ہو بلکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے انبیاء و اوصیاء کی بیویاں اگرچہ کافر ہوں پاک دامن اور پاکباز ضرور ہوتی ہیں چنانچہ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کو قرآن نے کافروں کے زمرہ میں بیان فرمایا ہے لیکن شیعہ مذہب کی رو سے ان کا کردار ملوث نہ تھا بنابریں شیعہ مذہب حضرت عائشہ کو افک کے قصہ میں بری الذمہ سمجھتا ہے البتہ شیعوں کو حضرت عائشہ سے یہ اختلاف ہے کہ اس نے حضرت علی پر خروج کرکے اور وصیت پیغمبر کو پس پشت ڈال کر ایمان کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا۔ پس وہ ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي
اور نہ کوتاہی کریں صاحبان فضل و وسعت تم میں سے کہ دیں قرابتیوں اور
الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا
مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اور معاف کریں
وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ
اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بخش دے تم کو اور اللہ غفور رحیم
رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ
ہے تحقیق جو لوگ بہتان لگاتے ہیں پاکدامن عفت پسند اور ایماندار عورتوں
الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
پر ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے بڑا عذاب
عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ
ہوگا جس دن گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور
وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ
ان کے پاؤں ان کاموں کی جو کرتے تھے اس دن پوری دے گا

يَوْمَ تَشْهَدُ۔ یعنی بروز قیامت جب گنہگار انسان اپنے کرتوتوں کا انکار کریں گے تو ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پس محشر کے بھرے میدان میں شرمندہ ہو کر جہنم جائیں گے۔ اور اعضا کی گواہی کی نوعیت کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دِينَهُمُ الْحَقَّ۔ اس مقام پر دین کا معنی ہے بدلہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین کا معنی مذہب ہو اور جزا مضاف محذوف ہو یعنی اللہ ان کو اپنے دین کی جزائے صحیح دے گا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ الخ - آیت مجیدہ کے معنی میں تین اقوال ہیں۔ (۱) جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ زانی مرد کو مومنہ عفیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ بدکار یا مشرک عورتوں سے شادی کر لیا کریں۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو مومن پاکباز مردوں کے حبالۂ عقد میں نہیں جانا چاہیے بلکہ وہ زانیوں اور مشرکوں کے لئے ہی موزوں و مناسب ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں چند مرد و عورتیں اعلانیہ بدکار و زانی تھے پس مومنوں کو ان کے رشتہ ناطہ سے منع کیا گیا پس اس مقام پر دوبارہ اسی حکم کا اعادہ فرمایا ہے کہ خبیث عورتوں کو خبیث مردوں کے لئے رہنے دیا جائے اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مناسب ہیں اسی طرح پاکدامن عورتیں پاکباز مردوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور یہ لوگ عامۃ الناس کی بدگمانیوں اور اتہامات سے بری الذمہ ہوتے ہیں (۲) بری باتیں بُرے مردوں کے لئے زیبا ہیں اور بُرے مرد بُری باتوں کے لئے موزوں ہیں اور اچھی باتیں اچھے مردوں کو زیب دیتی ہیں۔ اور اچھے مرد اچھی باتوں کو اپنایا کرتے ہیں (۳) بدکرداری بدطینت مردوں کے لئے اور بدطینت مرد بدکرداری کے لئے ہیں اور اچھے اعمال نیک طینت مردوں کے لئے اور نیک طینت مرد اچھے اعمال کے لئے ہیں۔ پہلا قول صادقین علیہما السلام سے مروی ہے (عن المجمع)

اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ (۲۵)

خدا ان کو جزا صحیح اور جان لیں گے تحقیق اللہ ہی حق مبین ہے

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے

لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ

ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں وہ بری ہیں

مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۲۶) ع

ان (اتہامات) سے جو کہتے ہیں (لوگ) ان کے لئے بخشش اور رزق باکرامت ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو نہ اندر جاؤ گھروں کے اپنے گھروں کے سوا

رکوع ۱۰ غیر کے گھر میں داخلے کی ممانعت

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا الخ - اس مقام پر استیناس استیذان کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا مطلوب ہو تو بلا اطلاع اور بلا اجازت اندر نہ جاؤ خواہ کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کسی اجنبی کا گھر ہو پس مومن کو چاہیے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر یا تو اندر آنے کے لئے صراحتاً آواز کر کے پوچھ لے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے اذن طلبی سمجھی جاتی ہو

شلاً کھانس لے یا جوتے کو زور زور سے زمین پر مارے یا تسبیح و تحمید کی آواز زبان سے بلند کرے تاکہ صاحب خانہ سمجھ جائے کہ کوئی اندر آنا چاہتا ہے پس وہ سنبھل جائے۔ ارشاد ہے۔ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا (رکوع نمبر ۱۴ پ ۱۸) یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی دوسرے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں۔ اس آیت میں استیذان کا لفظ ہے مروی ہے ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا ماں کے پاس جانے کے لئے بھی اجازت کی ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ اس کا میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔ تو کیا ہر دفعہ میں اذن حاصل کر کے اندر جاؤں؟ آپ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے جسم پر نگاہ کرے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اجازت لے کر جایا کرو۔

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ) اچھا ہے

لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ

تمہارے لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اگر نہ پاؤ اس میں کوئی آدمی تو

اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ

نہ اندر جاؤ اس کے یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم کو کہا

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ اندر جاؤ ایسے گھروں کے

تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ

جو رہائشی نہ ہوں کہ ان میں تمہارا فائدہ ہو اور

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

مسئلہ۔ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بیٹے کو باپ کے ہاں جانے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے لیکن باپ کو بیٹے کے گھر جانے کے لئے اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی یا بہن شادی شدہ ہوں تو ان کے گھروں میں جانے کے لئے

اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

وَتُسَلِّمُوْا ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں جانا چاہو تو پہلے سلام دو پھر اجازت لے کر اندر جاؤ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تسلیم کا عطف استیناس پر عطف بیان ہے یعنی اذن حاصل کرو بایں طور کہ پہلے سلام کہو چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے ایک شخص دروازہ پیغمبر پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت لینے کی غرض سے کھانسا پس آپ نے ایک عورت روضہ نامی کو فرمایا کہ دروازہ پر جاؤ اور اس کو یہ بات سکھاؤ کہ پہلے السلام علیکم کہے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرے۔ چنانچہ اس نے باہر یہ بات سن لی اور اس پر عمل کیا تو آپ نے اجازت دے دی۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ۔ یعنی اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو بجائے داخل ہونے کے واپس پلٹ جانا چاہیے۔ اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو اور وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے اور کہے کہ واپس چلے جاؤ تو بھی واپس چلا جانا چاہیے۔

غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ ۔ یعنی غیر آباد اور غیر رہائشی مکانات میں جانا ممنوع نہیں ہے اور اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) مہمان خانے مسافر خانے ہوٹل اور حمام وغیرہ اس سے مراد ہیں۔ پس ضرورت کے تحت ان میں جایا جا سکتا ہے

(۲) اس سے مراد خرابے اور اُجاڑ مقامات ہیں جہاں قضائے حاجات کے لئے انسان جا سکتا ہے۔

(۳) تجارتی منڈیاں اور مال گودام وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں جن میں لوگوں کے سامان جمع ہوتے ہیں پس ہر شخص اپنی غرض سے وہاں جا سکتا ہے

(۴) دوران سفر میں مسافروں کی قیام گاہیں مراد ہیں۔ اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ایک معنی مراد لیا جائے جس میں یہ سب چیزیں آجائیں تو بہتر ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ ۔ یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو بظاہر اصاف نیت سے کسی گھر میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کی نیت میں برائی ہوتی ہے پس وہ گھروں میں لوگوں کی عیب جوئی کے لئے جاتے ہیں۔ پس فرمایا کہ میں ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں۔ اور ان آیات مجیدہ میں معاشرۂ انسانیہ کی بہتری و عمدگی کے لئے جو درس دیا گیا ہے۔ اگر انسان صحیح طور پر اس کا عامل ہو جائے تو یقیناً معاشرے کی اکثر و بیشتر خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

پردہ کا حکم

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا

کہہ دو مومنوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے) اور بچائیں اپنی

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے تمام مومنوں کو ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھنے کا حکم دیا ہے جس کا دیکھنا حرام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں حفظ فرج کا حکم ہوا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن اس مقام پر حفظ فرج سے مراد پردہ

یعنی اپنی آنکھوں کو دوسروں کی شرمگاہوں کے دیکھنے سے بچاؤ اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے بچاؤ۔ اور یہی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا مرد کے لئے مرد کی شرمگاہ کا دیکھنا بھی حرام ہے اور عورت کے لئے عورت کی شرمگاہ کا دیکھنا بھی حرام ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ۔ اس جگہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھیں جس کا دیکھنا حرام ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں تاکہ غیر کی نظر اس پر نہ پڑے خواہ عورت ہو یا مرد۔

فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۳۰)

شرمگاہوں کو (حرام سے) یہ بہتر ہے ان کے لئے تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ

اور کہہ دو مومن عورتوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے) اور بچائیں اپنی شرمگاہوں کو

فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ

(حرام سے) اور نہ ظاہر کریں اپنے (مقام) زینت مگر جو ظاہر ہوں ان میں سے اور

لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

ڈال لیں اپنی اوڑھنیاں اوپر اپنے سینوں کے اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ

مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے

اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

بیٹوں کے لئے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا بھائیوں کی اولاد کے لئے

وَلَا يُبْدِيْنَ۔ عورت کو اپنی زینت کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور زینت سے مراد مقام زینت ہے یعنی ہر نامحرم سے اپنے مقامات زینت کو پوشیدہ رکھیں سوائے ان مقامات کے جو کام کاج کے وقت بالعموم کھلے رہتے ہیں اور اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) لباس خلخال کنگن اور جھمکے مراد ہیں۔ (۲) آنکھوں کا سرمہ انگوٹھی، رخسارے اور ہتھیلیوں کا خضاب مراد ہے (۳) آنکھوں کا سرمہ کنگن اور انگوٹھی مراد ہے (۴) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں بہرکیف علمائے امامیہ کے نزدیک عورت پر پردہ اس طرح واجب ہے کہ اپنے تمام اعضا حتے کہ بال بھی تمام نامحرموں سے پوشیدہ رکھے اور عورت کے وہ اعضاء جو بالعموم کام کاج کے لئے اور گھریلو ضرورتوں یا معاشی مجبوریوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ نامحرم لوگوں پر واجب ہے کہ

ان کی طرف نظر نہ اٹھائے چنانچہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔ پس اتفاقی نظر پڑجانا گناہ نہیں لیکن عمداً شہوت سے بار بار دیکھنا گناہ ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ۔ عورت کے لباس میں ضروری ہے کہ قدم ٹخنوں تک ڈھکے ہوئے ہوں اور ہاتھ پہنچیوں تک پوشیدہ ہوں اور اس کے بال مقنعہ سے چھپے ہوں پھر اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصہ سے اپنے سینہ اور چھاتیوں کو ڈھانپ لیں کہ دیکھنے سے کوئی حصہ نمایاں معلوم نہ ہو اور گھر سے نکلیں تو نظر نیچی ہو۔ اور وقار سے چلیں اور یہی پردہ کا صحیح مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں جن لوگوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب نہیں ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) شوہر (۲) باپ (۳) شوہر کا باپ (۴) بیٹے (۵) شوہر کے بیٹے (۶) بھائی (۷) بھائیوں کی اولاد (۸) بہنوں کی اولاد (۹) مومن عورتیں (۱۰) کنیزیں (۱۱) وہ خدمت گار جن میں مردوں کی خواہش نہ رہی ہو۔ مثلاً احمق یا بوڑھا (۱۲) کم سن بچے۔ آیت مجیدہ میں مومنہ عورتوں کا مومنہ عورتوں اور کنیزوں سے پردہ نہیں ہے۔ گویا کافروں۔ مشرکوں یہودیوں نصرانیوں اور مجوسیوں کی عورتوں سے بھی ان کو پردہ کرنا چاہیے تاکہ وہ گھروں میں جاکر اپنے مردوں کے سامنے ان کا حلیہ و صورت نہ بیان کریں۔

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

یا بہنوں کی اولاد کے لئے یا اپنی (مومن) عورتوں کے لئے یا اپنی کنیزوں کے لئے یا ان

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ

خدمت گاروں کے لئے جو نہ خواہش رکھتے ہوں مردوں میں سے یا وہ بچے جو

الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ

نہ مطلع ہوں عورتوں کی شرمگاہوں پر اور نہ قدم (زمین پر) زور سے ماریں

بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا

تاکہ پتہ چلے اس کا جو مخفی ہے ان کی زینت سے اور توبہ کرو اللہ

إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۳۱)

کی طرف سب اے ایمان والو! تاکہ چھٹکارا پاؤ

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ محرم مرد عورت پر کس حد تک نظر کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محرم مرد کے لئے عورت کا چہرہ ہتھیلیاں اور قدم دیکھنا جائز ہے نیز آپ نے فرمایا کہ اہل تہامہ کی عورتیں بدوی عورتیں۔ دیہاتی عورتیں اور کافر عورتیں چونکہ روکنے سے رکتی نہیں ہیں لہذا ان کی طرف نظر کرنا گناہ نہیں ہے اسی طرح دیوانی اور پاگل عورتوں کی طرف نظر کی جاسکتی ہے اور ان کے بال اور جسم کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتفاقی ہو عمداً نہ ہو۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا ذمی عورتوں کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ لہذا ان کے بال اور ہاتھوں کو دیکھا جاسکتا

maablib.org

ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ جس عورت سے شادی کرنے کا خیال ہو تو کیا اس کو غور سے دیکھنا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری روایت میں ہے اس کا چہرہ اور کلائیاں دیکھنا جائز ہے ایک تیسری روایت میں ہے کہ اس کے بال اور مقاماتِ حسن کو بھی دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ بری نظر سے نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زر خرید غلام اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف نظر کر سکتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کا ملازم ہے جو خصی ہے کیا وہ گھر میں خدمت کرتے ہوئے عورتوں کے بالوں کی طرف دیکھ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔

عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ۔ جیوب جمع ہے جیب کی اور یہاں سینہ مراد ہے یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصّہ کو سینہ پر ڈال دیں تاکہ نمائش نہ ہو سکے۔

اُولِی الْاِرْبَةِ۔ ارب یارب سے فِعْلَةٌ کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے خواہش۔

تنبیہ۔ ہمارے ہاں جو پردہ رائج ہے اس میں شرعی پابندیوں کا بہت کم لحاظ رکھا جاتا ہے مثلاً بعض خاندانوں میں پردہ صرف ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اس خاندان کے افراد نہ ہوں۔ اور یہ رواج اکثر سادات خاندانوں میں پایا جاتا ہے بعض خاندانوں میں نیچ قوموں کے افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا اور وہ خدمت گذاری یا دیگر ضروری اُمور کے لئے آزادانہ طور پر گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ یہ رواج بڑے بڑے گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں میں پردہ کا رواج اس طرح ہے کہ ننھیال اور ددھیال سے پردہ نہیں ہوتا۔ باقی ہر ایک سے پردہ ہوتا ہے۔ آیت مجیدہ میں صاف و صریح الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ ہر نامحرم سے پردہ واجب ہے اور جن جن لوگوں کو محرم بیان کیا گیا ہے اُن کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ اور پردہ کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھے اور گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنی نظر کو نیچا رکھے تاکہ غیر محرم سے آنکھیں دوچار نہ ہوں۔ خواہ رسمی برقعہ سر پر ہو یا نہ ہو۔ سر کی اور اوڑھنی برقعہ کا کام بخوبی دے سکتی ہے جس طرح ایرانی عورتوں میں رواج ہے۔ اور مردوں پر بھی واجب ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ البتہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور طبیب و ڈاکٹر کے لئے بیمار عورت کی طرف تشخیص مرض و علاج کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ پس باریک لباس پہن کر عورتوں کا گھروں سے نکلنا یا نیم برہنہ لباس میں ملبوس ہو کر سڑکوں بازاروں اور کوچوں گلیوں میں پھرنا آوارگی ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ خدا مومن عورتوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

شادی کرنے کا حکم

اَلْاَیَامٰی۔ یہ ایم کی جمع ہے اصل میں ایایم تھا۔ خلاف قیاس اس کو قلب کر کے ایامیٰ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی ہے غیر شادی شدہ خواہ مرد ہو یا عورت اور کنوارہ ہو یا رانڈہ اور رنڈوا کا امر بتلاتا ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی شادی کرنا یا کرانا مستحب کام ہے۔ نکاح کا معنی ہے خود شادی کرنا اور انکاح کا معنی ہے کسی دوسرے کی شادی کرانا اور منکم کی ضمیر مخاطب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آزاد مرد و عورت جو تم میں سے

ہوں۔ ان کی شادی کراؤ اور اس کے بعد دوسرا حکم ہے کہ غلام و کنیزیں جو نیک اور مومن ہوں۔ ان کی بھی شادی کرانا اللہ کو

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ
اور نکاح کرو اپنے رانڈوں کا اور نیک غلاموں اور
اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
کنیزوں کا اگر نادار ہوں گے تو ان کو غنی کر دے گا خدا اپنے فضل سے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
اور خدا وسیع قدرت و علم والا ہے اور پاکدامن رہنا چاہیے ان کو جو نہیں کر سکتے نکاح اوجہ
نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ
ناداری کے ایماں تک کہ خدا ان کو غنی کر دے اپنے فضل سے اور جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا
الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ
تمہارے غلاموں میں سے تو ان کو مکاتب بنا لو اگر جانتے ہو ان میں خوبی اور دہ ان
فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا
کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا اور نہ
تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو برائی پر اگر وہ چاہیں پاک دامنی تاکہ حاصل کرو
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ
فائدہ دنیاوی زندگی کا اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس

محبوب ہے۔
اِنْ يَّكُوْنُوْا۔ یہ آزاد لوگوں کی شادی سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ فقیر و نادار ہوں گے تو خدا ان کو غنی کر دے گا غلاموں اور کنیزوں سے اس کا اس لئے تعلق نہیں کہ ان کا نفقہ مالکوں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ جو شخص میری فطرت کو دوست رکھتا ہو۔ اس کو چاہیئے کہ میری سنت پر عامل ہو اور میری سنت ہے نکاح۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اے نوجوانو! اگر تم میں طاقت ہے تو ضرور شادی کرو کیونکہ شادی کرنے سے آنکھ میں حیا رہتا ہے اور شرمگاہ میں عفت رہتی ہے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھتا رہے تاکہ حرام کار نہ بن سکے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔ شِرَارُكُمْ عُزَّابُكُمْ یعنی تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو شادی نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جس شخص کا لڑکا جوان ہو جائے اور اس کی شادی کر سکنے کے باوجود

نہ کرے پس لڑکے سے غلطی سرزد ہو جائے تو گناہ میں دونوں (باپ و بیٹا) شریک ہوں گے۔ آپ سے مروی ہے کہ خدا نے عرش کے اوپر چار قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی اور فرشتوں نے آمین کہی ہے۔ (۱) وہ شخص جو کنوارا رہنا پسند کرے اور شادی نہ کرے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو (۲) وہ مرد جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے حالانکہ خدا نے اس کو مرد پیدا کیا ہے (۳) وہ عورت جو مردوں سے مشابہت پیدا کرے حالانکہ خدا نے اس کو عورت بنایا ہے (۴) لوگوں کو پھسلانے والا جوان سے مسخری کرے۔ مثلاً کسی مسکین سے کہے ادھر آؤ کہ میں تم کو کچھ دوں پھر اس کو خالی پلٹا دے یا کسی اندھے سے کہے خیال کرو آگے گھوڑا کھڑا ہے حالانکہ آگے کچھ نہ ہو یا کوئی آدمی کسی کے گھر کا راستہ پوچھے اور وہ اس کو الٹی طرف کا راستہ بتا دے وغیرہ۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا جو شخص ناداری کے خوف سے شادی نہ کرے۔ گویا اس نے اللہ پر بدگمانی کی کیوں کہ خدا فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم نادار ہو گے تو میں تم کو غنی کر دوں گا۔ چنانچہ مروی ہے ایک شخص نے حضور کی بارگاہ میں اپنے فقر و فاقہ کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے شادی کر لی اور اللہ نے اس کو رزق وسیع عطا فرما دیا

بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
مجبوری کے بعد غفور رحیم ہے اور تحقیق ہم نے اتاری
اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا
تم پر نشانیاں واضح اور خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۱۰
گذرے اور نصیحت متقی لوگوں کے لئے۔

تفسیر برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی نے اپنی غربت کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ پہلے سے بھی زیادہ نادار ہو گیا پھر اس نے آکر شکوہ پیش کیا تو آپ نے طلاق کا حکم دیا پس اس نے طلاق دے دی پھر جو آپ نے اس سے احوال پرسی کی تو اس نے عرض کی کہ میں خوشحال ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نے ہر دو دفعہ تجھے اللہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا تھا۔ خدا غیر شادی شدہ لوگوں کو فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم غریب و نادار ہو گے تو میں تم کو غنی کر دوں گا۔ پس میں نے تجھے پہلی دفعہ یہی حکم دیا اور دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی میاں بیوی دونو ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو خدا ہر دو کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ لہٰذا دوسری دفعہ میں نے تجھے اس آیت کے ماتحت طلاق کا حکم دے دیا۔

انکحوا کے امر سے یہ بات بالکل واضح و عیاں ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی ہو اور دوسرا مومن شادی کی ضرورت رکھتا ہو اور

اس کے اخراجات بھی ادا کر سکتا ہو پس خواستگاری کرے تو اس کو رد نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی معقول شرعی عذر اس کے پاس موجود ہو تو اس کی خواستگاری کو رد کیا جا سکتا ہے اور جہاں لڑکی والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ خواستگاری کرنے والے مومن کو بلا عذر شرعی رد نہ کریں وہاں غیر شادی شدہ مرد کو بھی تلقین صبر کی گئی ہے کہ اگر وہ شادی کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور اس کے اخراجات کی کفالت نہ کر سکتے ہوں تو لیستعفف یعنی عفیف و پاکدامن بن کر رہیں۔ حرامکاری کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس اپنے نفس پر قابو پاکر رہیں یہاں تک کہ خدا ان کی مالی حالت کو اچھا کر دے۔ گویا صبر کرنا اور حکم خدا کے ماتحت پاکدامن رہنا غنا کا پیش خیمہ ہے۔ پس خدا اپنے فضل و کرم سے ایسے نوجوانوں کو رزق حلال فراوانی سے عطا فرمائے گا۔ اور آیت مجیدہ میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ۔ اس آیت مجیدہ میں غلاموں کی کتابت کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غلام کی قیمت مقرر کر لی جائے اور غلام سے کہا جائے کہ تم اپنی مقررہ قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ مشروط اور مطلق۔

مکاتب مشروط	وہ غلام جس کی قیمت ڈال کر یہ شرط لگا دی جائے کہ جب تک پوری قیمت نہ ادا کرو گے پورے غلام رہو گے حتیٰ کہ اگر ایک پیسہ بھی قیمت میں سے ادا نہ ہو سکا تو وہ پورے کا پورا غلام رہے گا۔
مکاتب مطلق	وہ غلام جس کی قیمت مقرر کر کے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اپنی قیمت میں سے وہ جس قدر ادا کرتا جائے گا اسی قدر آزاد ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر اس کی قیمت میں سے ادائیگی رہ جائے گی۔ اسی نسبت سے وہ

غلام رہ جائے گا۔

آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ اگر غلام تم سے خواہش کریں مکاتب ہونے کی تو تم بخل سے کام نہ لو بلکہ خندہ پیشانی سے ان کو مکاتب بناؤ بشرطیکہ ان میں خیر اور بھلائی تم کو معلوم ہو۔ اور تفسیر صافی میں بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خیر کا معنی یہ ہے کہ وہ کلمہ توحید و نبوت پڑھتا ہو اور رقم کمالینے کا فن اور ہنر اس کے ہاتھ میں ہو جس کے ذریعے سے کما کر اپنا مقررشدہ مال کتابت ادا کر سکتا ہو۔ اور کافی کی روایت میں آپ سے منقول ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے غلام کتابت کرانا چاہتا ہے حالانکہ مالک کو پتہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑا یا بہت کچھ مال ہی نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اس کو مکاتب بنائے خواہ وہ بھیک مانگ کر ہی اپنی قیمت ادا کرے کیونکہ خدا اپنے بعض بندوں کے ذریعے سے دوسروں کو رزق دیتا ہے۔ اور مومن کی مدد کرنا جائز ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ۔ غلام کو مکاتب کرنے کے بعد حکم ہے کہ خدا نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس سے غلام کو بھی کچھ دو یعنی مقررہ قیمت سے کمی کر دو۔ چنانچہ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا رقم وصول کرنے کے لئے جو قسطیں مقرر کی جائیں ان میں کمی کرنی چاہیے نہ کہ زیادتی۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے چھ ہزار میں سے اپنے غلام مکاتب کو ایک ہزار معاف کر دیئے تھے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت مجیدہ تمام مومنین کو مکاتب غلاموں کی آزادی میں امداد

کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ یعنی سب مل جل کر اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزادی کا سانس لے سکے۔ اور بعض مفسرین نے زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں جہاں فی الرقاب آیا ہے۔ اس سے مراد مکاتب غلام لئے ہیں لہٰذا صدقات واجبہ میں سے ان کی دست گیری کی جا سکتی ہے۔ شریعت مقدسہ کا یہ طریقہ انسانی آزادی کی راہوں کو ہموار کرنے کا بہترین دستور ہے اور خدا برا کرے ان ناپاک اذہان کا جو دور حاضر میں آزاد انسانوں کے لئے غلامانہ ذہنیت کا جال بچھا کر مساوات کے خوشنما لیبل کے ذریعے سے ان کی فطری آزادی کے سلب کرنے کے درپے ہیں

ولا تکرھوا - علمائے اصولیین میں مفہوم مخالف کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء مطلقاً اس **مفہوم مخالف** کی حجیت کے قائل نہیں ہیں بعض مفہوم غایت کے قائل نہیں البتہ مفہوم صفت اور مفہوم شرط کی حجیت کو مانتے ہیں اور اکثر علما صرف مفہوم شرط کی حجیت کے قائل ہیں اور بعض ہر مفہوم کی حجیت کے قائل ہیں۔

مفہوم غایت - جہاں حکم کی حد مقرر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حد کے بعد کا حصہ حکم میں شامل نہیں جس طرح کہا جائے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کہنیوں سے آگے دھونا وضو میں شامل نہیں۔

مفہوم وصف - جہاں حکم ایک صفت سے وابستہ ہو مثلاً کہا جائے مومن مسکین کو صدقہ دیا جائے تو اس کا مفہوم مخالف یہی ہو گا کہ اگر وہ مسکین نہ ہو تو صدقہ اس کو نہ دینا چاہیے۔

مفہوم شرط - جہاں حکم ایک شرط پر معلق ہو۔ مثلاً کہا جائے اگر زید نماز پڑھتا ہو تو انعام کا مستحق ہے۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو مستحق انعام نہیں اور مفہوم شرط باقی دونوں مفہوموں سے دلالت میں مضبوط تر ہے۔

جو لوگ مفہوم کی حجیت کے قائل نہیں ہیں وہ مفہوم شرط پر اسی آیت سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقام پر حکم مشروط ہے حالانکہ مفہوم شرط یقیناً ممنوع ہے (ترجمہ اپنی کنیزوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں) اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ رکھتی ہوں تو ان کو زنا پر مجبور کیا جا سکتا ہے حالانکہ کسی کو زنا کے لئے مجبور کرنا ہر حالت میں ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ مفہوم شرط حجت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم شرط اس وقت حجت ہوتا ہے جب شرط لگانے میں مصلحت حکم کے علاوہ اور کوئی فائدہ ملحوظ نہ ہو لیکن جہاں شرط لگانے میں کوئی دوسرا فائدہ مد نظر ہو وہاں مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ اور اس مقام پر فائدہ یہ ہے کہ آقاؤں اور سرداروں کو غیرت اور حمیت کا درس دیا گیا ہے کہ جب عورت ناقص العقل ہو کر اور بالخصوص کنیز ہو کر اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرنا چاہتی ہو تو آزاد انسانوں کو بطریق اولیٰ اس کی عفت کی پاس خاطر کرنی چاہیے اور ثانیاً آیت مجیدہ میں شرط حکم کے لئے نہیں بلکہ موضوع حکم کے لئے ہے کیونکہ جبر و اکراہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عورت عفت و پاکدامنی کی خواہاں ہو ورنہ جب عورت خود زنا پر آمادہ ہو تو جبر و اکراہ متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہاں یہ احتمال پیدا ہو سکتا تھا کہ کنیز اپنے مولا کی ملکیت میں داخل ہے۔ اور وہ اس سے منفعت حاصل کر سکتا ہے۔ شاید یہ منفعت بھی اس کے لئے جائز ہو کہ کنیز سے حرامکاری کے ذریعے روپیہ کما لے اور یہ حرامکاری مالکوں کے فائدہ کی خاطر حرام نہ قرار دی جائے تو آیت مجیدہ میں اس احتمال کو

روکیا گیا ہے کہ زنا ہر ایک کے لئے حرام ہے اور اس کی کمائی کسی صورت میں جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنیزوں کی عفت کی صورت میں ان کو زنا پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر وہ اپنے طور پر حرامکاری پر آمادہ ہوں تو اس کی نفی یا نہی پر آیت کی دلالت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی دلالت واضح ہے کیونکہ اگر اپنے طور پر ان کا یہ فعل جائز ہوتا تو مالکوں کو ان کے جبر واکراہ سے نہ روکا جاتا کیونکہ جائز اور حلال کام کے لئے مالک اپنے غلاموں اور کنیزوں کو مجبور کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے بس میں ہو پس مالکوں کو جبر واکراہ سے روکنا کنیزوں کے لئے اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ لہٰذا جس طرح زنا آزاد عورتوں اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح غلام اور کنیزیں بھی زنا کی حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی کی چھ کنیزیں تھیں اور وہ ان سے زنا کرواکے رقم کماتا تھا۔ جب زنا کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ عورتیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکوہ کیا پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ یعنی اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور شادی کی خواہشمند ہوں تو ان کی شادی کرادی جائے اور ان کے لئے ایسے مواقع فراہم نہ کئے جائیں اور ایسے حالات نہ پیدا کئے جائیں کہ زنا میں مبتلا ہو جائیں۔ اور مالک کا اپنی کنیز کو شادی سے محروم کرنا بھی اس کی حرام کاری کا راستہ ہموار کرنے کے برابر ہے اور جب مولا کا اپنی کنیز کو حرام کے راستہ پر لگانا ممنوع ہے تو اس سے بدتر ہیں۔ وہ باپ یا بھائی یا اہل خاندان جو اپنی بیٹیوں بہنوں یا خاندان کی دوشیزاؤں کو شادی سے محروم کرکے ان کے لئے ایسے حالات پیدا کردیتے ہیں کہ وہ زنا اور حرامکاری پر مجبور ہو جائیں جس سے پورے خاندان کی عزت وآبرو خاک میں مل جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ دیوث کہلاتے ہیں جو اپنی یا اپنے خاندان کی لڑکیوں کے لئے زنا کے اسباب فراہم کریں اور ان کی بروقت شادی سے عمداً گریز کرکے اپنی بے غیرتی پر راضی ہوں۔

بَعْدَ اِكْرَاهِهِنَّ۔ آیت مجیدہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ مالک اگر کنیزوں کو جبر واکراہ سے زنا پر مجبور کرے تو خدا مجبور عورت کا جرم معاف کردیگا لیکن مجبور کرنے والے مالکوں اور مددگاروں کا یہ جرم قابل عفو نہ ہوگا۔

رکوع ۱۱ تاویل نور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا

اللہ روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ہے دریچے کی سی جس میں

مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

چراغ ہو کہ چراغ ایک شیشے میں ہو وہ شیشہ ایسا ہو جس طرح ایک چمکدار

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

آیت مجیدہ میں اس مقام پر مفسرین نے نور کے معنی میں مختلف آراء پیش کی ہیں (۱) نور کا معنی ہدایت اور مراد ہادی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کا ہادی ہے (۲) نور کا معنی منور بصورت مجاز مرسل یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو چاند سورج اور ستاروں کے ذریعے روشنی بخشنے والا ہے (۳) نور کا معنی زینت اور مراد مزین ہے

یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو انبیاء و اولیاء کے وجود سے زینت عطا کرنے والا ہے۔ اور چونکہ خدا ہر نفع اور احسان و انعام کا فاعل حقیقی ہے۔ اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا گیا، جیسی طرح کسی رحیم کو مبالغہ کے طور پر رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محسن و منعم پر نور کا مجازاً اطلاق عام عربوں کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ایک عرب کا شعر استشہاد میں نقل کیا گیا ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّا نُورُ قَوْمٍ وَإِنَّمَا
يُبَيِّنُ فِي الظَّلْمَاءِ لِلنَّاسِ نُورُهَا

یعنی تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم قوم کے لئے نور ہیں (یعنی ان کے محسن و منعم ہیں) اور اس میں شک نہیں کہ تاریکیوں میں لوگوں کی راہنمائی نور کیا کرتا ہے (یعنی ہم قوم کی ہر مشکل و مصیبت میں ان کی دست گیری کرتے ہیں پس قوم کے لئے مصائب و آلام کی تاریکیوں سے نجات پانے کے لئے ہمارا وجود نور کی حیثیت رکھتا ہے)۔

دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا
ستارہ جلایا جائے وہ چراغ تیل سے جو نکلا ہوا مبارک درخت زیتون سے کہ نہ شرقی ہو اور نہ

غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَىٰ
غربی کہ اس کا تیل (بوجہ صفائی کے) جلنے کے قریب ہو اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے نور ہے

نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ
نور پر ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے

لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٥﴾ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ
لئے اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے ایسے گھروں میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے

أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ
ان کے بلند کرنے کا اور ذکر کیا جاتا ہے ان میں اس کا نام تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح

وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ
اور شام ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو تجارت اور نہ سودا بازی اللہ کے

ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ
ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے ڈرتے ہیں

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾
اس دن سے کہ بدلیں گے اس میں دل اور آنکھیں

مَثَلُ نُورِهِ - یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور ہے کہ ان کو کتم عدم سے نکال کر زیور وجود سے آراستہ کرنے والا ہے

اور ظلمت جہالت سے نکال کر بقعۂ نور ہدایت کی طرف لانے والا ہے اور جس طرح ظاہری طور پر شمس و قمر و ستارگان کے ذریعے سے اس نے عالم کو اجالا کیا۔ اسی طرح معنوی اور روحانی طور پر انبیاء و مرسلین اور اوصیاء طاہرین کے ذریعے سے اس نے ظلمت ہائے کفر و شرک کے مٹانے کے لئے عالم کو نور ایمان سے تابناک بنانے کا انتظام فرمایا۔ پس اس کے نور کی مثال جس کے ذریعے سے عالم وجود بقعۂ نور بنا۔ مثل ایک مشکوٰۃ کے ہے۔ اس جگہ نور سے مراد ایمان یا قرآن یا ذات بابرکات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہے۔ اور چوتھا قول یہ بھی ہے کہ نور سے مراد وہ براہین ساطعہ اور ادلّہ قاطعہ ہیں جو احقاق حق کے لئے باطل کے جملہ پردوں کو چاک کردیں اور انسانی قلوب میں قندیل ایمان کو روشن کردیں اور پانچواں قول یہ ہے کہ ہدایت پانے کے بعد اطاعت گذار مومن کی اطاعت کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تیسرا قول یعنی ذات رسالتمآب کا مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں باقی چار اقوال بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

كَمِشْكٰوةٍ:۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ رومی زبان سے عربی کی طرف لایا گیا ہے اور بعضوں نے اس کو عربی بھی کہا ہے بہرکیف اس سے مراد دیوار میں چراغ رکھنے کا وہ جالا ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو اور پیچھے کی طرف سے چراغ اندر رکھنے کا راستہ الگ بنایا گیا ہو۔

كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ:۔ یہ دُر کی طرف منسوب ہے یعنی صاف و شفاف موتی کی طرح چمکنے والا ستارہ۔

مِنْ شَجَرَةٍ:۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ زَيْتِ شَجَرَةٍ۔

مُبَارَكَةٍ:۔ زیتون کے درخت کو اس لئے مبارک کہا ہے کہ یہ کثیر المنفعت درخت ہے۔ حتیٰ کہ اس علاقہ کو بھی بابرکت کہا گیا ہے جس میں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتا ہے چنانچہ مسجد اقصیٰ کے علاقہ کے متعلق فرمایا۔ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ اور فی الجملہ اس کے فوائد یہ ہیں (۱) اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے (۲) اس کے ساتھ روٹی کھائی جاسکتی ہے (۳) گھی کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے (۴) اس کا رنگ اچھا ہوتا ہے (۵) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے (۶) اس کا کوئلہ اچھا بنتا ہے (۷) اس کی راکھ سے ریشم صاف کیا جاتا ہے۔ (۸) اس کے تیل نکالنے میں آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مقام پر زیتون کی قید اس فائدہ کے ماتحت ہے کہ اس کے تیل سے جو چراغ جلتا ہے اس کی روشنی صاف اور تیز ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ طوفان نوح کے بعد یہ پہلا درخت ہے جو زمین پر اگا اور جس زمین میں یہ درخت اگا اس کو انبیاء کا مسکن قرار دیا گیا۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ:۔ یعنی نہ اس پر مشرق کی طرف سے کوئی سایہ پڑتا ہے اور نہ مغرب کی جانب سے بلکہ صبح شام دھوپ میں رہتا ہے کیونکہ زیتون کا وہ درخت جو سایہ میں ہو اس کا تیل صاف نہیں ہوتا۔

پس آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے جو نور ہدایت خلق کے لئے معین فرمایا ہے وہ مثل اس صاف و شفاف چراغ کے ہے جو دیوار کے جالے کے اندر ایک صاف شیشے کے پیچھے رکھا ہوا ہو جس کی روشنی موتیوں کی طرح چمکنے والے آسمانی ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو جس پر شرقی یا غربی کوئی سایہ اثر انداز نہ ہوا ہو۔

تاویل آیت

آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ (۱) مَثَلُ نُوْرِہٖ۔ میں نور سے مراد نورِ ہدایت ہے چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل اللہ سبحانہٗ نے اپنے نور کا ذکر فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے یعنی ان کا موجد خالق اور مُدبّر وغیرہ ہے) پھر اس کے نور کی مثال یعنی وہ شمعِ ہدایت جو اس نے مومن کے دل میں روشن کی ہے وہ دیوار کے جالے کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہو اور اس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو پس مومن کا باطن مشکوٰۃ ہے اور اس کا دل شیشہ ہے اور چراغ وہ نور ہدایت ہے جو اس شیشۂ قلب سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور وجودِ مومن وہ شجرہ مبارکہ ہے جس پر شرق و مغرب کی ہوائیں اور شعاعیں (تہذیبیں) اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہتا ہے اور وہ نور ہدایت جو اس کے کاشانۂ دل کو منور کئے ہوئے ہے وہ اپنی ضیا پاشیوں میں مصروفِ عمل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی زبان پر مہرِ سکوت ہی کیوں نہ ہو۔ نورٌ علیٰ نور یعنی فریضہ کے بعد فریضہ اور سُنّت کے بعد سنت جاری ہے۔ اور اللہ اپنے فرائض اور سنتوں کی طرف جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور یہ مثال اللہ نے مومن کے لئے بیان کی ہے پس مومن کے پانچ نور ہیں (۱) مَدْخَلُہٗ النُّوْرُ۔ یعنی جس کام میں گھستا ہے وہ نور ہوتا ہے گویا مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ ظلماتی کاموں میں داخل ہو بلکہ وہ ہدایت خداوندی اور توفیقِ حق کے ماتحت ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور نور و ہدایت کی طرف قدم بڑھا کر دوسروں کے لئے مشعلِ راہ بنتا چلا جاتا ہے (۲) مَخْرَجُہٗ النُّوْرُ۔ اس کا مقصد بھی پہلے فقرہ کی طرح ہے یعنی جس کام سے عہدہ برا ہوتا ہے وہ ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ یعنی ایسی باتوں اور ایسے اُمور سے گریز کرتا ہے جو خدا کے پسندیدہ نہ ہوں گویا ہر حرام اور گناہ سے بچتا ہے۔ پس ایسے اعمال کرتا ہے جن کا کرنا نور ہے۔ اور ایسے اعمال سے بچتا ہے جن سے بچنا نور ہے (۳) وَعِلْمُہٗ نُوْرٌ یعنی مومن کا علم اس کے لئے باعثِ نور و ہدایت ہے گویا وہ علم کو کسبِ معاش یا تکمیلِ خواہشات کا ذریعہ نہیں بناتا بلکہ وہ علم کو زینۂ رضائے پروردگار قرار دے کر خود بھی اس پر عامل ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اس کا علم و عمل دعوتِ حق کا علم بردار ہوتا ہے (۴) وَکَلَامُہٗ نُوْرٌ۔ یعنی مومن کے کلام میں ظلماتی پہلو کوئی نہیں ہوتا چونکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان ہدایت کی ترجمان ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے جملے منہ سے نہیں نکالتا جو عوام الناس کے لئے گمراہی کے موجب ہوں بلکہ اس کا بیان اُمورِ حق کا ترجمان اور ناموسِ شریعت کا پاسبان ہوتا ہے (۵) وَمَصِیْرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَی الْجَنَّۃِ نُوْرٌ۔ یعنی بروزِ محشر اس کا جنت کی طرف جانا نور ہے۔ اس حدیث شریف میں نور کی بھی خوب وضاحت ہو گئی (۱) نیکی کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں نیکی کو ترک کرنا ظلمت (۲) بُرائی کو چھوڑنا نور اور اس کے مقابلہ میں بُرائی کرنا ظلمت (۳) نیکی و بدی میں تمیز کرنے اور نیکی کے بجا لانے نیز بُرائی سے بچنے کے لئے رضائے حق کی خاطر علم کا حاصل کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں صرف جہالت ہی ظلمت نہیں بلکہ ہر وہ علم جو نیتِ بد سے حاصل کیا جائے یا ترویجِ باطل اور تردیدِ حق کا اس سے ناجائز فائدہ لیا جائے یا کسبِ معاش و تکمیلِ شہوات کا اس کو ذریعہ قرار دیا جائے وہ بھی ظلمت ہے (۴) زبان سے جاری کردہ بیان اگر حق و ہدایت کو اپنے دامن

ان کی جزا جنّت ہے بیان کردہ بر چہار اوصافِ مومن جن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے (۵) ظلمت نہ ورنہ ہے نور تو ہے سب ہوئے لئے ہیں اور وہ نور ہے۔ گویا دنیا میں نیکی کرنا نور ہے اور آخرت میں نیکی کی جزا جنت نور ہے۔ اور اس حدیث شریف کی روشنی میں انبیاء و اوصیاء نور ہیں اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام پوری کائنات میں نورِ کل ہیں یعنی کہ سب انوار کے لئے ان کے انوارِ طیبہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ سورہ نور کی ابتداء میں ہم نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے زیادتی معرفت کی راہیں ہموار کی ہیں جن کے دل تعصب و عناد کے پنجروں میں مقید نہیں ہیں۔

دوسری تاویل

مَثَلُ نُوْرِہٖ میں نور سے مراد ذاتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہے پس آپ کا سینہ جو گنجینہ علوم الٰہیہ ہے مشکوٰۃ ہے اور آئینہ آپ کا قلب باصفا ہے اور مصباح آپ کی رسالت و نبوت ہے جس پر شرق و غرب کی شعاعیں اثر انداز نہیں یعنی یہودیت و نصرانیت سے متاثر نہیں اور آپ کی نبوت ایک شجرۂ مبارکہ سے پھوٹ رہی ہے جو شجرۂ نسل ابراہیم ہے اور کردار محمدی خود بخود لوگوں کے لئے ایک بیان واضح ہے اگرچہ وہ خود زبان سے خاموش ہی کیوں نہ رہیں جس طرح زیتون کا صاف تیل آگ چھوئے بغیر جلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعضوں نے مشکوٰۃ سے مراد حضرت ابراہیم اور زجاجہ سے مراد حضرت اسمٰعیل اور مصباح سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ لیا ہے۔ اور شجرۂ مبارکہ نسل ابراہیم ہے کیونکہ اکثر انبیاء ان کی صلب سے پیدا ہوئے اور وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ نصرانی ہے نہ یہودی کیونکہ نصاریٰ مشرق کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یہودی مغرب کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ کا مقصد یہ ہے کہ حضور کے وجود ذی جود سے محاسن و کمالات نبوت پھوٹ پھوٹ کر دنیا کو منور کر رہے تھے۔ اگرچہ ابھی تک ان کے ساتھ وحی کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ یہ نبی نسل نبوت سے ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں اور زجاجہ سے مراد حضرت عبداللہ ہیں اور مصباح سے مراد خود حضرت رسالتمآبؐ ہیں نہ آپ شرقی ہیں نہ غربی بلکہ مکی ہیں اور مکہ دنیا کا وسط ہے۔ مجمع البیان۔

تیسری تاویل

تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم مشکوٰۃ ہیں اور مصباح حضورؐ ہیں۔ اور اللہ ہماری ولایت کی طرف ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے بروایت توحید ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مشکوٰۃ سینۂ نبوی ہے اور مصباح سے مراد علوم نبوت ہیں اور زجاجہ حضرت علی علیہ السلام کا سینہ ہے کہ علوم نبوت حضورؐ کے سینہ سے حضرت علی کے سینہ تک پہنچے پس علی کا علم ایک شجرۂ مبارکہ علمیہ سے پھوٹتا ہے۔ جس پر نصرانیت و یہودیت اثر انداز نہیں ہے۔ پس وہ نہ شرقی ہے نہ غربی اور یَکَادُ زَیْتُھَا الخ کا مقصد یہ ہے کہ آلِ محمد کے عالم کی زبان گوہرفشاں سے مقاصد علمیہ اور مطالب عرفانیہ ہر وقت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اور سائل کے سوال سے پہلے وہ اس کا دامن اپنے فیوض علمیہ سے بھر دیا کرتے ہیں اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ آلِ محمد میں امامت کا سلسلہ جاری و ساری ہے پس ایک امام کے بعد دوسرا امام آتا رہے گا اور ہدایت خلق کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیام قیامت مسلسل جاری و ساری

رہے گا پس یہ وہ اوصیاء ہیں جن کو اللہ نے اپنی زمین کا خلیفہ مقرر فرمایا اور اپنی مخلوق پر ان کو حجت قرار دیا کہ کسی زمانہ میں زمین ان کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتی اور جناب رسالتمآبؐ کے ایک مدحیہ قصیدہ میں حضرت ابوطالبؑ نے ایک شعر میں اسی مطلب کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

انت الامین محمّد قرم اغرُّ مسوّد

تو محمدؐ امین ہے نورانی چہرے والا سید و سردار ہے

آگے چل کر فرمایا۔

من لدن ادم لم یزل فینا وصیٌّ مرشد

آدم سے لے کر ہمیشہ ہم میں ایک وصی ہدایت کنندہ ہوتا چلا آیا ہے

صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں ذکر ہونے والے شجرہ مبارکہ سے مراد تقویٰ و رضوان اور ہدایت و ایمان کا درخت ہے جس کی اصل نبوت فرع امامت ٹہنی تنزیل اور پتے تاویل اور اس کے خدمتگار جبرئیل و میکائیل ہیں

چوتھی تاویل تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ نے مومنوں کی بیان فرمائی ہے کہ مومن کا نفس مشکوٰۃ اس کا دل شیشہ اور ایمان و قرآن کی جو قندیل اس کے دل میں روشن ہے وہ مصباح ہے جو اخلاص کے شجرہ مبارکہ سے منور ہے۔ جس طرح گھنے سرسبز درختوں کے جھنڈ کو مشرق و مغرب کی دھوپ متاثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح راسخ الایمان مومن کے ایمان کو فتنہ و فساد کی تیز و تند دھوپ اور شرق و غرب بلکہ ہر چہار طرف سے ابھرنے والے لادینی کے بے پناہ طوفان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے پس وہ چہار خصلتوں میں زندگی گذارتا ہے۔ (۱) اگر اسے کچھ عطا ہو تو شکر گذار ہوتا ہے (۲) اگر آزمائش میں مبتلا ہو تو صابر ہوتا ہے (۳) اگر حکم کرے تو عدل اس کا مطمح نظر ہوتا ہے (۴) اور اگر بات کرے تو سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا وہ عام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی زندہ قبرستان میں چل پھر رہا ہو پس وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہے کہ اس کا کلام نور اس کا علم نور اس کا مدخل و مخرج نور اور بروز قیامت اس کی بازگشت نور ہے (اس آخری فقرہ کی تشریح تاویل نمبر ا کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

پانچویں تاویل حسن بصری سے منقول ہے کہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے کہ مومن کا دل شیشہ اور اس کی زبان مشکوٰۃ ہے۔ اور شجرہ مبارکہ وحی ربانی ہے۔ اور قرآن کی دلیلیں واضح و روشن ہیں اگرچہ اس کی کوئی تلاوت نہ بھی کرے یا یہ کہ اللہ کی طرف سے بیان کردہ ادلّہ و براہین اس کی مخلوق پر واضح و آشکار ہیں لیکن بلکہ تدبر و تفکر سے کام لیا جائے اگرچہ قرآن نہ بھی نازل ہوتا یکادُ زیتُھَا یُضِیءُ الخ اور یہ نور علیٰ نور ہے یعنی دیگر فطری و نفسیاتی و عقلی دلیلوں کے بعد قرآن کا وجود نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔

چھٹی تاویل حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک ان کے بارہ اوصیائے طاہرین علیہم السلام اس کے تاویلی مصداق ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنی انگلی کے ساتھ کچھ لکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں میں نے عرض کی حضور! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اس کی کماحقہ معرفت

سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے عرض کی حضور! وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے آیت نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت یہ کی کہ مشکوٰۃ حضرت محمد مصطفےٰؐ ہیں۔ فِيهَا مِصْبَاحٌ (اول۔ اس لفظ کا مصداق آپ نے نہیں بتایا غالباً بوقت بیان یہ لفظ پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے اپنی ذات مراد لی ہو) پس آگے چل کر فرمایا اَلْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ۔ زجاجہ سے مراد حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔ کوکب دری علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام ہیں۔ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ۔ حضرت محمد بن علی الباقر علیہ السلام ہیں۔ زَيْتُونَةٍ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں لَا شَرْقِيَّةٍ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں۔ اور يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ حضرت قائم مہدی علیہ السلام ہیں۔ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (یعنی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے)

بیوت کی تفسیر

فِي بُيُوتٍ مشکوٰۃ کی صفت ہے یعنی وہ نور جس کی مثال مشکوٰۃ سے دی گئی ہے وہ ایسے گھروں میں ہے جن کے بلند کرنے اور ان کی عزت و احترام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جن میں صبح و شام اللہ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ایسے بندے اس کا ذکر و تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور اس دن کا خوف کرتے ہیں جس دن دلوں اور آنکھوں میں انقلاب رونما ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس اور حسن بصری کا قول منقول ہے کہ ان گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ اور گذشتہ بعض تاویلات آیت بھی اس کی شاہد ہیں اور حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے۔ اَلْمَسَاجِدُ بُيُوتُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ وَهِيَ تُضِيءُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِيءُ النُّجُومُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ۔ یعنی مساجد زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عام مساجد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد صرف وہ چار مسجدیں ہیں جن کو انبیاءؑ نے تعمیر کیا ہے (۱) کعبہ جس کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر فرمایا (۲) بیت المقدس جس کو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بنایا اور مدینہ میں مسجد نبوی اور مسجد قبا جن کی تعمیر حضرت رسالت مآبؐ کے ہاتھوں ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد بیوت انبیاء ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ پڑھی گئی تو کسی نے آں حضرتؐ سے ان گھروں کے متعلق سوال کیا جن کا آیت میں ذکر ہے تو آپ نے فرمایا ان سے مراد انبیاء کے گھر ہیں پس ابوبکر نے کھڑے ہو کر حضرت علی و بتول علیہما السلام کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا الْبَيْتُ مِنْهَا۔ کہ کیا یہ گھر بھی ان میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نَعَمْ مِنْ أَفَاضِلِهَا۔ ہاں صرف ان میں سے نہیں بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے۔ اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت تطہیر اس قول کی تائید کرتی ہے کیونکہ آیت میں اہل بیت یعنی گھر والوں کی تطہیر کا ذکر ہے اور اللہ نے ان گھروں کی جس بلندی کا اذن دیا ہے اس بلندی سے مراد تعظیم اور ہر رجس سے پاکیزگی اور گناہوں کی ہر میل کثافت سے طہارت و علیحدگی ہے۔ اور بعض علماء نے اس مقام پر رفع سے مراد یہ لیا ہے کہ ان گھروں میں جا کر ان کے وسیلے

اللہ کی طرف اپنی حاجات کو بلند کرو۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی منقول ہے۔ایک دفعہ قتادہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میں بہت سے فقہاء کے سامنے بیٹھتا رہا ہوں لیکن مجھے کبھی کسی عالم و فقیہ کے سامنے اتنی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی جس طرح آپ کے سامنے بیٹھنے سے مجھے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ کہاں بیٹھا ہے تو اس وقت ان بیوت میں ہے جن کی تعظیم کا جلال کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہم ان کے مصداق ہیں۔قتادہ فوراً کہنے لگا واقعی آپ سچ فرما رہے ہیں بخدا میں آپ کے قربان جاؤں وہاں گارے اور پتھروں کے گھر مراد نہیں ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ۔تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے کہ ایک دفعہ بروز جمعہ دحیہ کلبی ملک شام سے کچھ مال لایا اور لوگوں کی اطلاع کے لئے شہر سے باہر ڈیرہ جا کر ڈھول طبل بجانے شروع کئے۔اس وقت حضرت رسالت مآبؐ مسجد نبویؐ میں نماز جمعہ کے لئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔پس طبل کی آواز سنتے ہی لوگوں نے جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مسجد خالی ہو گئی۔مردوں میں سے صرف حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ سلمان ابوذر مقداد اور صہیب اور عورتوں میں سے صرف جناب فاطمہ زہراؑ بچ گئیں۔پس نہ کوئی ان کے علاوہ مرد رہا اور نہ عورت سب کے سب حضورؐ کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر بعض خرید و فروخت کے لئے اور بعض تماشائی صورت بنا کر چلے گئے اور سورہ جمعہ میں انہی لوگوں کی مذمت ہے۔ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا الخ۔پس حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری مسجد پر نظر کی ہے۔اگر یہ آٹھ آدمی نہ ہوتے تو قوم لوط کی طرح پورے شہر پر عذاب خداوندی نازل ہوتا۔اور ان پر آگ اور پتھروں کی بارش نازل ہوتی۔پس ان آٹھ آدمیوں کے حق میں یہ آیت اتری۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ۔تفسیر صافی میں مروی ہے۔ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تاجر کے متعلق احوال پرسی کی تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔لیکن سلسلۂ تجارت کو اس نے خیر باد کہہ دیا ہے آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا عَمَلُ الشَّيْطَانِ یعنی شیطان کامیاب ہو گیا کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضور رسالت مآبؐ نے شام سے آنے والے قافلہ سے مال تجارت خریدا اور نفع کما کر اپنے قرضے ادا کئے اور قرابت داروں کی امداد بھی کی اور خدا نے ایسے لوگوں کی ہی تعریف فرمائی ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ۔کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت و خرید و فروخت۔ذکر خدا اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور جو قصہ خواں لوگ کہتے ہیں کہ وہ تجارت نہیں کرتے تھے جھوٹے ہیں۔بات یہ ہے کہ وہ نماز کو اپنے صحیح اوقات سے نہیں چھوڑتے تھے۔اور یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں جو تجارت کو سرے سے ترک کر کے نماز میں حاضر ہوں۔

یَخَافُوْنَ یَوْمًا یعنی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ آنکھوں اور دلوں کے حالات میں انقلاب و تبدیلیاں واقع ہوں گی دلوں پر انقلاب یہ ہوگا کہ وہ جنت کے طمع اور جہنم کے خوف کے اندر کشمکش و پیچ میں ہوں گے۔اور آنکھوں میں تقلب یہ ہوگا کہ وہ دائیں بائیں اپنے اعمال نامہ کی آمد کے منتظر ہوں گے اور متفکر ہوں گے کہ ہمیں کس طرف سے پکڑا جاتا ہے یا یہ کہ دل حنجروں تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں گی۔یا یہ کہ دل شکوک کی منزل سے نکل کر یقین تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور آنکھیں جن چیزوں کو جھٹلاتی تھیں ان کو صحیح پائیں گی

پس دنیا میں جو شکی ہوگا وہاں اس کا شک یقین ہی تبدیل ہوگا۔ اور جو دنیا میں عالم ہوگا آخرت میں اس کی بصیرت میں اور اضافہ ہوجائیگا۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ لام کا متعلق محذوف ہے یعنی وہ لوگ اس قسم کے اعمال حسنہ اس لئے بجالاتے ہیں تاکہ ان کو اللہ اپنے حسن عمل کی جزا دے اور اپنے فضل وکرم سے زیادہ انعام واکرام سے ان پر نوازش کرے پس ایسے لوگ دنیا و دین دونوں کے لحاظ سے نفع مند ہوں گے کیونکہ اللہ ان کو رزق بھی بے حساب عطا فرما دیتا ہے اور آخرت کی بازی بھی وہ جیت جاتے ہیں لیکن جو لوگ تجارت یا دیگر نفسی خواہشات کی بنا پر عبادات کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ اپنے رزق مقدر سے تو بڑھ نہیں سکتے اور آخرت کو سرے سے برباد کر بیٹھتے ہیں۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ

تاکہ ان کو جزا دے اللہ بہتر اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور زیادہ دے ان کو اپنے

فَضْلِهِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ

فضل سے اور اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے اور جو لوگ

كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ

کافر ہیں ان کے عمل مثل سراب کے ہیں جو کھلے میدانوں میں ہو جس کو سمجھے پیاسا آدمی

مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ

پانی یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو اسے کچھ نہ پائے اور پائے گا اللہ کو اپنے عمل کے

فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ أَوْ كَظُلُمَاتٍ

پاس پس وہ پورا دے گا اس کو حساب اس کا اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یا مثل ان تاریکیوں کے

أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

سراب اور آل میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ کہ سراب سفید چٹیل میدان یا ریگ زار صحرا کی اس چمک کا نام ہے جو دوپہر یا اس کے بعد دھوپ پڑنے سے اس میں پیدا ہوکر دور سے آتے ہوئے آدمی کو پانی دکھائی دے حتی کہ ارد گرد کے درختوں کے سائے بھی اس میں نظر آئیں۔ اور آل اس چمک کا نام ہے جو زمین سے اوپر کی فضا میں ایک پانی کا دریا دکھائی دے۔ اور یہ تقریباً دوپہر سے قبل ہوا کرتی ہے۔ اور بعض استعمالات میں میدانی و ریگستانی صحرائی چمک جو آب نما ہو۔ اس پر سراب کا اطلاق ہوا ہے اور دامن کوہ میں سنگریزہ زار و سنگلاخ زمین کی آب نما چمک کو آل کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں لفظیں ایک دوسرے کے متبادل بھی استعمال ہوتی ہیں۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ان کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے وہ اعمال جن کو وہ نیک اعمال سمجھتا تھا بروز محشر وہ ان کی جزا کا خواہش مند ہوگا اور پیاسے انسان کی طرح ان کی طرف دوڑے گا لیکن نتیجہ میں سراب کی طرح ان کی جزا کچھ نہ پائے گا کیونکہ وہ حبط ہو چکے ہوں گے اور

حبط کا معنی مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل نیک میں کسی خاص خامی کی وجہ سے اس کا قابلِ جزا نہ رہنا حبط کہلاتا ہے اور جس طرح یہاں انسان سراب کے قریب پہنچ کر مایوس و ناکام واپس پلٹتا ہے۔ کافر بھی مایوس ہوگا اور جب اللہ کے پاس پہنچے گا تو اپنا حساب پورا لے گا۔ اس کی نیکیاں تو سراب کی طرح کچھ نہ ہوں گی۔ پس غلطیوں کی سزا میں جہنم رسید ہوگا۔ اور کافر کے وہ اعمال جو اس کی نظر میں اعمالِ بد تھے۔ وہ بروزِ محشر گھٹاٹوپ تاریکیوں کی مثل پائے گا کہ ان سے گلو خلاصی مشکل ہوگی۔ ایک اعمالِ زشت کی تاریکی دوسری اس کے کفر و الحاد کی تاریکی اور تیسری توبہ نہ کرنے اور سرکش ہو کر مرنے کی تاریکی اور پھر میدانِ محشر میں سختی عذاب کی تاریکی اور نتیجہ میں جہنم کی دائمی تاریکی جس سے نجات نہ پا سکے گا۔

فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
جو ایک گہرے سمندر میں ہوں جس میں موج پر موج پڑ رہی ہو اور اُوپر بادل چھایا ہوا ہو ایک
سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ
دوسرے کے اوپر تاریکیاں ہوں جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ
لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾
پائے اُسے اور جس کو اللہ راہِ نجات نہ دے اس کے لئے کوئی راہِ نجات نہیں ہے

تفسیر صافی و برہان میں بہ ہدایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کی تاویل دشمنانِ آلِ محمدؐ کے حق میں ہے جس طرح آیتِ سابقہ کی تاویل محمدؐ و آلِ محمدؐ اور اُن کے محبوں کے حق میں ہے۔ چنانچہ ظلمات سے مراد اول اور موج سے مراد ثانی اور موج بالائے موج سے مراد ثالث۔ اور اُوپر کی تاریکی امیرِ شام اور حکومتِ اموی کے وہ مظالم کہ مومن ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور اس صورت میں نور کی تاویل امام ہوگا۔ یعنی جس کو خدا اولادِ فاطمہ سے امام کی معرفت کی توفیق نہ دے اُسے قیامت تک امامِ حق ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی قسم کی تاویل تفسیر قمی سے بھی منقول ہے۔

لطیفہ تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے منقول ہے ایک دفعہ شاہ روم نے معاویہ کی طرف چند مسائل دریافت کے لئے بھیجے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ لاشئ کسے کہتے ہیں؟ امیرِ شام حیران تھا کہ عمرو بن عاص نے مشورہ دیا ایک عمدہ گھوڑا فروخت کے لئے علیؑ کے لشکر کی طرف بھیج دیجئے۔ جب قیمت دریافت کریں تو کہا جائے اس کی قیمت لاشئ ہے۔ پس مسئلہ حل ہو جائے گا چنانچہ معاویہ کا غلام گھوڑا لے کر آیا حضرت امیر علیہ السلام قنبر کو ساتھ لئے ایک مقام پر کھڑے تھے۔ آپ نے قنبر سے فرمایا کہ شامی سے گھوڑا خرید لو۔ جب قنبر نے قیمت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت ہے لاشئ۔ آپ نے فرمایا اس سے گھوڑا لے لو۔ اس نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیابان کی طرف لے جا کر سراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تیرے گھوڑے کی قیمت ہے۔ لاشئ لے لو اور بھاگ جاؤ۔ جب اس نے معاویہ کو مطمئن کرنے

کے لئے دلیل پوچھی تو آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کہ خدا نے قرآن مجید میں سراب کو لاشئی قرار دیا ہے۔

(۲) کتاب مذکور میں اختصاص مفید سے منقول ہے ایک شخص نے ابوحنیفہ سے لاشئی کا معنی دریافت کیا تو اس نے ایک خچر اسے دے کر امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف بغرض فروخت بھیج دیا کہ اس کی قیمت لاشئی وصول کرنا آپ نے خچر رکھ لیا۔ اور فرمایا ابوحنیفہ سے کہنا قیمت صبح کو وصول کرے جب صبح کو ابوحنیفہ خدمت امام میں وصولیٔ قیمت کے لئے حاضر ہوا تو سوار ہو کر آپ اسے صحرا کی طرف لے چلے جب سورج بلند ہوا اور میدان میں سراب کی لہر دوڑی۔ آپ نے فرمایا ابوحنیفہ یہ کیا چیز ہے تو اس نے کہا کہ پانی ہے پھر جب آگے بڑھے تو اسے کچھ نہ پایا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے خچر کی قیمت ہے۔ پس آپ نے آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا لاشئی کا معنی سراب ہے۔ ابوحنیفہ نادم و پشیمان واپس پلٹا کیونکہ اس نے خچر پر دس ہزار درہم خرچ کئے تھے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کیا دیکھتے نہیں ہو تحقیق اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللّٰهُ

اور پرندے پر کھول کر تحقیق ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے اور اللہ

عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا

وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ

اور اللہ کی طرف بازگشت ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تحقیق اللہ ہانکتا ہے بادل کو پھر

يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ

جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہ بہ تہ پس دیکھتے ہو بارش کو نکلتی

مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا

ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں سے جو اس میں ہیں

رکوع ۱۲

وَالطَّيْرُ۔ یعنی ہر چیز پروردگار کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور ذوی العقول کے علاوہ ہر چیز کی تسبیح ان کا عجز و حدوث ہے

قَدْ عَلِمَ۔ عَلِمَ کا فاعل ضمیر جو اللہ کی طرف راجع ہے قرار دی جائے تو معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور اگر اس کا فاعل ضمیر ہو جو راجع کل کی طرف ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز نے اپنی نماز و تسبیح کا اندازہ جان لیا ہے۔ پس ہر چیز تسبیح و نماز میں مصروف ہے۔

رُكَامًا۔ یعنی۔ مُتَرَاكِمًا جس کا معنی ہے تہ بہ تہ۔ مِنْ جِبَالٍ۔ یہ مِنَ السَّمَاءِ سے بدل ہے اور فِيهَا جار و مجرور كَائِنَةٍ کے متعلق

جبال کی صفت ہے۔ مِنْ بَرَدٍ جار و مجرور کائنۃ محذوف کے متعلق دوسری صفت ہے۔ یعنی مِنْ جِبَالٍ سَمَاوِیَّۃٍ بَرَدِیَّۃٍ اور یُنَزِّلُ کا مفعول محذوف ہے بَرَدًا یعنی خدا آسمان میں یا جہت علو میں ہونے والے برفانی تودوں سے اولے برساتا ہے۔

مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ

کچھ اولے پس ہلاک کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

قریب ہے کہ بجلی کی چمک ختم کر دے آنکھوں کو — تبدیل کرتا ہے اللہ رات اور دن کو

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ

تحقیق اس میں عبرت ہے صاحبانِ بصیرت کے لئے — اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والی چیز کو

مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ

پانی سے پس بعض ان میں سے چلتے ہیں اپنے پیٹ پر اور بعض ان میں

کُلَّ دَآبَّۃٍ آیت مجیدہ میں جنوں اور فرشتوں کے علاوہ تمام ذی روح مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ سب پانی یعنی نطفہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

عظمتِ پروردگار

خداوند کریم نے آیاتِ مجیدہ میں اپنی عظمت و جلالت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کے سامنے اپنے حال وحیثیت کے لحاظ سے سجدہ ریز اور اس کی ثنا و مدح میں رطب اللسان ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اللہ کی قدرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ پوری روئے زمین پر وہ نہ سما سکیں گے اور جن و انسان اس کی حدود کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور نہ اس کی پوری تعریف کر سکیں گے۔ پس ایسے فرشتے کے پورے جسم کی کیا تعریف کی جا سکے گی جس کے کندھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو برس کی راہ ہو اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا صرف ایک پر زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو پر کر دے گا اور بعض ایسے ہیں کہ اگر سیدھے کھڑے ہوں تو سارے آسمان اس کی کمر کے نیچے رہ جائیں گے اور بعض ایسے ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ ...... پر ہیں اور زمین کی موٹائی اس کے گھٹنوں سے نہیں بڑھ سکتی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے انگوٹھے کے ناخن پر پوری دنیا کا پانی ٹھہر سکتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کی آنسوؤں کے پانی میں پوری دنیا کے جہاز ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہیں تو اس کا کنارہ نہ پا سکیں گے۔ اسی طرح آپ نے حجاب ہائے قدرت کی عظمت و کثرت کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت اور ان میں ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کا سفر ہے پھر سرادقات کا ذکر کیا مثلاً سرادق جلال سرادق عز سرادق کبریا سرادق عظمت سرادق قدس سرادق جبروت سرادق فخر سرادق نور ابیض اور آخر میں سرادق وحدانیت اور ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت

سے کم نہیں۔ الخ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ حاملینِ عرش آٹھ ہیں اور ہر ایک کی آٹھ آٹھ آنکھیں ہیں کہ ایک آنکھ پوری دنیا کے برابر ہے۔

بروایت برسی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ملازمین وعملہ کا یومیہ خرچ سات کُر غلہ تھا۔ دریائی جانوروں میں سے ایک نے آپ سے ایک دن کی دعوت کا مطالبہ کیا جو آپ نے منظور فرمایا اور دریا کے کنارے ایک ماہ تک غلّہ جمع کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہو گیا پس ایک دریائی جانور یعنی مچھلی نے سر باہر نکالا اور سب کو ایک نوالہ بنا کر ہڑپ کر لیا اور سلیمانؑ سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا آپ نے فرطِ حیرت سے دریافت کیا کہ سمندر میں تیری طرح کا کوئی اور جانور بھی ہے تو اس نے کہا ایک نہیں بلکہ ہزار پس حضرت سلیمان نے تسبیحِ پروردگار اپنی زبان پر جاری کی۔ نیز مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام کو وحی ہوئی کہ اگر تمام اہلِ آسمان وزمین مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کا مطلوب دے دوں اور ہر ایک کو پوری دنیا کا ستر گنا زیادہ دوں تب بھی میری عظمت میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی اور یہ اس طرح ہوگا جس طرح بھرے سمندر میں سے کوئی شخص نوکِ سوزن کو ڈبو کر باہر نکال لے تو سمندر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ

چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں چار پر

يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے تحقیق اللہ ہر شی پر قدرت رکھنے والا ہے تحقیق

أَنزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ

ہم نے اتاریں نشانیاں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے صراط

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ

مستقیم کی طرف اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر

وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ

اور ہم نے اطاعت مان لی پھر روگردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے اس کے بعد

مَن يَمْشِي یعنی زمین پر چلنے والے بعض جانور اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ اور دوسرے بعض حشرات الارض اور بعض کے دو پاؤں ہیں جیسے انسان اور پرندے اور بعض کے چار پاؤں ہیں جیسے چوپائے اور جنگلی درندے وغیرہ لیکن بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے زیادہ پاؤں رکھتے ہیں اور آیت میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا تو اس لئے کہ یہاں حصر مراد نہیں بلکہ تمثیل مراد ہے یا اس لئے کہ فلاسفہ نے تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ جن حشرات الارض کے پاؤں چار

سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ در حقیقت ان کے جسم کا اعتماد صرف چار پر ہوتا ہے اور باقی صرف نمائش اور دکھلاوے کے لئے ہیں اس لئے صرف چار پاؤں والے جانوروں میں ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ اور دابہ کا اطلاق ہر زمین پر چلنے والی چیز پر ہوتا ہے۔ خواہ ذوی العقول میں سے ہو یا غیر ذوی العقول میں سے ہو لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مَنْ کا استعمال کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے مختص ہے۔

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ

اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اُس

رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

کے رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے درمیان حکم کرے تو ان کا ایک فریق اعراض کرتا ہے

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ

اور اگر فیصلہ (حق ان کے حق میں) ہو تو اطاعت کرتے ہوئے جلدی آجاتے ہیں کیا ان کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ

دلوں میں بیماری ہے یا ان کو شک ہے یا ڈرتے ہیں کہ اللہ ان پر ظلم کرے گا یا

عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اس کا رسولؐ؟ بلکہ وہ ہی ظالم لوگ ہیں

ایمان کا امتحان

اِذَا دُعُوْٓا۔ تفسیر صافی و برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیہ السّلام اور عثمان کے متعلق ہے کہ ان کا آپس میں ایک باغ کے متعلق جھگڑا ہوا تو حضرت امیر علیہ السّلام نے فرمایا جو فیصلہ جناب رسالتمآبؐ فرمادیں اسی پر ہم دونوں کو رضامند ہو جانا چاہیے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان سے کہا کہ رسالتمآبؐ کی طرف مقدمہ اگر جائے گا تو یقیناً فیصلہ علیؑ کے حق میں ہوگا لہذا مقدمہ ابن شیبہ یہودی کے پاس لے جاؤ چنانچہ عثمان بھی اسی بات پر ڈٹ گیا۔ پس ابن شیبہ یہودی کے پاس گئے تو اس نے کہا تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے رسول پر آسمانی وحی کے بارے میں تو یقین رکھتے ہو لیکن اس کے فیصلوں پر تمہارا کوئی اعتماد نہیں ہے۔ پس یہ آیت اُتری اور تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول اس طرح منقول ہے کہ عثمان نے کچھ زمین حضرت علی علیہ السّلام سے خریدی اور جھگڑا اس بات پر ہو گیا کہ زمین میں پتھر اور روڑے نکلے تو عثمان نے اس کو زمین کا عیب قرار دے کر سودے کو باطل کرنا چاہا اور حضرت علیؑ سے زمین کے واپس لے لینے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا اس بارے میں جو فیصلہ رسالتمآبؐ کر دیں ہم دونوں کو بسر و چشم منظور کر لینا چاہیے لیکن حکم بن عاص نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم حضورؐ کی بارگاہ میں مقدمہ لے جاؤ گے تو فیصلہ یقیناً علیؑ کے حق میں ہی ہوگا۔ پس یہ آیت

انتہی۔ ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے علیؑ سے زمین بیچی اور بعد میں پشیمان ہو گیا۔

فَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ۔ یعنی اگر ان کو پتہ ہو کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا تو نہایت خلوص کو ظاہر کر کے فیصلہ کے طالب بن کر فوراً حاضر ہوتے ہیں۔ اور آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے کہ جب مومنوں کے دو فریق آپس میں جھگڑتے ہوں اور ان کو علمائے کرام کے فیصلہ کی دعوت دی جائے تو جس فریق کو اپنے حق میں فیصلہ ہونے کا یقین ہو وہ فوراً اپنے دینی پہلو کو پیش کرتا ہے اور علماء کے فیصلہ کو اپنا ایمانی فیصلہ قرار دیتا ہے لیکن وہی شخص جہاں دوسرے مقام پر حق کے خلاف ہو وہاں علماء کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فیصلۂ حق سے کنارہ کشی کر کے اسی میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کیا ان کے دلوں میں کمزوری ایمان اور وجود نفاق کی بیماری ہے یا رسول کی رسالت ان کی نظروں میں مشکوک ہے یا اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اور رسول فیصلہ میں عدل کو چھوڑ کر ظلم کو اختیار کر لیں گے؟ پھر لفظ بل کا استعمال کر کے واضح فرمایا کہ آخری دونوں شقیں باطل ہیں کہ نہ تو ان کو شک ہے اور نہ وہ اللہ و رسول سے ظلم کی توقع رکھتے ہیں بلکہ پہلی شق درست ہے کہ ان کے ایمان کمزور ہیں اور دلوں میں نفاق کی بیماری کا غلبہ ہے اور وہ ظالم لوگ ہیں جو باہمی نزاعات میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۳

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

سوائے اس کے نہیں مومنوں کا قول یہ ہے جب ان کو دعوت دی جائے اللہ اور اس کے رسول

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ

کی طرف تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے کہ کہہ دیں ہم نے سنا اور مانا اور ایسے لوگ ہی

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ

چھٹکارا پانے والے ہیں اور جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور

يَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾

ڈرے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے پس وہی ہیں کامیاب ہونے والے

إِنَّمَا كَانَ (تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ یعنی مومن کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر فرض ہے کہ اسے مان لے خواہ فیصلہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

وَيَتَّقْهِ۔ خشیہ اور تقویٰ میں یہ فرق ہے کہ ترک واجبات اور فعل حرام میں اللہ سے خوف کرنا خشیہ ہے اور اس کے برعکس اللہ کے ڈر سے واجبات پر پابند رہنا اور گناہوں سے کنارہ کش رہنا تقویٰ ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ آیت مجیدہ میں يَتَّقْهِ میں قاریوں کے چار قول ہیں (۱) يَتَّقْهِ (۲) يَتَّقِهِ (۳) يَتَّقْهُ (۴) يَتَّقِهْ۔ قاریوں کے ان اختلافات سے پتہ

maablib.org

چلتا ہے کہ وہ قرأت میں نقل کے پابند ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ قاعدۂ نحویہ کے لحاظ سے پہلی قرأت بالکل درست اور انسب ہے
اور قاری آئمہ نحو تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قرأتیں اجتہاد ذاتی کی وجہ سے مختلف نہیں بلکہ سماع اس اختلاف کی اصل ہے۔
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ جھوٹی اطاعت والوں کا ہمیشہ یہی دستور ہوتا ہے کہ اطاعت کا بڑا دعویٰ کرنا اور قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت کی
یقین دہانی کرانا۔ لیکن وقت آنے پر انتہائی بے وفا ثابت ہونا خداوند کریم ایسے لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور اپنے حبیب کو اطلاع دے
رہا ہے کہ یہ لوگ پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اپنے گھروں کو چھوڑنے کا حکم دے دیں تو ہم اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے قسمیں نہ کھاؤ بلکہ اطاعت کر کے اپنا اطاعت گذار ہونا عمل سے ثابت کرو۔ اور یہ اچھا طریقہ ہے۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کی خبر محذوف ہے۔ یعنی خَيْرٌ مِّنْ قَسَمِكُمْ یعنی اچھی فرمانبرداری قسم کھانے سے بہتر ہے۔
فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ پس ایک تاء بطور تخفیف کے حذف کردی گئی ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ
اور انہوں نے قسم کھائی اللہ کی سخت قسم کہ اگر تو ان کو حکم دے تو وہ اپنے گھروں سے بھی نکل جائیں گے
قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا
کہدو قسمیں نہ کھاؤ اچھی اطاعت (پیش کرو) تحقیق اللہ خبردار ہے جو تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ
کرتے ہو کہدو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ
پھر جاؤ گے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس پر اپنا بوجھ ہے اور تم پر اپنا بوجھ ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے
تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ
تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسول پر مگر کھلی تبلیغ وعدہ کیا ہے
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى
اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم ہی سے اور عمل نیک بجالائے ضرور ان کو خلیفہ کروں گا

آمد مہدی کی پیشین گوئی

وَعَدَ اللّٰهُ۔ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کا مصداق صحابہ کرام کو قرار دیا ہے اور بعضوں نے پوری امت مراد لے لی ہے اور کچھ سر پھرے لوگوں نے اس آیت سے اجماعی خلافت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی جسارت کی ہے اور آیت کے معانی ان کی تردید کے لئے کافی و وافی ہیں جیسا کہ

ظاہر ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں از صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ اس مطلب پر کافی بحث کی ہے، آئمہ اہل بیتؑ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ یہ آیت حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے حق میں ہے اور ان کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا بخدا اس سے شیعیانِ اہل بیت مراد ہیں اور یہ وقت ان پر تب آئے گا جب کہ اس اُمت کا مہدی ظاہر ہوگا اور اسی کے متعلق حضرت رسالت مآبؐ نے

الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ

زمین میں جس طرح خلیفہ کیا ان کو جو پہلے تھے اور ضرور متمکن کروں گا

لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ

ان کے لئے ان کا وہ دین جو اس نے پسند کیا ان کے لئے اور ضرور تبدیل کروں گا ان کے

بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا

خوف کے بعد امن میری عبادت کریں گے کہ میرے ساتھ کسی شی کو شریک نہ بنائیں گے

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾

اور جو کفر کریں گے اس کے بعد تو وہ فاسق ہوں گے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ

تاکہ تم رحم کئے جاؤ نہ خیال کرو ان کو جو کافر ہیں (کہ ہمیں) عاجز کرنے

فِي الْأَرْضِ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٧﴾ ع

والے ہیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور البتہ وہ بری بازگشت ہے

فرمایا کہ اگر زندگیٔ دنیا میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدا اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ میری عترت سے ایک آدمی اس کا وارث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی علامہ طبرسی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا سے مراد محمد و آلِ محمد ہیں اور آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ وہ تختِ خلافت پر متمکن ہوں گے اور ملکی حکومت پر ان کو پورا اقتدار حاصل ہوگا اور ان سے ہر قسم کا خوف و ہراس برطرف ہو جائے گا۔ جب کہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ اور کَمَا اسۡتَخۡلَفَ کی تشبیہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح گذشتہ اُمتوں میں خدا نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو اس کے

اہل تھے۔ اسی طرح اب بھی وہی اہل کا انتخاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے آدم، داؤد، سلیمان کو نامزد فرمایا اور اسی طرح آلِ ابراہیم کے لئے [illegible] کی خبر دی پس اب بھی زمین کی حکمرانی اور اس پر مکمل تسلط کے لئے مہدی کو خود بھیجے گا اور عترت نبویہ کے اس منتظر فیصلے کے علاوہ یہ قرینہ بھی صاف واضح ہے کہ گذشتہ خلافتوں کے دور میں کبھی نہ امن قائم ہو سکا اور نہ دین اسلام کو صحیح تمکن و تسلط حاصل ہو سکا اور چونکہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابھی تک آیت مجیدہ کی تاویل کے ایام باقی ہیں۔ اور تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ناصبی لوگ اسی آیت کا مصداق ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کو قرار دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا خدا ناصبیوں کو ہدایت نہ کرے۔ خدا و رسول کے پسندیدہ دین اسلام کو اس اُمّت میں کب تمکن نصیب ہوا ہے اور ان کے دلوں سے خوف و ہراس کب ختم ہوا ہے۔ اور ان کے سینوں سے شکوک و شبہات کب دُور ہوئے ہیں فیما ان خلفاء کے دَور کا جائزہ لیجئے اور پھر مسلمانوں کے ارتداد اور فتنہ و فسادات کی روح فرسا داستانوں کو سامنے رکھئے تو حقیقت کی قلعی خود بخود کھل جائے گی۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور معانی و برہان میں بروایت مقداد حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ نہ کوئی مٹی گارے کا گھر بچے گا اور نہ اون و ریشم کا کوئی خیمہ بچے گا۔ یعنی کوئی شہری اور کوئی شہری و دیہاتی و بدوی باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ اسلام اس کو قبول کرنا پڑے گا خواہ عزت کے ساتھ خواہ ذلیل ہو کر بدل ناخواستہ

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ بسند متصل حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے۔ ایک دفعہ جندل بن جنادہ بن جبیر حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تین سوالات کئے (۱) وہ کیا ہے جو اللہ کے لئے نہیں (۲) وہ کیا ہے جو اللہ کے پاس نہیں (۳) وہ کیا ہے جو اللہ کے علم میں نہیں۔ آپ نے فرمایا شریک اللہ کے لئے نہیں ظلم اللہ کے پاس نہیں اور عزیر کا ابن اللہ ہونا اللہ کے علم میں نہیں۔ پس فوراً اس نے کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا پھر عرض کرنے لگا میں نے شب گذشتہ عالم خواب میں حضرت موسیٰ کی زیارت کی ہے انہوں نے خواب میں مجھے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اوصیاء کے ساتھ تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں اسلام تو لا چکا ہوں لیکن اوصیاء کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے جندل میرے اوصیاء نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے اور یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے تو ان میں سے صرف پہلے تین کا زمانہ دیکھ سکے گا۔ پہلا ان میں سے سیّد الاوصیا حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ پھر اس کے دو فرزند حسن و حسین علیہما السلام ہوں گے۔ جب چوتھا یعنی علی بن الحسین پیدا ہو گا تو تو مر جائے گا اور دنیا میں سے تیرا آخری زاد دودھ ہو گا پھر [illegible] حضرت مہدی علیہ السلام تک نام گنوائے اور فرمایا آخری غائب ہو جائے گا اور جب ظہور کرے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے پر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی پس ان لوگوں کے لئے طوبیٰ ہے جو اس کی غیبت کے زمانہ میں ایمان پر ثابت قدم رہیں اور صبر و شکر سے اس کی محبت کا دم بھرتے رہیں۔ پس جندل امام حسین کے زمانہ تک زندہ رہا۔ آخری زندگی اس نے طائف میں گزاری اور مرنے سے پہلے دودھ کا پیالہ پیا اور خود کہا یہ میرا آخری زاد ہے پھر مر گیا اور طائف میں ہی دفن ہوا۔ (منتخبا)

رکوع نمبر ۱۴۱۔ آدابِ معاشرہ۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند حکیم نے گھریلو زندگی کے بعض آداب کا ذکر

maablib.org

فرمایا ہے۔ کہ گھر میں آنے والے زرخرید غلام اور وہ نابالغ لڑکے جن سے پردہ واجب نہیں ہوتا لیکن وہ حد تمیز کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ تین اوقات میں ان پر ضروری اور واجب ہے کہ جب ان اوقات میں گھر کے اندر داخل ہوں تو اہل خانہ سے اجازت طلب کر لیں (۱) نماز صبح سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت (۳) نماز عشاء کے بعد کیوں کہ یہ اوقات بالعموم عورت و مرد کی ہمبستری کے ہوا کرتے ہیں لہٰذا غلاموں اور بچوں کا آزاد آنا جانا عورت و مرد کے باہمی میل جول میں خلل اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں داخلہ پر اجازت کی پابندی عائد کر دی اور دوسرے لوگ جو بالغ ہوں اور محرم نہ ہوں ان پر تو ہر وقت یہ پابندی ہے کہ جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو مالک گھر سے اجازت حاصل کر لیں۔

مسئلہ۔ اگر غلام اور ممیز لڑکے کو معلوم ہو کہ گھر والے باللباس ہیں اور مقام خلوت و ہمبستری میں نہیں ہیں تو اوقات ثلثہ میں بھی ان پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے بہرکیف اہل خانہ کی پردہ داری کو برقرار رکھنے کی خاطر یہ پابندی عائد کی گئی ہے

وَاِذَا بَلَغَ۔ یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو دوسرے مردوں کی طرح کسی نامحرم گھر میں بغیر اجازت کے کسی وقت بھی داخل نہیں ہو سکتے پس تین اوقات مذکورہ میں اجازت کی پابندی صرف غلاموں اور نابالغ ممیز لڑکوں کے لئے ہے باقی لوگوں پر کسی وقت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ

اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیئے ان لوگوں کو جن کے تم مالک ہو اور

الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

ان (ممیز لڑکوں) کو تم میں سے جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تین دفعہ نماز صبح سے پہلے

الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ

اور جب تم کپڑے اتارتے ہو دوپہر کے وقت اور نماز عشا

صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

کے بعد تین پردے کے اوقات ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

کوئی گناہ ہے ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض پر

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۵۸)

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ

اور جب پہنچ جائیں بچے تمہارے سن بلوغ کو تو وہ بھی اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے

بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ نیز محرم لوگوں پر بھی ضروری ہے کہ اوقاتِ مخصوصہ میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔

وَالْقَوَاعِدُ: یعنی وہ عورتیں جو ضعیف ہو چکی ہوں اور سن یاس کو پہنچ چکی ہوں کہ ان سے نکاح کرنا کوئی بھی پسند نہ کرے تو ان عورتوں پر پردہ اور برقعہ کی کوئی پابندی ضروری نہیں وہ کھلے منہ رہ سکتی ہیں بشرطیکہ مقاماتِ زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں اور ناپاک ارادہ دل میں نہ رکھتی ہوں باایں ہمہ برقعہ پہننا اور پورے حیا و شرم سے بسر اوقات کرنا ان کے لئے زیب اور شایانِ شان ہے تبرّج کا معنی ہے عورت کے لئے جن محاسن کا ستر واجب ہے ان کو ظاہر کرنا۔

الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ

ہیں وہ جو ان سے پہلے (جوان ہو چکے) ہیں اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات کو اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ

جاننے والا حکمت والا ہے اور یائسہ عورتیں جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی پس

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

نہیں ان پر کوئی گناہ کہ اتار دیں برقعوں کو نہ ظاہر کرنے

غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ

والی ہوں زینت کو اور (برقعہ پہن کر) عفیفہ رہنا ان کے لئے زیادہ بہتر

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا

ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے نہیں اندھے پر حرج اور نہ

عبرت

خداوند کریم نے عورت کے شرم و حیا کی کس قدر پاس کی ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی زینت کو ظاہر کرکے نامحرم مردوں کے سامنے نہ آئیں لیکن آج کل کے مغرب زدہ مسلمان پردہ داری سے گریز کرکے بلکہ نفرت کرکے شرم و حیا کی حدود سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ الامان اپنے گھرانوں کی نوجوان و حسین لڑکیاں مختصر چسپت اور نیم عریاں لباس پہن کر سڑکوں اور بازاروں میں دعوت نظارہ دیتی ہوئی آزادانہ سیر کرتی ہیں اور غضب بالائے غضب یہ کہ بھائی باپ اور دیگر رشتہ دار ان کی ان شرمناک حرکات کو دیکھ کر ذرہ بھر نہیں شرماتے بلکہ اسے اپنی بچیوں کی بلند حوصلگی قرار دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود اپنے تئیں غیور مرد کہہ کر معاشرہ میں شرافت کا لیبل بھی اپنے اوپر لگا لیتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْرَجِ ۔ تفسیر قمی سے بروایت ابی الجارود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام لانے

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى
لولے لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج ہے اور نہ تمہارے

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ
نفسوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا

بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ
اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
یا اپنے چچوں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ
گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا وہ جس کی چابیوں کے تم مالک ہو

اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا
یا دوست کے گھر سے نہیں تم پر گناہ کہ مل کر کھاؤ یا

اَوْ اَشْتَاتًا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
الگ الگ پس جب داخل ہو گھروں میں تو سلام دو ایک دوسرے پر

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
یہ تحیہ ہے اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ اسی طرح بیان کرتا ہے

سے پیشتر مدینہ کے لوگ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے۔ پس انصار لوگ اپنے تکبر کے پیش نظر کہتے تھے کہ اندھے کو نظر کچھ نہیں آتا اپاہج کے لئے مجمع میں بیٹھنا دشوار ہے اور بیمار آدمی تندرست کے ساتھ کھا نہیں سکتا لہذا ان کو الگ حصہ نکال کر دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور اسی طرح یہ لوگ بھی احساس کمتری میں مبتلا تھے کہ ہماری وجہ سے چونکہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا وہ الگ کھانے کو پسند کرتے تھے پس جب حضورؐ ہجرت کر کے تشریف لائے تو لوگوں نے اس صورت حال کا ذکر کیا تو خداوند کریم نے یہ آیت کریمہ بھیجی۔

بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ جہاد کو روانہ ہوتے تھے تو گھروں کی چابیاں اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کو دے کر چلے جاتے تھے اور ان کے لیے گھروں میں کھانا پینا حلال کر کے جاتے تھے لیکن یہ لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کچھ کھانا ناپسند

کرتے تھے پس یہ آیت اُتری بعضوں نے کہا ہے کہ آیت کا پہلا حصّہ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کو ان کی معذوری کے پیشِ نظر معافی کے اعلان کے لئے ہے۔ اور لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں کھانے کا حکم مذکور ہے۔

وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ آیت مجیدہ میں حکم عام ہے کہ مذکورہ ذیل گھروں میں سے انسان کھانا کھا سکتا ہے۔ اگرچہ صاحب منزل موجود نہ بھی ہو لیکن اسراف نہ کرے اور اپنی ضرورت پر انحصار کرے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے مروی ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں سے انسان کے لئے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے لیکن اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے اسراف نہ کرے۔

مِنْ بُيُوْتِكُمْ۔ اس میں اپنا گھر اپنی زوجات کا گھر اور اپنے بیٹی بیٹیوں کے گھر سب داخل ہیں کیونکہ عورت کا گھر اور مرد کا گھر تو ایک ہے ہی لیکن اولاد کے گھر کو اپنا گھر اس لئے کہا ہے کہ اولاد اور اولاد کا مال سب اسی کا ہی مال ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کا مال ہے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ماں باپ بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے لیکن اولاد کے گھروں کو الگ نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ان گھروں میں سے بلا اجازت کھانا پینا اس طرح جائز ہے جس طرح بھوکے انسان کے لئے کسی باغ سے گذرتے ہوئے اس کا پھل کھا لینا جائز ہے یا سفر میں جاتے ہوئے پیاسے انسان کے لئے راستہ میں کھڑی بھیڑ یا بکری کا دودھ پی لینا جائز ہے اور اسے حق مرور کہتے ہیں۔ خداوند کریم نے لطف وکرم کے ماتحت انسانی ضروریات کے پیش نظر اس کو حلال کیا ہے۔ اگر نیت درست ہو اور اسراف و ذخیرہ کرنے سے گریز کرنا ضروری ہے۔

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع۱۴

اللہ تمہارے لئے آیات کو تاکہ تم عقل کرو

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ غلام اور مملوک جس طرح خود اپنے مولا کی ملکیت میں ہیں اسی طرح ان کے باغات ومکانات کی کنجیوں کا مالک بھی وہی ہے پس مالک اپنے غلام کے مال سے کھا سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب انسان کو کوئی زمیندار اپنی زمینوں باغات ومکانات کے لئے وکیل یا سرپرست ونگہبان مقرر کرے اور اُسے چابیاں حوالہ کر دے تو اس کے لئے باغات سے کھانا اور حیوانات کا دودھ پینا حسب ضرورت وحاجت جائز ہے۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ۔ صدیق وہ ہے جو سچی محبت رکھتا ہو جس طرح اس کا ظاہر تیرے ظاہر کے موافق ہے۔ اسی طرح اس کا باطن تیرے باطن کے موافق ہو اور صدیق کی لفظ واحد اور جمع دونو پر اطلاق ہو سکتی ہے اور آیت مجیدہ کی رو سے ایسا دوست دوست کے گھر سے اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ۔ بعض لوگ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے حتی کہ بنی کنانہ کے ایک قبیلہ کا دستور عام تھا چنانچہ ان میں سے کوئی بندہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کا شریک نہ ہوتا اور دودھ سے بھری اونٹنی کا دودھ بھی پینا گوارا نہ کرتا تھا جب تک کوئی دوسرا شریک نہ ہوجاتا پس یہ آیت اتری کہ تنہا کھالینا بھی گناہ نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جب کسی انسان پر مہمان آجاتا تھا تو وہ تنہا تنہا کھانا گناہ سمجھتے تھے بلکہ اکٹھا مل کر کھانا واجب جانتے تھے۔ پس آیت اتری کہ اکیلا کھالینا بھی گناہ نہیں ہے پس تمہارے اختیار میں ہے مل کر کھاؤ یا تنہا کھاؤ۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضورؐ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کا صیغہ جاری فرمایا پس ابوبکر و عمر۔ عثمان و عبدالرحمن۔ طلحہ و زبیر۔ سلمان و ابوذر اور اسی طرح مقداد و عمار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت علیؑ غمزدہ تشریف لائے اور عرض کی حضور آپ نے مجھے کیوں تنہا چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا یا علی تجھے میں نے اپنے لئے بچالیا ہے۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ اَخِیْ وَ اَنَا اَخُوْكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اَنْتَ وَصِیِّیْ وَ وَزِیْرِیْ وَ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ وَ تَقْضِیْ دَیْنِیْ وَ تُنْجِزُ عِدَاتِیْ وَ تَتَوَلّٰی غُسْلِیْ وَ لَا یَلِیْنِیْ غَیْرُكَ وَ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ یعنی کیا تو راضی نہیں کہ تو میرا بھائی ہو دنیا و آخرت میں اور تو میرا وصی اور وزیر و خلیفہ ہو میری امت میں اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا اور وعدوں کو پورا کرنے والا اور مجھے غسل دینے والا ہو کیونکہ تیرے سوا کوئی یہ کام انجام نہ دے گا اور تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؑ خوش ہوگئے۔ صیغہ مواخات جاری ہونے کے بعد صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی کسی جنگ یا سفر کے لئے جاتا تو اپنے دینی بھائی کو گھر کی چابی دے کر بے فکر چلا جاتا تھا اور اسے اجازت عام ہوتی کہ گھر سے جو چیز مرضی ہو لے اور کھائے لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتا تھا حتی کہ گھر میں رکھی ہوئی بعض کھانے پینے کی چیزیں ضائع ہوجاتیں پس یہ آیت مجیدہ اتری۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ۔ یعنی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو اور کوئی بندہ موجود نہ ہو تو اس طرح کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا خداوند کریم نے اس کو مبارک اور طیب قرار دیا ہے پس یہ سلامتی کا موجب اور آفات و مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہے۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں میں اپنے گھر والوں کو سلام کہو تاکہ گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو۔

maablib.org

رکوع نمبر ۱۵

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا

سوائے اس کے نہیں مومن وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب اس

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے ایک قوم ایسی تھی کہ جب حضورؐ کسی اہم کام کے لئے ان کو بیٹھنا چاہتے تھے تو وہ مجمع میں سے کھسک جاتے تھے پس خداوند کریم نے یہ آیت بھیج کر تنبیہ کردی کہ مومن خالص کی شان یہ ہے کہ جب بھی کسی اجتماعی معاملہ میں موجود ہوں مثلاً مجلس مشاورت ہو یا نماز جمعہ ہو یا لڑائی کی

تیاری ہو تو ایسے مواقع پر اگر کسی خاص ضرورت کے ماتحت جانا بھی ہو تو حضور سے اجازت لئے بغیر نہ جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ - یعنی مومن وہی ہیں جو آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو بلا اجازت چلے جائیں ان کا ایمان خالص نہیں ہے - بنا بریں جمعہ کو چھوڑ جانا یا جنگ و جہاد سے گریز کرنا ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ - یعنی اجازت لینے کے بعد رسول کریم اجازت دینے کے پابند نہیں بلکہ یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے اجازت دیں یا نہ دیں۔

كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ
کے ساتھ ہوں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہ جائیں جب تک اجازت نہ لے لیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
تحقیق جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ
پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب کے لئے تو اجازت دے دیجئے جسے آپ

مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ لَا
چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے نہ

تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ
کرو رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے تحقیق جانتا

يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
ہے خدا ان کو جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے پناہ لیتے ہوئے (کسی کی) پس ڈریں وہ جو

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حنظلہ بن ابی عیاش کے بارے میں اتری ہے کہ اس نے اسی رات شادی کی جس کی صبح کو جنگ احد تھی پس اس نے حضور سے گھر رہنے کی اجازت لے لی پس شب زفاف گھر میں رہا اور جنبی حالت میں اٹھا تو جنگ سے پیچھے رہنے کے احساس نے ٹھہرنے نہ دیا پس تیزی سے مجاہدین کی صف میں جا ملا اور معرکہ قتال میں بہت جلدی جام شہادت نوش کیا جب لاشوں میں اس کی لاش نہ دیکھی گئی تو حضور نے فرمایا میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے پیالوں سے حنظلہ کی میت کو غسل دے رہے ہیں - پس اسی دن سے اس کا لقب غسیل ملائکہ ہو گیا۔

دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ - اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) رسول کا تمہیں بلانا تمہارے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہیں

ہوتا کیونکہ رسول کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اور اس سے کنارہ کشی خدا کے حکم سے کنارہ کشی ہے (۲) رسول کی بددعا کو ایک دوسرے کی بددعا کی طرح نہ سمجھو بلکہ ان کی بددعا سے ڈرا کرو کیونکہ ان کی بات کو خدا رد نہیں فرماتا (۳) عام خطاب میں تم جس طرح نام لے کر یا کنیت کر کے

يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان پر آزمائش یا پہنچے ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ (۶۳) أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

عذاب دردناک آگاہ ہو تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

وہ جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور جس دن پلٹائے جائیں گے اس کی طرف پس ان کو خبر

بِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۶۴) ع ۱۵

دیگا اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

ایک دوسرے کو بلاتے ہو اسی طرح رسول کو یا محمد اور یا ابن عبداللہ کر کے نہ بلایا کرو ان کی عظمت شان اور رفعت مکان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کے وقیع خطابات سے بلایا کرو۔ تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے منقول ہے بسند متصل جناب بتول معظمہ فرماتی ہیں میرے آقا و سید حضرت علیؑ نے میرے سامنے یہی آیت پڑھی پس جب میں صبح میں اپنے پدر عالی قدر کی بارگاہ میں پہنچی تو یا اباہ یعنی بابا جان! کی بجائے میں نے یا رسول اللہ کے لقب سے خطاب کیا تو آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹی یہ آیت تیرے لئے نہیں نہ تیرے بچوں کے لئے ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں یہ آیت تو بے ادب بدوی لوگوں کے لئے ہے تیرا مجھے یا اباہ (بابا جان) کہہ کر بلانا مجھے بہت پیارا لگتا ہے اور میرا رب بھی اس سے خوش ہوتا ہے اَنْتِ نِعْمَ الْوَلَدُ تو میری بہترین اولاد ہے پس سر پر بوسہ دیا اور اپنا لعاب دہن مجھ پر مل دیا جس کے بعد مجھے کسی خوشبو کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

یَتَسَلَّلُوْنَ۔ بعض منافقین خطبہ جمعہ سے لوگوں سے چھپتے چھپاتے مسجد سے کھسک جاتے تھے یا ایک قول کے مطابق میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے پس ان کی تنبیہ کے لئے یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

maablib.org

سُورَہ فُرقَان

- یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستتّر ہے
- جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرتا رہے جب بروز قیامت اٹھے گا بشرطیکہ قیامت کے لاریب آنے کا یقین رکھتا ہو اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو۔ جنّت میں بلا حساب داخل ہوگا
- امام علی رضا علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے اسحاق بن عمارہ سے فرمایا سورہ فرقان کی تلاوت کو ترک نہ کرو۔ کیونکہ جو آدمی اس کی تلاوت ہر شب کرے اس کو اللہ کبھی عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور نہ اس سے حساب لے گا اور اس کا ٹھکانا فردوس بریں میں ہوگا۔ (مجمع البیان)

maablib.org

الفرقان ۔ یعنی غلط اور صحیح اسی طرح باطل اور حق کے درمیان فرق کرنے والا اور وہ قرآن مجید ہے۔

رکوع نمبر ۱۶، بیان توحید

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۔ یہود نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا فرزند کہا اور مشرکین نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہہ دیا اس فقرہ میں ان سب کے مزعومات باطلہ کی تردید ہے اور فرمایا اللہ وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا واحد مالک ہے اور چونکہ بیٹا باپ کا مملوک و عبد نہیں ہوتا حالانکہ عزیر و عیسیٰ و ملائکہ سب اللہ کے عبد و مملوک ہیں لہذا ان کو اس کا بیٹا کہنا غلط بلکہ بہتان ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ
بابرکت ہے وہ جس نے نازل کیا قرآن کو اپنے بندے پر تاکہ ہو عالمین کے لئے

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ڈرانے والا وہ جس کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ
نہیں بنایا اس نے بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک ملک میں اور اس نے

كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۲ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
پیدا کیا ہر چیز کو پس اس کو صحیح اندازہ سے بنایا اور لوگوں نے بنا لیئے اس کے علاوہ اور الٰہ

لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ
جو نہیں پیدا کرتے کسی چیز کو اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے نفسوں کے لئے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ۔ اس فقرہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو غیر جاندار اصنام یا درختوں یا چاند سورج ستاروں وغیرہ کو یا جاندار اشیا ملائکہ یا انبیاء و اولیاء کو کائنات کا مدبر اور ملک خداوندی میں ان کو کلی متصرف قرار دے کر ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ اس فقرہ میں پھر سابق مطلب کو مزید پختہ کیا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے حالانکہ باپ اولاد کا خالق نہیں ہوا کرتا اور جن کو اس کا شریک مانا جاتا ہے وہ سب اس کی مخلوق ہیں حالانکہ شریک کو اپنے شریک کا مخلوق نہیں ہونا چاہیئے پس معلوم ہوا کہ نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۔ آیت مجیدہ میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے معنی میں لوگ کس طرح شرک کرتے ہیں۔ سابقہ آیت میں خداوند حکیم نے پوری کائنات پر اپنے واحد مالک ہونے کا اعلان فرمایا اور کسی کو بیٹا یا بیٹی یا مدبر عالم ماننے والوں

کی پرزور تردید فرمائی اس آیت میں خدا کے علاوہ الٰہ ماننے والوں کے مسلک کو رد کیا اور ضمنی طور پر الٰہ کا معنی بھی واضح کر دیا اور مشرکین کے نظریہ کی تردید کر کے جہاں اپنی توحید کو غیر متزلزل برہان سے ثابت فرمایا وہاں مشرکین کے دجل و فریب کے پردہ کو بھی چاک کر دیا جو شرک کرنے کے باوجود اپنے موحد ہونے کے دعویدار ہیں۔ کیونکہ جو شخص انبیاء و اولیاء کو یا غیر جاندار اصنام و چاند سورج ستارں وغیرہ کو خالق ماننے اور ان کو نفع نقصان زندگی موت اور دوبارہ نشر کا مالک قرار دے آیت کا التزامی مفہوم یہ واضح کرتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا اللہ کے علاوہ اور الٰہ کو تجویز کرتا ہے۔ گویا یہ صفات اس ذات کے لئے مخصوص ہیں جو الٰہ کے لفظ کی حقیقی مصداق ہے اور منطوق آیت صاف اعلان کر رہا ہے کہ جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ الٰہ قرار دیا وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے جو الٰہ حقیقی کی صنعت ہے بلکہ وہ خود اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں جس سے الٰہ حقیقی بلند و بالا اور منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کی نفع رسانی یا دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا تو بجائے خود اپنے نفسوں کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسروں کو مارنا اور زندہ کرنا تو بجائے خود وہ اپنی موت و حیات کے بھی مالک نہیں۔ اسی طرح حشر و نشر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ پس آیت صاف بتلاتی ہے جو غیر اللہ میں ان صفات کو ثابت کرے وہ اللہ کے علاوہ اور الٰہ کا قائل ہے پس ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر زبان پر لا الٰہ الا اللہ کی رٹ لگاتا رہے اس کا دل توحید کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور نہ وہ اس بہانہ سے شرک کے دلدل سے نجات پا سکتا ہے بعض جاہل و نادان لوگ آل محمدؐ کے متعلق اس قسم کے باطل عقیدہ کے ہمنوا ہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے زمانہ میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں ان بد عقیدہ لوگوں کی تردید فرمائی اور اپنی ذات سے الٰہ کے معنی کی نفی فرمائی جیسا کہ آیت مجیدہ میں بیان ہو چکا ہے چنانچہ ایک مناجات میں آپ فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا عَبِیْدُكَ وَاَبْنَآءُ عَبِیْدِكَ لَا نَمْلِكُ لِاَنْفُسِنَا نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اَللّٰھُمَّ مَنْ زَعَمَ اِنَّا اَرْبَابٌ فَنَحْنُ عَنْهُ بُرَآءُ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ اِلَیْنَا الْخَلْقَ وَعَلَیْنَا الرِّزْقَ فَنَحْنُ اِلَیْكَ مِنْهُ بُرَآءُ كَبَرَآءَةِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مِنَ النَّصَارٰی الحدیث

یعنی اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے لئے نفع و نقصان موت و زندگی اور حشر و نشر کے مالک نہیں ہیں۔ اے اللہ جو ہمیں رب کہے ہم اس سے بری و بیزار ہیں اور جو یہ سمجھے کہ ہم پیدا کرتے اور رزق دیتے ہیں ہم ان سے اس طرح بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ الخ۔

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

نقصان کے نہ نفع کے اور نہیں مالک موت کے نہ زندگی کے اور نہ دوبارہ اٹھنے کے اور کہا کافروں نے

قَالَ الَّذِیْنَ۔ قرآن مجید کی تکذیب میں کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اس کو اللہ نے نہیں بھیجا بلکہ حضورؐ نے (معاذ اللہ) جھوٹ کا افترا باندھ لیا ہے اور بعض اہل کتاب اس معاملہ میں اس کی امداد کرتے ہیں۔ پس اللہ نے ان کی رد میں آتا ہی

فرمایا کہ ان لوگوں نے ظلم کیا اور جھوٹ وغلط کہا کیونکہ اس سے پہلے چیلنج اور تحدی بار بار ہو چکی تھی کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو تم سب مل کر اس جیسا اس کی ایک سورت جیسا بلکہ اس کی ایک آیت جیسا کوئی ٹکڑا کلام کا تو پیش کرو اور اگر تم عاجز ہو تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے

كَفَرُوٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ
نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹ جو افترا کیا اس نے اور اس کی مدد کی اس معاملہ

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْٓا
ہیں اور لوگوں نے پس تحقیق ان (کافروں) نے ظلم کیا اور جھوٹ کہا اور کہنے لگے

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا
یہ قصے ہیں پہلے لوگوں کے جو اس نے لکھ لیئے پس وہ اس پر پڑھے جاتے ہیں صبح اور شام

⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کہہ دو اس کو اتارا ہے اس ذات نے جو جانتی ہے راز آسمانوں اور زمین کے

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑥ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ
تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہا انہوں نے یہ کیسا رسول ہے کہ

يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر

مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ⑦ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ
فرشتہ کہ وہ ہوتا اس کے ساتھ نذیر یا ڈالا جاتا اس کی طرف ایک خزانہ

لیکن وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آئے بلکہ بار بار اسی اُسکے ہوئے لقمے کو چباتے رہے اسی لئے خدا نے مفصل جواب نہیں دیا بس اتنا ہی کہہ دیا کہ یہ لوگ ظالم اور غلط گو ہیں۔

وَقَالُوْٓا۔ وہ کہتے تھے کہ اہل کتاب سے پرانے لوگوں کے قصے اس نے نقل کر لئے ہیں اور پڑھنے والے صبح وشام اس کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ یاد کر لیتا ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ دو فقروں میں تضاد بیانی دیکھئے ایک طرف تو کہتے ہیں کہ یہ اس کا اپنا افترا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر قصے پڑھے جاتے ہیں تو گویا اس کا افترا نہیں دوسروں کا افترا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ۔ تفسیر صافی میں احتجاج سے مروی ہے کہ تفسیر امام میں ہے ایک دن حضرت رسالتمآب مکہ میں کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے کہ مشرکین کی جماعت میں سے عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی نے آپ سے خطاب کر کے کہا

اے محمد ! تو نے ایک بڑا جھوٹ کہا ہے اور ہولناک بات منہ سے نکالی ہے تو کہتا ہے میں رب العالمین کا رسول ہوں حالانکہ رب العالمین جو تمام مخلوق کا خالق ہے تجھ جیسے کو جو ہماری طرح کا کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلنے والا بشر ہو رسول نہیں بنا سکتا دیکھئے روم و فارس کے بادشاہ جس کو اپنا رسول (فرستادہ) بنا کر بھیجیں وہ مالدار ہوتا ہے اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے اس کے محلات بنگلے کوٹھیاں خیمے قناتیں اور نوکر و خادم بکثرت ہوتے ہیں اور خدا رب العالمین جو سب کا اور ان کا بھی خالق ہے اگر تو اس کی جانب سے نبی ہوتا تو وہ تیرے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا جو تیری تصدیق کرتا اور ہم خود اس کو دیکھتے بلکہ خدا اگر رسول بھیجتا تو ہم جیسا بشر نہ ہوتا بلکہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا تو تو ایک مسحور آدمی یعنی جادو کردہ یا جادو کنندہ یا دیوانہ ہے (مسحور کی تفسیر نویں جلد صفحہ پر ملاحظہ فرماویں) پھر انہوں نے بہت سی باتیں کیں اور اعتراضات کئے کچھ سورہ بنی اسرائیل میں گذر چکے ہیں۔ اور بعض کی حکایت سورہ زخرف میں ہوگی۔ ان شاء اللہ حضرت رسالت مآبؐ نے سب باتیں خاموشی سے سماعت فرمائیں اور بعد میں بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی۔ اے اللہ تو ہر آواز کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے جو کچھ تیرے بندے کہہ رہے ہیں پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
یا ہوتا اس کے لئے باغ کہ کھاتا اس سے اور ظالموں نے کہا نہیں تم پیروی
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٨﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا
کرتے مگر جادو کئے ہوئے شخص کی دیکھ کس طرح بیان کرتے ہیں
لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩﴾ ع
تیرے لئے مثالیں پس وہ گمراہ ہیں پس راہ راست پر آنے کی توفیق نہیں رکھتے

درست ہے کہ میں تمہاری طرح روٹی کھاتا ہوں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ جو یہ کام کرے وہ رسول نہیں ہو سکتا غلط ہے کیونکہ یہ چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے دیکھئے بندوں میں غنی فقیر عزیز ذلیل تندرست بیمار شریف رذیل اپاہج و کمزور مختلف قسم کے لوگ ہیں لیکن کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنا اور صابر ہونا ہر انسان کا فرض ہے۔ اللہ کی تقسیم اور اس کی تقدیر پر راضی نہ ہونا اور اعتراض کرنا کفر ہے پھر آیت اتری قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ۔ یعنی ان کو کھلے لفظوں میں کہہ دیجئے کہ میں بشریت میں تم جیسا ہوں لیکن میرے رب نے مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس طرح بعض لوگ دولت مندی تندرستی اور خوبصورتی کی نعمات سے ہمکنار ہیں اور دوسرے محروم ہیں تو جس طرح ان صفات کا تم انکار نہیں کر سکتے لہٰذا میرے لئے اس صفت کا کیوں انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے نبوت کی دولت عطا فرمائی ہے اس کے بعد آپ نے ان کے باقی سوالات کے جوابات دیئے جو سورہ بنی اسرائیل اور انعام میں گذر چکے ہیں پھر آپ نے فرمایا تمہارا یہ کہنا کہ میں مسحور یعنی جادوگر یا دیوانہ یا از خود رفتہ انسان ہوں تو تم خود انصاف کرو میں چالیس برس تم میں زندگی گذار چکا ہوں

اور تمہارے دل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں عقل اور تمیز میں تم سب سے بلند تر ہوں کیا چالیس برس کی ایک طویل زندگی کے دوران میں تم میری ایک شرمناک حرکت یا ایک ذلیل حرکت یا ایک جھوٹ یا ایک خیانت یا غلطی یا کوئی بیوقوفانہ بات ثابت کر سکتے ہو؟ (اور یقیناً تم یہ ثابت نہیں کر سکتے) پھر تم خود سمجھ لو کہ جس شخص سے ایک لمبے عرصہ میں ایک لغزش اور برائے نام بھی کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو کیا یہ اس کی ذاتی اقتضاء ہے یا اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے شامل حال ہے؟ یہ سن کر وہ سب کے سب کھسیانے سے ہو کر رہ گئے اور کسی میں بھی بات کرنے کی جرأت نہ رہی، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اُنظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا الخ۔ یعنی دیکھو انہوں نے تیرے لئے کیسی مثالیں تلاش کر کے بیان کی ہیں لیکن جب تم سے اپنے سوالات کے جواب سن چکے ہیں تو کسی میں جواب دینے کی اور بولنے کی جرأت نہیں رہی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا۔ یعنی ان میں سے کسی میں بھی جواب کی توفیق نہیں یا یہ کہ جب انہوں نے آپ کے معقول استدلالات کو ٹھکرا دیا اور ازراہِ عناد ان کو تسلیم کرنے سے انکاری رہے تو وہ گمراہی کے گہرے سمندر میں ڈوب چکے ہیں۔ اب ان میں راہِ حق پر آنے کی توفیق ہی مسلوب ہو چکی ہے (ملخصاً)

بشریّت و رسالت

مشرکین مکہ کی رسالت مآب کے ساتھ بحث چند امور کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۔ وہ اللہ کو رب العالمین تسلیم کرتے تھے۔

۲۔ رسول کی رسالت کا انکار صرف اس لئے کرتے تھے کہ آپ بشر ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔

۳۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول بشر نہیں ہوتا اور جو بشر ہو وہ عہدہ رسالت نہیں لے سکتا۔

۴۔ ان کا خیال تھا کہ نبوّت و رسالت کے لئے کسی فرشتہ کو نامزد ہونا چاہیے۔

۵۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بے شک میں کھاتا پیتا ہوں لیکن تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو کھائے پئے وہ رسول نہیں ہو سکتا

۶۔ آپ نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ بفرمانِ خداوندی اعلان کیا کہ میں بے شک تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن یہ بات غلط ہے کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا میں بشر ہوں اور خدا نے مجھے عہدۂ نبوت بھی عطا فرمایا ہے۔

۷۔ بشر ہونے کے بعد رسالت ایک عطیہ پروردگار اور صفتِ مخصوصہ ہے جو انسان کو باقی انسانوں سے الگ نوع نہیں بناتی۔ جس طرح آپ نے واضح فرمایا کہ غنی ہونا تندرست ہونا حسین ہونا وغیرہ صفات ہیں جن سے بعض افراد بہرہ ور ہیں اور بعض محروم پس نبوت بھی ایک صفت ہے جس سے میں بہرہ ور ہوں جس طرح تم دوسری صفات کا عطیہ پروردگار ہونا مانتے ہو اسی طرح میرے لئے یہ صفت بھی مان لو۔ تو گویا جس طرح دوسری صفات بشر کو الگ الگ انواع میں تقسیم نہیں کرتیں اسی طرح صفتِ نبوّت بھی نبی کو الگ نوع نہیں بناتی جس طرح آج کل کے بعض سر پھرے لوگ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں، جیسا کہ اسی جلد میں نور کی تفسیر کے ذیل میں ص۱۰۰ پر گذر چکا ہے۔

خداوند کریم نے آیات بھیج کر اور حضور رسالت مآب نے وضاحتی بیان دے کر ان کے مزعومات کی تردید فرمائی۔ خدا جانے آج کل کے اسلام کے دعویداروں نے کیوں مشرکین مکہ کا اگلا ہوا لقمہ چبانا شروع کر دیا ہے کہ جو رسول یا امام ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا اور جو ہماری

طرح کا بشر ہو وہ رسول یا امام نہیں ہو سکتا۔ اور فرمائش کلام اللہ کے ماتحت جو ان کو بشر اور کامل بشر اور سید البشر بلکہ سید الکائنات بشر سمجھے اسے دشمن رسول سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ علم منطق کا منہ چڑانے کے لئے بعض جبہ پوش لوگوں نے بشر کو جنس قرار دے کر انبیاء کو اس کی ایک الگ نوع ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور یہ اس کی اپنی اختراع نہیں بلکہ اس سے پہلے کے ایک جدت پسند مقرر کی چیست بیانی کا ثمرہ ہے اور حدیث مذکور میں حضورؐ کا نبوت کو ایک صفت مخصوصہ قرار دینا اور دیگر صفات کو مقام وضاحت میں پیش کرنا علم منطق کے ان مجددین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے کیونکہ ان صفات کے اختلاف سے نوع نہیں بدل جایا کرتی ورنہ عالم و جاہل شریف و رذیل نیک و بد اور مسلم و کافر وغیرہ بشر کی سب نوعیں بن جائیں گی۔ اور اگر ان کو الگ نوع کہنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صفت نبوت کے دارا تھے۔ لہٰذا باقی انسانوں سے وہ بلند انسان بلکہ کامل انسان تھے اور نوع انسان کے اشرف فرد تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان کی اس جدید اصطلاح سے مقصد میں کوئی غلطی نہیں پیدا ہوتی۔ لیکن اگر کہیں کہ وہ ایسے بشر تھے جو دکھاتے تھے نہ پیتے تھے۔ نہ منکوحہ عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں کے مراسم تھے اور نہ دیگر لوازم انسانیہ و بشریہ ان کے ساتھ تھے تو یہ ایک ایسی جدت ہے جس کو نہ عقل قبول کرتی ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث و تاریخ اس کا ساتھ دیتی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

بابرکت ہے وہ ذات اگر چاہے تو بنائے گا تیرے لئے اس سے بھی بہتر وہ باغات کہ بہتی

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (۱۰)

ہیں ان کے نیچے نہریں اور بنائے گا تیرے لئے محلات

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

لیکن انہوں نے جھٹلایا قیامت کو اور ہم نے تیار کیا اس کے لئے جو جھٹلائے قیامت

سَعِیْرًا (۱۱) اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا

کو دوزخ جب دیکھے گا ان کو مسافت بعیدہ سے تو یہ سنیں گے اس کی

تَبٰرَكَ الَّذِیْ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کفار کے اعتراض کے بعد جبریل نے دنیا کی عیش و عشرت باغات و محلات وغیرہ حضور کے سامنے پیش کئے لیکن آپ نے فرمایا مجھے یہی زندگی پسند ہے جس میں بسر کر رہا ہوں۔ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ۔ یعنی جو لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں درحقیقت یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مقصد تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ جہنم کو دور سے (یعنی ایک سو سال کی راہ سے) دیکھیں گے تو اس کے بھڑکار کی آواز اور اس کے شعلوں کی شدت و حدت ان کو سنائی دے گی لیکن آیت میں رویت کا فاعل جہنم کو قرار دیا گیا ہے اور اس امر کو ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا جہنم غصہ سے ان کو دیکھ کر بڑبڑا رہی ہوگی۔

مَکَانًا ضَیِّقًا۔ یعنی جہنمیوں کو دوزخ میں نہایت تنگی کی جگہ ملے گی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ دوزخ میں جلنے والا اس طرح اس میں جائے گا جس طرح میخ دیوار میں جاتی ہے۔

مُقَرَّنِیْنَ۔ یعنی ان کی گردنوں کی طرف ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے یا یہ کہ اپنے شیاطین کے ہمراہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔

ثُبُوْرًا۔ ثبور کا معنی ہلاکت ہے یعنی وہ واویلا اور واثبوراہ کی آوازیں بلند کریں گے۔

تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

شدت اور شور اور جب ڈالے جائیں گے اس میں تنگ جگہ میں درحالیکہ

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا

جکڑے ہوئے ہوں گے تو اس وقت چلائیں گے واویلا کرتے ہوئے (تو جواب دیا جائیگا) کہ آج ایک دفعہ

وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

نہیں بلکہ کافی واویلا کرو (تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا) کہہ دو کیا یہ خوب ہے یا ہمیشہ

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ

کی جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے کہ وہ ہے ان کی جزا

جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ

اور بازگشت ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے ہمیشہ ہوں گے یہ ہے

عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا

تیرے رب کا وعدہ سوال شدہ اور جس دن جمع کرے گا ان (کفار) کو اور وہ

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

جن کی عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا پس پوچھے گا کیا تم نے گمراہ کیا

وَعْدًا مَسْئُوْلًا۔ یعنی متقی لوگ نمازوں کے بعد یا عام مناجاتوں میں اللہ سے جنت کی دعا مانگتے ہیں پس خدا نے ان کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا، گویا یہ وعدہ ان کے سوال کی منظوری کے بعد ہے۔

شرک کا سبب

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ

یعنی روز محشر خداوند کریم مشرکوں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا خواہ ان کے معبود انبیاء و اولیاء ہوں یا ملائکہ ہوں، یا چاند سورج ستارے اور اصنام ہوں پس ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا تو وہ صاف کہیں گے کہ نہیں، بلکہ ان کی گمراہی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ

تو نے ان کو اپنی طرف سے وافر نعمتیں عطا فرمائیں۔ وہ تجھ سے مانگتے تھے اور تو دے دیتا تھا پس وہ غرے ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ

mahablib.org

تھے بھول گئے اور شیطان کے پھندے میں آ کر مشرک ہو گئے۔ اور ان کے شرک کی وجہ بھی یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنی حاجتیں اور مرادیں غیر اللہ سے مانگتے ہیں۔ پس خدا ان کی حاجات کو اپنی کریمی اور فضل کے ماتحت پورا کر دیتا ہے کیونکہ شانِ خداوندی یہی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیں انہوں نے ہی سب کچھ دیا ہے جن سے ہم مانگ رہے تھے۔ پس ان کی یہ غلط فہمی ان کو حدِ شرک تک لے گئی کہ انہوں نے ان کو ہی اپنا

عِبَادِي هٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ

میرے ان بندوں کو یا وہ خود راستہ سے بھٹک گئے تھے — وہ کہیں گے تو پاک ہے

مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ

ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ بنائیں تیرے علاوہ کوئی ولی

وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا

لیکن تو نے ان کو نفع دیا اور ان کے باپ دادا کو حتیٰ کہ تجھے یاد کرنا بھی بھول گئے اور ہو گئے لوگ

بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا يَسْتَطِيعُونَ

ہونے والے پس تمہیں (اپنے معبودوں نے جھٹلا دیا جو تم کہتے تھے پس وہ نہیں طاقت رکھتے عذاب

صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

لوٹانے کی اور مدد کرنے کی اور جو ظلم کرے تم میں سے اس کو چکھائیں گے ہم بڑا عذاب

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ

اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ روٹی کھایا کرتے

الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور کیا ہم نے تمہارے بعض کو

حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا مان لیا اور خدا کو بھول گئے ورنہ جب وہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر مانگ رہے تھے پس خدا ان کی حاجات کو پورا نہ کرتا تو وہ خدا کی طرف ہی پلٹتے اور غیر اللہ کی عبادت سے بچ جاتے اور خداوند کریم کی طرف سے یہ بڑی آزمائش ہے ہم نے دیکھا ہے ہندو لوگ مورتیوں اور بتوں کے سامنے اپنی حاجات کا ذکر کرتے تھے اور آخر ان کی بھی پوری ہو جاتی تھیں۔ پس وہ ان کو اپنا دیوتا مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور یہی شرک کا مبنی ہے تو روز محشر مشرکین کے معبود یہی جواب دیں گے کہ تیرا ان کی حاجات کو پورا کرنا حالانکہ وہ غیر اللہ سے مانگ رہے تھے ان کی گمراہی کا سبب ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ ۔ پس خدا کی جانب سے مشرکوں کو ندا پہنچے گی کہ جس چیز کا تم دعوے کرتے تھے تمہارے معبودوں نے

اس کو جھٹلا دیا ہے۔ اور اب وہ نہ تو تم سے عذاب کو ٹال سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسری مدد کر سکتے ہیں پس اب سوچو اور سمجھو کہ جو بھی تم میں سے ظلم یعنی شرک کرے گا اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا۔ اب حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ صرف تو نہیں بلکہ تجھ سے پہلے جس قدر رسول آتے رہے ہیں سب روٹی بھی کھاتے تھے اور گلیوں بازاروں میں بھی چلتے تھے اگر مشرکین مکہ اعتراض کریں تو اس کی پروا کئے بغیر اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھئے۔

لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

بعض کے لئے آزمائش کیا کیا تم صبر کرو گے؟ اور ہے رب تیرا آگاہ

وَجَعَلْنَا۔ یعنی ہم نے لوگوں میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش اور فتنہ بنایا ہے مثلاً امیر لوگ غریبوں کے لئے آزمائشگاہ ہیں اور فقیر لوگ امیروں کی آزمائش گاہ ہیں اسی طرح تندرست بیماروں کے لئے اور بیمار تندرستوں کے لئے اور خوبصورت بدصورتوں کے لئے اور بدصورت خوبصورتوں کے لئے وعلیٰ ہذا القیاس پس ہر ایک کو پروردگار نے صبر و ضبط کی تلقین فرمائی ہے امیروں کا صبر یہ ہے کہ اپنی امیری پر شکر خدا بجا لائیں اور فقیروں کے حقوق ادا کریں اور فقیروں کا صبر یہ ہے کہ خدا کی قضا پر صابر و شاکر رہیں اور حلال سے آگے قدم نہ رکھیں۔ اسی طرح ہر صنف کو دوسروں سے عبرت بھی لینی چاہیے۔ اور اپنے حال پر صابر و شاکر بھی رہنا چاہیے۔ پس بیمار تندرست کو دیکھ کر اللہ سے تندرستی کی دعا مانگے اور صبر سے کام لے اور تندرست بیمار سے عبرت حاصل کر کے شکر نعمت اور حقوق کی بجا آوری کی کوشش کرے۔

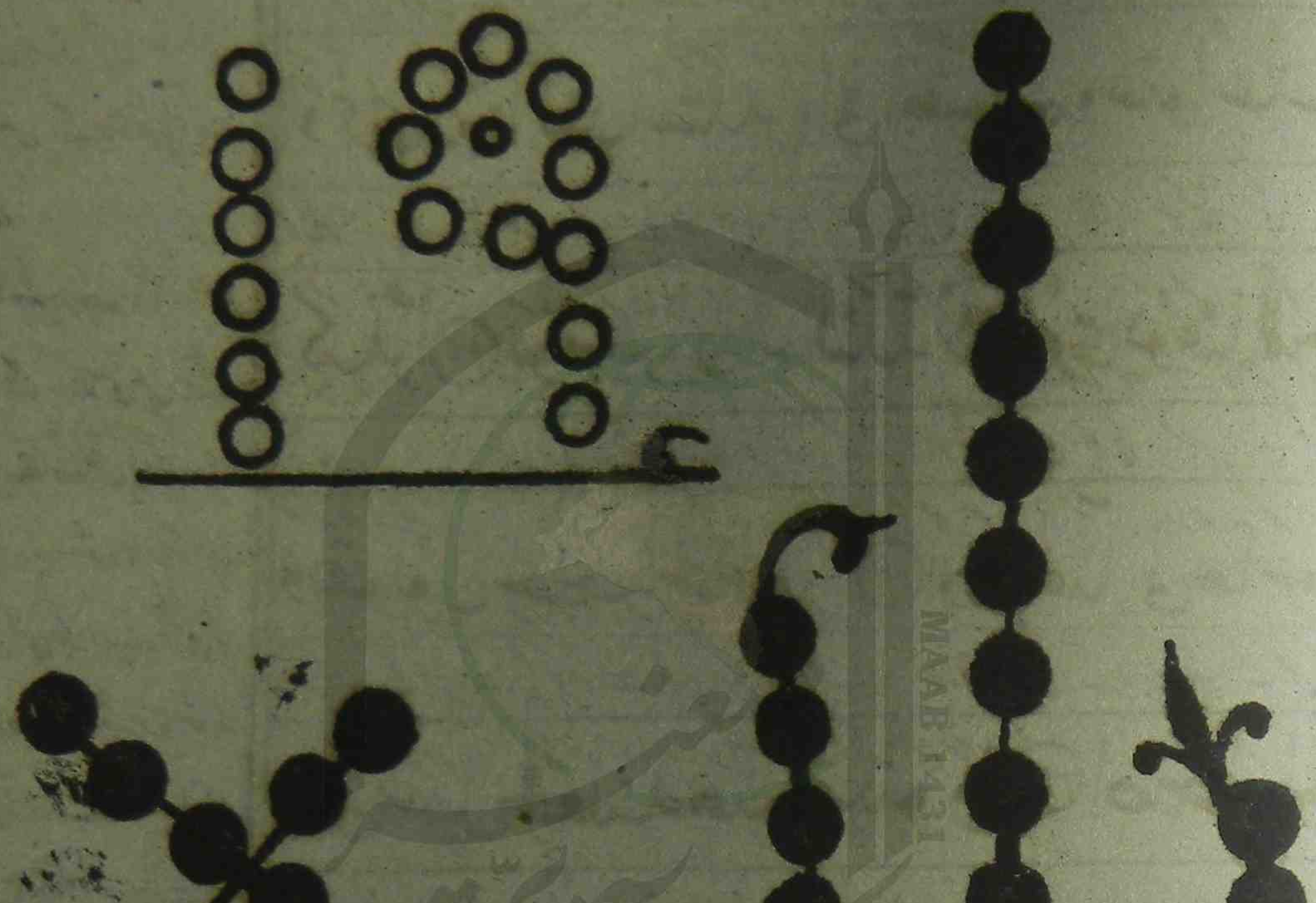

maablib.org

وَقَالَ الَّذِيْنَ ۔ یعنی کافر و مشرک لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں اتارا گیا یا ہم خود اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے تاکہ ہمیں وہ بتائیں کہ آپ سچے رسول ہیں ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں اُمید رکھتے ہماری ملاقات کی کیوں نہیں اُتارے گئے ہم پر فرشتے یا (کیوں نہیں)

اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا

دیکھتے ہم اپنے رب کو تحقیق انہوں نے تکبر کیا اپنے نفسوں میں اور سرکشی کی سرکشی

كَبِيْرًا ۝۲۱ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

بڑی جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو تو نہ خوشخبری ہوگی اس دن مجرموں کو

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۲۲ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا

اور کہیں گے (فرشتے) آڑ حرام ہے (تم پر جنت کی خوشخبری) اور قصد کریں گے طرف ان کے عمل کے جو

مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

انہوں نے کئے تھے پس کردیں گے ان کو غبار پھیلا ہوا جنت والے اس دن

يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝۲۴ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ

اچھے ٹھکانے اور بہترین آرام گاہوں میں ہوں گے اور جس دن پھٹے گا

السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝۲۵ اَلْمُلْكُ

آسمان بادل سمیت اور اتارا جائے گا فرشتوں کو ملک

يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔ یعنی بروز محشر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے لیکن اس وقت فرشتے ان کو خوش خبری نہیں سنائیں گے بلکہ کہیں گے جاؤ تم پر جنت حرام ہے ۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۔ اصل حجر رکاوٹ کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہاں ایک محاورہ نقل کیا گیا ہے کہ عربوں میں یہ دستور عام تھا جب کوئی شخص کسی جگہ اپنے دشمن کو دیکھتا تھا اور اسے ڈر ہوتا تھا کہ یہ مجھے قتل کر دے گا تو یہ لفظ استعمال کرتا تھا کہ اس وقت تم میں اور مجھ میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی اور ہمارے لئے ایک دوسرے کا قتل ممنوع ہے ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں میں یہ لفظ دشمن ایک دوسرے کو کہتے تھے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا

یعنی اب چونکہ حرمت والا مہینہ ہے ۔ لہٰذا ہم پر ایک دوسرے کا قتل حرام ہے ۔ پس وہاں فرشتے کہیں گے کہ تم پر جنت کا داخلہ یا خوش خبری حرام ہے یا یہ کہ مجرم لوگ دنیا میں جس طرح اپنے بچاؤ کے لئے یہ فقرہ استعمال کرتے تھے جہنم سے بچاؤ کے لئے فرشتوں کے سامنے بھی یہی فقرہ بولیں گے کہ ہمیں دوزخ سے معافی دی جائے لیکن وہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور دنیا میں ان کی کی ہوئی نیکیاں سب ہباءً منثورًا ہو جائیں گی

مَقِیلاً ۔ قیلولہ کی جگہ اور قیلولہ دوپہر کے آرام کا نام ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہ ہوگی ۔

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ ۔ ویسے تو تمام آسمانوں اور زمین کا واحد مالک اللہ ہے لیکن دنیا میں شاہانِ وقت کو عارضی طور پر حکومت حاصل ہے پس بروزِ قیامت تو سوائے ذات سبحانہ کے کسی کی ذرہ بھر بھی حکومت نہ ہوگی اور سب اس کے فضل کے محتاج ہوں گے ۔

بُرے قرین سے تبرا

وَیَوْمَ یَعَضُّ ۔ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت عقبہ ابن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں اُتری ۔ یہ دونو آپس میں دوست تھے اور عقبہ کا

يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

اس دن سچ مچ اللہ کا ہوگا اور وہ کافروں پر سخت

عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي

ہوگا اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا کاش میں نے

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ

اختیار کیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ ہائے افسوس کاش میں نے نہ بنایا ہوتا

فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ

فلاں کو دوست تحقیق اس نے مجھے گمراہ کیا ذکر سے بعد اس کے کہ میرے پاس پہنچا اور

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

شیطان ہے انسان کو رسوا کرنے والا اور رسول کہے گا

يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اے پروردگار تحقیق میری قوم نے کر دیا اس قرآن کو متروک

دستور تھا کہ ہر سفر سے واپسی پر دعوت دے کر اشرافِ مکہ کو کھانا دیتا تھا اور جناب رسالت مآب کے پاس بھی اکثر بیٹھا کرتا تھا ایک سفر سے واپسی پر اس نے حضور کو بھی اپنے ہاں کھانے پر مدعو کر لیا جب آپ اس کے گھر میں تشریف لے گئے تو فرمایا میں تیری دعوت نہ کھاؤں گا جب تک تو توحید پروردگار اور میری نبوت کا اقرار نہ کرے گا چنانچہ اس نے کلمہ شہادتین کو زبان سے جاری کر لیا اور حضور نے کھانا تناول فرما لیا ۔ جب ابی بن خلف کو اطلاع ملی تو وہ اس پر ناراض ہوا کہ تو بے دین ہو گیا اس نے معذرت پیش کی کہ چونکہ وہ میرے کلمہ شہادتین کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کا بغیر کھائے چلا جانا میری توہین تھی اس لئے وقتی طور پر میں نے کلمہ پڑھ لیا ۔ ابی ابن خلف نے کہا میں تیرے اُوپر تب راضی ہوں گا کہ تو جا کر ان کے منہ پر تھوک دے (معاذ اللہ) اس ملعون نے ویسا ہی کیا اور مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گیا آخر کار جنگِ بدر میں ذلیل ہو کر مارا گیا اور ابی بن خلف کو خود حضور نے

جنگ احد کے دن اپنے ہاتھوں دارالبوار پہنچایا۔ کہتے ہیں عقبہ نے جب حضور کی طرف تھوکا تھا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے اپنے منہ پر پڑی تھی جس سے اس کے دونو رخسارے جل گئے تھے اور آخر عمر تک اس کے منہ پر یہ داغ رہا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ وسیلہ میں جو وفات پیغمبر کے سات دن بعد جب کہ جمع قرآن سے فارغ ہو چکے ارشاد فرمایا ان دونو نے میرے ساتھ اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ یہ دونو ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے۔ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ الخ۔ یعنی کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا پس تو میرا بُرا ساتھی تھا اور کہیں گے۔ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا۔ کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا کہ اس نے مجھے ذکر سے روک لیا اور شیطان ہی انسان کو رسوا کرتا ہے۔ پس میں وہ ذکر ہوں جس سے انہوں نے منہ پھیرا۔ اور میں وہ سبیل ہوں جس سے وہ روگردان ہوئے اور میں وہ ایمان ہوں جس کا انہوں نے کفر کیا۔ اور میں وہ قرآن ہوں، جس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ اور میں وہ دین ہوں جس کی انہوں نے تکذیب کی اور میں وہ صراط ہوں جس سے انہوں نے پہلوتہی کی (برہان)

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے یہ آیتیں قریش کے دو آدمیوں کے حق میں نازل ہوئیں جو ظاہر میں ایمان لا چکے تھے اور در حقیقت منافق تھے۔ جس دن صحابہ میں صیغہ مواخات جاری ہوا تو وہ دونو ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنے۔ پس ایک نے دوسرے کو راہ مستقیم سے روکا اور دونو ہلاک ہوئے۔ بروز محشر دونو کی حسرت کا خدا ذکر فرما رہا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر پشیمان ہو گئے۔

بہرکیف تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ آیات عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں ہوں لیکن اس کی تاویل بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے اور اس کی تاویل بھی زندہ ہے اور روایات آلِ محمد سے بکثرت وارد ہیں کہ رسالت مآب کے بعد جن لوگوں نے ولایت علی کو ترک کیا اور عہد غدیری کو توڑ کر خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے وہ ظالم ہیں اور بروز قیامت وہ اپنے اس کرتوت پر پشیمان ہوں گے اور ایک دوسرے سے بیزاری بھی کریں گے لیکن اس وقت یہ باتیں ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث نہ بن سکیں گی۔ اور حضور بھی فریاد کریں گے کہ میری قوم و اُمّت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح ہر دوست اپنے دوست سے بعد قیامت بیزار ہو گا جن کی دوستی دین کی دشمنی کی موجب بنی تھی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ
اور اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن مجرموں میں سے
وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝٣١ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور کافی ہے تیرا رب ہادی جو مددگار اور کہا کافروں نے

وَقَالَ الَّذِيْنَ۔ کفار مکہ کے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو تورات و انجیل کی طرح یک مشت اکٹھا کیوں نہیں نازل ہوا۔ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ یہ تیرے دل کی تقویت کے لئے ہے۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً جبرئیل کا آنا اور آیات کا موقعہ بموقعہ

نازل ہونا تقویت اسلام اور تسکین مومنین کے لئے بہت اچھا بہانہ تھا اور کفار کو اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا اس لئے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کے دلائل کافی دئے جا چکے تھے۔ اور پھر قرآن کا چیلنج بھی ہو چکا تھا جو منصف مزاج طبقہ کے لئے کافی تھا

وَرَتَّلْنٰهُ ۔ کھلا اور واضح نازل کیا یا یہ کہ ہم نے اس کو مناسب مواقع پر ایک آیت کے بعد دوسری کو وقتاً فوقتاً اتارا یا یہ کہ ہم نے اس کو مفصل و مبرہن نازل کیا۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ ۔ یعنی کافر لوگ جو بھی تمثیل بیان کریں ہم اس کے جواب میں حق کی بہترین تفسیر نازل کرتے ہیں۔

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ

کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن کو ایک دفعہ یہ اس لئے تاکہ

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا

مضبوط کریں ہم اس سے تیرے دل کو اور اس کو ہم نے واضح کیا خوب اور نہیں

يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾

لائے تیرے پاس وہ کوئی مثال مگر یہ کہ ہم نے بھیج دیا حق اور بہترین تفسیر (جواب میں ا

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ

وہ لوگ جن کو منہ کے بل جہنم کی طرف محشور کیا جائے گا ان کا برا

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

ٹھکانا اور نہایت بدطریقہ ہے اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو

الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾

کتاب اور کیا ہم نے ساتھ اس کے ہارون کو وزیر

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ ۔ تفسیر برہان میں غیبت نعمانی سے مروی ہے کہ منہ کے بل وہ لوگ محشور ہوں گے جو پیغمبر کے بعد مرتد ہو گئے اور بیعت کو توڑ کر ناکثین کے زمرہ میں شامل ہوئے اور اپنے نبی کے حقیقی جانشین سے لڑے جو ان میں عالم فاضل سید حاملِ لوا، مالک کوثر اور حجت خدا تھا اور کعبہ کے رب کی قسم وہ علیؑ ہی ہے جو سب سے اعلم واقدم تھا الحدیث ملخصاً

رکوع ۲

فَدَمَّرْنٰهُمْ ۔ تدمیر اور تتبیر دونو مترادف ہیں اور ان کا معنی ہے ہلاک کرنا۔

اصحاب رس وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) رس کنوئیں کا نام ہے جس میں کافروں نے اپنے نبی کو زندہ ڈال کر اوپر پتھر سے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیون وعلل حضرت امیر المومنینؑ

سے ایک شخص نے شہادت سے تین روز قبل اصحاب رس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تو نے ایسی بات دریافت کی جو

فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ

پس ہم نے کہا جاؤ طرف اس قوم کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک

تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ

کیا اچھی طرح اور قوم نوح نے جب جھٹلایا رسولوں کو توان کو ہم نے غرق کر دیا اور کیا ان کو

لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَ

لوگوں کے لئے نشانی اور تیار کیا ہم نے ظالموں کے لیئے عذاب دردناک اور عاد و

ثَمُودَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ﴿٣٨﴾

ثمود اور اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کیا)

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا

اور ہر ایک کے لئے ہم نے بیان کیں مثالیں اور ہر ایک کو ہم نے ہلاک کیا اچھی طرح اور تحقیق آئے اس

عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا

بستی پر جس پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا سخت ترکیا

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾

انہوں نے ان کو نہیں دیکھا بلکہ یہ قیامت کی امید نہیں رکھتے

آج تک کسی نے نہیں پوچھی اور تجھے میرے سوا کوئی دوسرا بتا بھی نہیں سکتا اور میں وہ ہوں کہ مَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ آيَةٌ إِلَّا أَعْرِفُهَا وَأَعْرِفُ تَفْسِيرَهَا وَفِي أَيِّ مَكَانٍ نَزَلَتْ مِنْ سَهْلٍ أَوْ جَبَلٍ وَفِي أَيِّ وَقْتٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ وَإِنَّ هٰهُنَا لَعِلْمًا جَمًّا وَأَشَارَ إِلَى صَدْرِهِ وَلٰكِنَّ طُلَّابَهُ يَسِيرٌ وَعَنْ قَلِيلٍ تَنْدَمُونَ لَوْ فَقَدْتُمُونِي۔ یعنی قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں اس کی تفسیر کو جانتا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں اتری ہے۔ سہل میں یا جبل میں اور کس وقت اتری ہے دن کو یا رات کو اور تحقیق یہاں علم کا سمندر موجود ہے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لیکن اس کے طلب کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اور عنقریب جب میں نہ ہوں گا تو تم پشیمان ہو گے۔ اس کے بعد فرمایا یہ لوگ درخت صنوبر کی پوجا کرتے تھے اور اسے شاہ درخت کہا جاتا تھا۔ طوفان کے بعد خداوند کریم نے حضرت نوح کے لئے ایک چشمہ پیدا کیا جس کا نام روشاب تھا اور یافث بن نوح نے اس کے کنارے پر درخت صنوبر بویا تھا۔ اصحاب رس کے بارہ شہر تھے جو نہایت آباد اور سرسبز و شاداب تھے پس خدا نے ان میں یہود بن یعقوب کی اولاد

manblib.org

سے ایک نبی بھیجا جو ان کو بت پرستی سے منع کرتا تھا پس انہوں نے ایک کنواں کھودا اور نبی کو اس میں ڈال کر اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا خداوند کریم نے ان کو گرفتارِ عذاب کیا چنانچہ اوپر سے تیز و تند سرخ آندھی چلی اور نیچے سے زمین گندھک بن کر آتش فشاں بن گئی۔ اور آسمان سے سیاہ بادل چھا گئے جن سے آگ برسنے لگی۔ پس وہ جلس کر فی النار ہو گئے اور قمی سے منقول ہے کہ رس ایک نہر کا نام ہے جو آذربیجان میں تھی (ملخصاً)

دوسرا قول یہ ہے کہ مالدار لوگ تھے مال مویشی چراتے تھے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر بت پرستی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السّلام ان کے نبی تھے انہوں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پس خدا نے کنوئیں کو خشک کر دیا اور ان کو زمین نگل گئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ رس یمامہ میں ایک بستی تھی اور اس کا نام فلج بھی تھا جنہوں نے اپنے نبی کو قتل کیا پس عذاب میں گرفتار ہوئے

چوتھا قول یہ ہے کہ حنظلہ نبی کی امت ہے انہوں نے نبی کو قتل کیا اور خود مبتلائے عذاب ہوئے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ انطاکیہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام رس ہے جس میں حبیب نجار کو قتل کیا گیا۔

چھٹا قول یہ ہے کہ اصحاب رس وہ لوگ تھے جن کی عورتیں آپس میں مساحقت کرتی تھیں چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے ایک دفعہ ایک عورت نے آپ سے سحق کی سزا پوچھی تو آپ نے فرمایا اس کی سزا زانی کی سزا کے برابر ہے تو اس نے قرآن سے اس کا ثبوت طلب کیا آپ نے فرمایا اصحاب رس سے یہی تو مراد ہے اور بروایت قمی آپ سے ایک عورت نے دریافت کیا جو عورت دوسری عورت کے ساتھ فعل بد کرے اس کی کیا سزا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو بروز قیامت آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور اس کے اندر آگ کے عمود داخل ہوں گے اور اس کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس عورت نے کہا یہ قرآن مجید میں تو کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا اصحاب رس پر عذاب اسی فعل بد کی وجہ سے نازل ہوا تھا

وَلَقَدْ اَتَوْا اہل مکہ اور بالخصوص قریشی لوگ جو بالعموم شام کی طرف بغرض تجارت آمد و رفت رکھتے تھے اور قوم لوط کی زمین سے گذرتے تھے جہاں ان پر عذاب آیا تھا اسی کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ لوگ کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور حضرت محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے اس بستی کا نام سدوم تھا۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ

اور جب وہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرے ساتھ مسخری کرنے لگتے ہیں کیا یہ وہی ہے جس کو

اَرَاَيْتَ مشرکین مکہ کا یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی اچھا درخت یا خوبصورت پتھر ان کی آنکھوں میں بچ جاتا اور دل کو بھا جاتا تھا تو پہلے خدا کو چھوڑ کر اس کو خدا بنا لیتے تھے اور اس کی منتیں نیازیں دینے لگ جاتے تھے۔ ایک عرب ایک دفعہ اپنے مصنوعی خدا (بت) کی عبادت کرنے یا منّت ماننے کے لئے آیا تو دیکھا کہ ایک لومڑی اس پر پیشاب کر رہی تھی پس فوراً اس

نے یہ شعر کہا

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ ۔ لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

ترجمہ: بعض ایسے رب بھی ہیں جن کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی پھرتی ہیں بے شک وہ بڑا ذلیل ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کریں۔

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (۴۱) اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ

اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ؟ تحقیق قریب تھا کہ ہمیں اپنے خداؤں سے بھٹکا دے اگر ہم نہ

صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

ثابت قدم رہتے اس پر اور عنقریب جان لیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو

مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۴۲) اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ

کہ کون بھٹکا ہوا ہے راستہ سے کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (۴۳) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ

کیا تو ہوگا اس پر نگران ؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کی اکثریت

يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

بات سنتی یا سمجھتی ہے وہ تو نہیں مگر چوپاؤں جیسے بلکہ ان سے بھی زیادہ راستہ سے

سَبِيْلًا (۴۴) اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ

بھٹکے ہوئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے طرف اس کے کہ تیرے رب نے کس طرح پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا

اَمْ تَحْسَبُ ۔ یعنی جناب رسالت مآبؐ کو ارشاد ہوا کہ تقریر سننے والوں کی زیادتی سے یہ خیال نہ کرو کہ ان کی اکثریت بات کو سنتی اور سمجھتی ہے اور ہمیشہ یہی دستور ہے۔ سننے والے حاضرین میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سننے والوں میں سے سمجھنے والے اور بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو انسان نما حیوان بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ: اللہ اپنی عمومی نعمتوں کی یاد دلا رہا ہے کہ دیکھو میں نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا اور اگر چاہتا تو یہ سایہ ہر وقت ٹھہرا رہتا لیکن میں نے دھوپ کے ذریعے سے اس کو آنے جانے والا کر دیا اور دھوپ اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ سائے کی پہچان ہی دھوپ سے ہوتی ہے جس طرح کہ ہر ضد اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ شمس کا معنی سورج بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی دھوپ بھی ہوتا ہے پس سایہ دن نکلنے کے بعد تھوڑا تھوڑا کم ہوتا جاتا ہے اور زوال کے بعد بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ اور غروب کے وقت بالکل چھا جاتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ رات تمہارے لئے لباس بن گئی کہ اس میں خفیہ کام انجام دے سکتے ہو

maablib.org

اور دن کے کاروبار سے تھک جانے کے بعد نیند کو آرام کا باعث قرار دیا گیا پھر تر و تازہ ہوچکنے کے بعد دوبارہ سورج کو مشرق سے نکال کر تمہیں اُٹھنے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا موقعہ دیا۔

سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ

تو کرتا اس کو ساکن پھر کر دیا ہم نے دھوپ کو اس پر دلیل پھر ہم اس کو (سورج

إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا

نکلنے کے بعد) گھٹاتے گئے تھوڑا تھوڑا اور وہ وہ ہے جس نے بنایا رات کو تمہارا لباس

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ

اور نیند کو راحت اور بنایا دن کو اٹھنے کے لئے اور وہ وہ ہے جس نے بھیجا

الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ

ہواؤں کو اس کی رحمت (بارش) کی خوشخبری دینے کے لئے اور اتارا ہم نے آسمان سے

مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا

پاکیزہ پانی تاکہ زندہ کریں اس کے ذریعے مردہ شہروں کو اور سیراب کریں اپنی مخلوق میں

أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ

سے چوپاؤں کو اور بہت سے لوگوں کو اور تحقیق پھیر پھیر کر برسایا ہم نے ان کے درمیان

لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۵۰﴾

تاکہ نصیحت لیں پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ کفران نعمت کیا

مَآءً طَهُوْرًا ۔ طہور کے تین معانی ہیں (۱) طاہر کا مبالغہ طہور ہوتا ہے (۲) جس کے ساتھ طہارت کی جائے۔ اس کو بھی طہور کہا جاتا ہے ۔ پس پانی اور مٹی دونو طہور ہیں (۳) طہارت کو بھی طہور کہا جا سکتا ہے جس طرح وارد ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطُهُوْرٍ۔

اَنَاسِیَّ ۔ یا تو انسان کی جمع ہے اور یا دوسری نون کا عوض ہے اور یا انسی کی جمع ہے جس طرح کرسی کی جمع کراسی ہوتی ہے

بارش کا پانی

تفسیر صافی میں جناب امیہ فقیہ حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ اہل دنیا پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں بارش نہ برسی ہو البتہ اس کو خدا پھیر پھیر کر برساتا ہے کسی دن کسی علاقہ میں اور کسی دن کسی علاقہ میں ورنہ اگر ایک جگہ ٹھہری رہتی تو آبادی کی بجائے تباہی کی موجب ہو جائے۔

خداوند کریم نے قرآن مجید میں بارش کے پانی کو بالعموم مبارک پانی کہا ہے اور ماہ نیسان جو تقریباً ہندی مہینوں کے لحاظ

سے بیساکھ کے مہینے سے مطابق ہوتا ہے اس ماہ میں برسنے والی بارش کے فوائد بہت زیادہ منقول ہیں غرضیکہ اس کو ہر دکھ و بیماری کے لیئے مفید کہا گیا ہے چنانچہ اکثر گھروں میں پڑھے لکھے لوگ اس کو جمع کر کے رکھ دیتے ہیں اور سال بھر میں حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پیٹ کی تکلیف کے مریض کو بارش کا پانی جو باعث برکت ہے اور شہد جو باعث شفا ہے اور عورت کے حق مہر میں سے کوئی شے جو بطیب خاطر دے دے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے ھنیئا مریئا کہا ہے۔ ان تینوں کو ملا کر پی لینے کا حکم دیا چنانچہ وہ شخص شفایاب ہو گیا۔ تفسیر کی جلد ۴ صدا۱۱ پر حکایت گزر چکی ہے۔ بارش کے پانی کو خدا نے طہور کہا ہے۔ اور فقہائے امامیہ کے نزدیک یہ آب جاری کے حکم میں ہے جب کہ اس قدر برسے کہ اُسے بارش کہا جا سکے اور اس کی حد یہ بتلائی گئی ہے کہ سخت زمین پر وہ جاری ہو جائے۔

مسئلہ: جس نجس زمین پر کم از کم بارش برسے اگر اس پر عین نجاست موجود نہ ہو تو وہ پاک ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر نجس کپڑا یا کوئی دوسری چیز جس پر عین نجاست موجود نہ ہو بارش میں رکھی جائے تو تر ہو جانے کے بعد وہ پاک سمجھی جائے گی۔

مسئلہ: جو تھوڑا نجس پانی زمین پر موجود ہو گا اگر رنگ بو اور مزہ اس کا تبدیل نہیں تو بارش کے پڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو چکا ہو تو وہ پاک نہ ہو گا جب تک اس کی یہ صفات زائل نہ ہوں۔

مسئلہ: جس آدمی نے غسل کرنا ہو تو بدن سے نجاست کو دور کر کے نیت کر کے بارش میں کھڑا ہو جائے پس پورے جسم کے تر ہو جانے کے بعد اس کا غسل ہو جائے گا اور یہ غسل ارتماسی شمار ہو گا۔

مسئلہ: بارش کا پانی زمین پر پڑی ہوئی نجس چیز کو اس وقت پاک کرتا ہے جب کہ براہ راست اُوپر پڑ رہی ہو۔ ورنہ اگر پہلے کسی دوسری چیز پر پڑے اور وہاں سے نجس پر ٹپک رہی ہو تو وہ پاک نہیں ہو گی لہذا چھت سے ٹپکنے والا پانی یا درخت کے پتوں سے گرنے والا مطہر نہیں ہو گا۔

مسئلہ: بارش برسنے کے دوران میں زمین پر چلنے والا پانی یا اکٹھا کھڑا ہوا پانی پاک سمجھا جائے گا۔ اگرچہ آنکھوں کے سامنے اس میں سے کتا ہی گذر رہا ہو یہ ایسا ہے جس طرح دریا یا نہر میں سے کتے کا گذرنا اس کی نجاست کا باعث نہیں ہو سکتا اسی طرح بارش بھی چونکہ آب جاری ہے اور زمین والا پانی اس سے اتصال رکھتا ہے لہذا نجس نہیں ہوتا البتہ بارش رک جانے کے بعد اگر کتا گذر جائے یا کوئی دوسری نجاست اس میں نظر آ جائے تو کُر سے زیادہ ہونے کی صورت میں پاک ہو گا ورنہ نجس سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر تالاب کا پانی جس میں آب کثیر ہے اور نجاست کے پڑنے سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو جائے۔ پس وہ نجس ہو گا اور اوصاف ثلثہ کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود پاک نہ ہو گا جب تک اس کا اتصال آب جاری یا آب کثیر نہ ہو۔ پس ایسے تالاب پر اگر بارش برس جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

مسئلہ: کتے پر اگر بارش پڑ جائے اور وہ گھر میں داخل ہو کر کسی پاکیزہ برتن یا کپڑے یا جسم انسانی سے مس ہو جائے یا وہ بدن کو حرکت دے اور پانی کے قطرات اڑ کر دوسری چیزوں پر پڑیں تو اس کو بارش کا پانی سمجھ کر پاک نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ

نجس ہوں گے اور پاک چیز جو اس سے مس ہو جائے گی وہ نجس ہو گی

مسئلہ - زمین پر کھڑا ہوا نجس پانی خواہ تالاب و حوض میں ہو یا کسی برتن میں ہو بارش کے پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا خواہ اس کے بعد اس کو ڈھانپ ہی کیوں نہ دیا جائے کیونکہ نجس پانی کی طہارت کے لئے آب کثیر سے صرف ملاقات ضروری ہے۔ پس جس طرح برتن کے اندر کا نجس پانی بارش پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا اسی طرح وہ برتن بھی پاک ہو گا جس میں وہ پانی موجود ہے۔

بہر کیف بارش کو اللہ نے کلام مجید میں تین نام دیئے ہیں (۱) مبارک چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا یعنی ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل کیا (۲) طہور چنانچہ اسی آیت نمبر ۴۸ میں ہے (۳) رحمت جیسا کہ اسی آیت میں ہے کہ ہم اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتے ہیں۔ طہور اور مبارک ہونے کے متعلق قدرے بیان ہو چکا ہے اور اس کا رحمت ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ اس کی تشریح توضیح واضحات میں سے ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ جن سبز لویں باغوں اور کھیتوں کو نہری پانی سے سیراب کیا جائے وہ بھی بارش کے محتاج ہوتے ہیں چنانچہ بارش کی وجہ سے جس طرح ان کی ظاہری رونق میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح وہ پھل اور نشو و نما میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ لذت اور ذائقہ نیز ان کی افادی حیثیت میں نمایاں ترقی ہو جاتی ہے جس کو زراعت کے فن سے وابستگی رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس علاقہ میں ایک عرصہ تک بارش نازل نہ ہو وہ علاقہ گوناگوں بیماریوں اور تکلیفوں کا مرکز بن جاتا ہے لوگوں کے لئے بلکہ حیوانوں اور حشرات الارض تک کے لئے بارش کی تاخیر ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے پس جس طرح بارش کے نزول سے موسم میں خوشگوار سماں پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح انسانوں کے مزاج بھی عمدگی اور بہتری اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور انسانی طبائع خود بخود تندرستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور آئی ہوئی آفات سماویہ اور پھیلی ہوئی امراض جسمانیہ کا فوری طور پر خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ اللہ کی وہ رحمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں لیکن ناشکرے اور بے قدرے انسانوں نے اس کا حق ادا نہ کیا بلکہ الٹا اس کی اس نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ کو انکار نعمت کر کے ٹھکرا دیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ	
اور اگر ہم چاہتے تو بھیج دیتے ہر بستی میں نذیر	پس نہ اطاعت کرو کافروں کی اور
جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ	
جہاد کرو ان سے اس (قرآن) کے ساتھ بڑا جہاد	اور وہ وہ ہے جس نے ملا دیا دو دریاؤں کو
هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا	
کہ یہ میٹھا طیب ہے اور وہ نمکین کھارا ہے	اور کر دی ان کے درمیان

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ - یعنی دو دریا جب آپس میں ملتے ہیں تو دور دور تک چلے جاتے ہیں لیکن میٹھا میٹھا رہتا ہے اور تلخ تلخ باوجود ظاہری رکاوٹ نہ ہونے کے ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پس درمیان میں قدرتی حد ہے جس کو اللہ خود بہتر جانتا ہے

اور یہی طور پر مرغی کے انڈے میں سفید اور زرد دو رنگ کے پانی موجود ہوتے ہیں جو بغیر ظاہری حد کے ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور ایک کا اثر دوسرے سے جداگانہ رہتا ہے۔
مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ۔ چونکہ مٹی کو خدا نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے حضرت آدم بھی پانی کی پیداوار ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اولاد آدم مراد ہے جو نطفہ سے پیدا ہوگی پس اولاد آدم میں سے جو مرد ہیں وہ نسب ہیں اور عورتیں صھر ہیں کیونکہ بیٹوں سے نسب کا سلسلہ ہوتا ہے اور بیٹیوں سے دامادی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور تفسیر برہان وصافی میں ابن سیرین سے منقول ہے کہ اس کی تاویل

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ
ایک حد اور روکاوٹ مضبوط اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا (نطفہ) پانی سے
الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾
انسان کو پس کیا اس کو نسب اور صھر اور تیرا رب قادر ہے
وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ
اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی جو نہ ان کو نفع دیتا ہے اور نہ نقصان پہنچاتا
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
ہے اور ہے کافر اپنے رب کے خلاف معاون (شیطان کا) اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر خوشخبری
مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ
دینے والا اور ڈرانے والا کہدو میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اختیار
شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ
کرے اپنے رب کی طرف راستہ اور توکل کر اوپر اس زندہ کے جو

بشر سے مراد حضور رسالتمآبؐ ہیں اور نسب سے مراد جناب فاطمہ ہیں اور صھر سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور بروایت ابن شہر آشوب حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی یہی تاویل منقول ہے اور تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ابن سیرین کہتا ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآبؐ اور علیؑ و بتولؑ کے حق میں اتری ہے اور حضورؐ نے فرمایا لَوْ لَمْ یُخْلَقْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب عَلَیْهِ السَّلَام لَمَا كَانَ لِفَاطِمَةَ علیهما السّلام كُفْوٌ ۔ یعنی اگر علی پیدا نہ ہوتا تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا اور دوسری روایت میں ہے آپ نے علی سے فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا كَانَ لَهَا كُفْوٌ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ ۔ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو روئے زمین پر فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ ۔ یعنی میں تم سے قرآن اور تبلیغ کی اجرت وفیس نہیں مانگتا البتہ جو شخص خوشنودی خدا کے لئے کچھ خرچ کرنا چاہے تو اس کو میں منع نہیں کرتا بلکہ تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ وخیرات کیا کرو۔

ثُمَّ اسْتَوٰی - اس کی تفسیر سورہ اعراف میں گذر چکی ہے جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۲ نیز جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۲۶ پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

فَاسْئَلْ بِهٖ - یعنی اللہ کی معرفت کے متعلق واقف کار سے سوال کرو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ ہی اس سے مراد ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے اور مجمع البیان میں ہے یہودیوں نے اشیأ کی ابتدائی تخلیق کے متعلق جو بیان کیا تھا وہ قرآن کے خلاف تھا اللہ نے ان کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے۔ کہ یہ باتیں اللہ سے دریافت کرو جو اس چیز کا خبیر ہے۔

نُفُوْرًا - قرآن پڑھتے ہوئے اس آیت مجیدہ کو پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً سجدہ کرنا مستحب ہے۔ اور اس کا طریقہ پہلے سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۵۷۔

لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

نہ مرے گا اور تسبیح کر اس کی حمد کی اور کافی ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے

خَبِيْرًا ۝٥٨ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

خبردار ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ

چھ دنوں میں پھر متصرف ہوا عرش پر جو رحمٰن ہے پس دریافت

بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

کر اس کے متعلق واقف کار سے اور جب کہا جائے ان کو کہ سجدہ کرو رحمٰن کے لئے تو کہتے ہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝٦٠ ع

کون رحمان ہے کیا سجدہ کریں ہم جس کا تو کہے اور زیادہ ہوتے ہیں دوری میں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے بنایا آسمان میں برجوں کو اور بنایا اس میں سورج

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝٦١ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور چاند روشنی دینے والا اور وہ وہ ہے جس نے کیا رات اور دن کو ایک دوسرے کے

رکوع ۴

بُرُوْجًا - شمس و قمر کے دائرہ گردش میں بروج و منازل کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کا تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۷ کے صفحہ ۱۴۸ سے صفحہ ۱۵۳ تک ملاحظہ فرمائیں۔ اور شب و روز کے گھٹنے اور بڑھنے کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر گذر چکی ہے۔ پس ان امور کی حکمت و مصلحت میں غور و خوض کرنا معرفت پروردگار کا محرک ہے اور صاحبان عقل و دانش کے لئے توحید خالق کی بہترین دعوت ہے۔

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ۔ یعنی اللہ کے خالص بندوں کی یہ علامتیں ہیں جو اگلی آیات میں تفصیل وار بیان کی گئی ہیں (۱) زمین پر باوقار اور پُرسکون ہو کر چلتے ہیں کوئی تکبر و بُرائی ان کی رفتار سے ظاہر نہیں ہوتی (۲) جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کریں تو اللہ کے بندے ان کا جواب طیش و غصہ سے یا چھچھورے پن سے نہیں دیتے بلکہ ایسی بات کرتے ہیں جس میں دنیا و دین کی سلامتی کا راز مضمر ہوتا ہے پس

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

بعد آنے والا واسطے اس کے جو چاہے معرفت حاصل کرے یا چاہے شکر گذار بنے اور اللہ کے بندے وہ

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

ہیں جو چلتے ہیں اوپر زمین کے وقار سے اور جب ان سے خطاب کریں

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ

جاہل لوگ تو کہیں سلامتی کی بات اور وہ ہیں جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لئے

سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا

سجدہ و قیام کی حالت میں اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار پھیر ہم سے دوزخ

عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا

کا عذاب تحقیق اس کا عذاب سخت ہے تحقیق وہ

سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ

بری رہائش گاہ اور برا مقام ہے اور وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ

ان کا دن سلامتی کا ضامن اور ان کی رات ان کے خالق کے درمیان قرب و وصال کا سماں پیدا کرتی ہے (۳) رات کو عبادت یعنی سجود و قیام میں گذارتے ہیں (۴) اللہ سے عذاب جہنم کے رفع کرنے کی دعائیں مانگتے ہیں یعنی اللہ کے بندوں کی یہ شان ہے کہ کثرت عبادت ان کو خوف خدا سے الگ نہیں کرتی بلکہ جس قدر عبادت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کے دل میں عظمت و جلال پروردگار زیادہ ہوتا ہے اور دلوں پر رعب طاری ہوتا ہے اور اس کی گرفت کا ڈر پیش نظر رہتا ہے۔ اسی لئے معصوم نے فرمایا ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے دو پہلوؤں کے درمیان بند ہوتا ہے وہ ایک طرف اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے اور دُوسری طرف اس کی گرفت کا ڈر رکھتا ہے۔ اور یہ دونو وزن میں برابر ہوتے ہیں۔ (۵) اللہ کے نیک بندوں کی یہ علامت ہے کہ خرچ کرنے میں فضول خرچی اور کنجوسی دونو سے بچ کر درمیانہ خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے ناجائز خرچ کرنا اسراف ہے اور حق پر خرچ نہ کرنا کنجوسی ہے حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اپنے کھانے اور پینے میں کوئی اسراف نہیں ہوتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

maablib.org

نے فرمایا اسراف اس میں ہے جو جسم و مال کو نقصان دے اور کنجوسی یہ ہے کہ طاقت کے باوجود نمک روٹی پر گذارا کرے اور میانہ روی گوشت روٹی وغیرہ ہے۔ (صافی ج ۲ ص ۱۹۵) پر بھی اشارہ گذر چکا ہے۔ (۶) ان کی چھٹی علامت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے (۷) ان کی ساتویں علامت یہ ہے کہ نفس محترمہ کو قتل نہیں کرتے ناجائز طور پر البتہ قصاص کے طور پر یا شرعی حد کی صورت میں واجب القتل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے (۸) ان کی آٹھویں علامت ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ اثام جہنم میں ایک وادی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبا ہوگا اس میں وہ جلے گا جو غیر اللہ کی پرستش کرے یا نفس محترمہ کا قاتل ہو اور زانی لوگ بھی اسی وادی میں ہوں گے۔

یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیْنَ

اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں اور ہے (ان کا خرچ) ان کے درمیان متوسط اور جو نہیں

لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ

پکارتے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس نفس کو جو

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اللہ نے حرام کیا ہے مگر جائز طور پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ فعل کرے گا پائے

یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ

گا اس کا بدلہ کہ دگنا کیا جائے گا اس کا عذاب قیامت کے دن اور اس میں ہمیشہ

فِیْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

ذلیل رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے

فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ

پس ایسے لوگ تبدیل کرے گا اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اور ہے اللہ

یَخْلُدْ فِیْهٖ۔ قرآن مجید میں یہ ایک مقام ہے جہاں فیہٖ میں ہا ضمیر کے نیچے کسرہ کو پُر کر کے یا کی حد تک پہنچایا جاتا ہے

اِلَّا مَنْ تَابَ۔ یعنی توبہ کرنے کے بعد توبہ کرنے والے کے اعمالنامہ میں برائی کی بجائے نیکی لکھی جائے گی اور گناہ کی جگہ ثواب درج ہوگا گویا سابق شرک کی بجائے توحید پرستی اور سابق زنا کی جگہ عفت و پاکدامنی اس کے نامۂ اعمال میں ہوگی۔ تفسیر صافی میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا

ہماری اہل بیت کی محبت گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے اور ہمارے محبوں کے مظالم عباد خدا اپنے ذمہ لے لے گا بشرطیکہ انہوں نے مومنوں کی حق تلفی اور ضرر رسانی نہ کی ہو تفسیر مجمع البیان میں بروایت صحیح مسلم ابوذر سے

منقول ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بروز محشر ایک مرد مومن کو جب لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ اس کو چھوٹے گناہ دکھائے جائیں اور اس کے گناہان کبیرہ کو مٹا دیا جائے۔ اور وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوگا لہذا اس کی برائیوں کی جگہ پر نیکیاں لکھی جائیں گی حتی کہ وہ بندہ خود حیران ہوگا کہ میرے گناہ کہاں چلے گئے۔ ابوذر کہتا ہے حضورؐ نے یہ حدیث بیان کی اور اس قدر ہنسے کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے۔

وَالَّذِیْنَ (۹) ان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ بے حیائی فحش اور گانے بجانے کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے۔ اور روایات اہل بیت میں زور سے مراد گانا ہے۔ دورِ حاضر میں جو مجلس آلِ محمدؐ کے فضائل و مصائب کے نام سے منعقد کی جاتی ہے اگر اس میں گلوکاری اور فلمی گانوں کی نقالی ہی تو اِل مجلس ہو تو یقیناً اس میں حاضر ہونا مجلسِ زور میں حاضر ہونا ہے۔ اور ثواب تو بجائے خود یہ عمل گناہِ کبیرہ ہے۔

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (۷۰) وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ

بخشنے والا مہربان اور جو توبہ کرے اور عمل صالح بجا لائے تو وہ

یَتُوْبُ اِلَی رَبِّہٖ مَتَابًا (۷۱) وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ

پلٹے گا اپنے رب کی طرف اچھا پلٹنا اور وہ جو نہیں حاضر ہوتے گانے کی مجالس

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۷۲) وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا

میں اور جب گذریں گناہ کی چیزوں کے پاس سے تو شریفانہ گذر جاتے ہیں اور وہ کہ جب ان کو نصیحت

بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا (۷۳) وَالَّذِیْنَ

کی جائے اپنے رب کی آیتوں سے تو نہیں پڑتے ان کے خلاف بہرے اور اندھے ہو کر اور وہ جو

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ

کہتے ہیں اے ہمارے رب بخش ہمارے لئے ہماری ازواج اور ہماری ذریت میں سے آنکھوں کی

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (۷۴) اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ

ٹھنڈک اور کر ہمیں متقیوں کا امام ایسے لوگوں کو جزا دی جائے گی بلند درجہ کی بوجہ صبر

بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا (۷۵) خٰلِدِیْنَ فِیْھَا

کے اور بھیجا جائے گا ان میں ان پر تحیہ و سلام ہمیشہ رہیں گے اس میں

(۱۰) ان کی دسویں صفت یہ ہے کہ جب کسی ناشائستہ جگہ سے گذریں یا گناہ کے مقام سے گذریں تو چپکے سے دامن بچا کر چلے جاتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا۔ ان کی گیارہویں علامت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے وعظ و نصیحت کے لئے آیات خداوندی کی تلاوت کی جائے تو وہ آیات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور تفکر و تدبر کر کے معرفت کی منازل پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا

maablib.org

نہیں کہ بہروں کی طرح نہ سنیں یا اندھوں کی طرح ان کی طرف نہ دیکھیں اور اپنے ضد پر ڈٹ کر پڑے رہیں۔

(۱۳) يَقُوْلُوْنَ ۔ اس آخری صفت کے بلکہ بیان کردہ جمیع اوصاف کے حقیقی مصداق محمد و آلِ محمد ہیں۔ البتہ بعض صفات شیعانِ آلِ محمد کے چیدہ چیدہ افراد میں پائی جاتی ہے۔ خدا ہم سب کو محمد و آلِ محمد کی غلامی کی صحیح توفیق عنایت فرمائے (آمین)

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ ۔ کفار کو خطاب ہے کہ خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی تم خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہو یا کونسی اس کی بگڑی بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہ دیتا یعنی دُعَاؤُكُمْ میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی اگر خدا تم کو اسلام کی طرف نہ بلاتا تو اس کو پرواہ تو نہ تھی لیکن صرف اتمامِ حجت اور تقاضائے مصلحت کے ماتحت اس نے تم کو دعوت اسلام بھیجی ہے جس کو تم نے جھٹلایا اور انجام میں جہنم کے حقدار ہوئے

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ

وہ بہترین جائے رہائش اور قیام گاہ ہے ۔ کہدو کیا پرواہ تھی تمہاری میرے رب کو اگر

لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

نہ بلاتا تم کو (ایمان کی طرف) پس تم نے جھٹلایا پس عنقریب ہوگا (عذاب) ضروری

فرزندانِ آئمہ سے اس کا معنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کو کیا پرواہ تھی اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تم کو دوزخ میں بھیج دیتا۔ بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ قرأت افضل ہے یا دعا؟ تو آپ نے فرمایا دعا افضل ہے۔ پھر آپ نے استشہاد کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔

تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تمہاری عبادت نہ ہو پس دعا کو عبادت کے معنی میں لیا گیا ہے۔ پس اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جو اس کی عبادت نہ کرے اور فرمانبردار نہ ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

چوتھا معنی یہ کیا گیا ہے کہ خدا کو تمہارے عذاب میں گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر تمہارا بعض دوسرے بعض کو شرک و کفر کی دعوت نہ دیتا لیکن چونکہ تم نے جھٹلایا تو اب عذاب کا انجام لازمی ہے

۹ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء ۵ مگھر ۲۰۲۶ب شب جمعہ تقریباً پونے ۸ بجے تفسیر سورہ فرقان سے فارغ ہوا ہوں۔ اور خدا سے دعا ہے کہ مجھے بہت جلد اپنی کتاب کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بجاہ محمد و آلہ الطاہرین۔

سُورَۂ شُعَرَاءْ ۲۶

○ یہ سُورہ مکیہ ہے صرف آخری چار آیتیں مدنی ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد دو سو ستائیس ۲۲۷ ہے۔

○ تفسیر برہان میں بروایت صدوق ابوبصیر سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص طٰسٓ طٰسٓمٓ ثلثہ دوہ تین سورتیں جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہیں اکو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ اولیاء اللہ سے ہوگا۔ اللہ کے جوارِ رحمت میں اور اس کی حفاظت میں ہوگا نیز وہ دنیا کی کوئی تنگی نہ دیکھے گا اور آخرت میں اس قدر جنّت اس کو ملے گی کہ وہ راضی ہوگا اور اس سے بھی زیادہ اس کو ملے گی اور ایک سو حورِ عین سے اس کی شادی ہوگی۔

○ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور قبر سے کلمۂ توحید پڑھتا ہوا نکلے گا۔ اور صبح سویرے جو اس کی تلاوت کرے گا گویا اس نے تمام کتب سماویہ کی تلاوت کی اور جو شخص اس کو لکھ کر پانی سے دھو کر پئے وہ ہر بیماری سے شفا پائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر ایک مرغ کلغی دار کی گردن میں باندھے تو وہ مرغ اس کے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ خزانے کے اُوپر پہنچ کر کھڑا ہو جائے گا یا جس جگہ وہ ٹھہرے گا وہاں پانی نزدیک ہوگا (از خواص القرآن)

○ حضورؐ نے فرمایا جو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتا ہے اس کے گھر میں چور داخل نہ ہوگا اور نہ وہ جلے گا اور نہ غرق ہوگا پھر حدیث سابق کی مثل ہے لیکن یہاں مرغ سفید کا ذکر ہے اور یہ کہ یا وہ مرغ خزانے پر ٹھہرے گا یا جادو کے مقام پر رُکے گا اور اپنی چونچ سے کھود کر اس کو ظاہر کر دے گا۔ (از خواص القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

طٰسٓمّٓ یہ آیتیں ہیں کتاب مبین کی شاید تو ہلاک کرنے والا

نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ

ہے اپنے آپ کو کہ وہ مومن نہیں ہوتے اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر

مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے لئے کہ وہ جھکنے والے ہوں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا

اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی ذکر رحمٰن کی طرف سے نیا مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر

عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا

لیتے ہیں پس تحقیق انہوں نے جھٹلایا پس آئے گی ان کے پاس خبریں اس کی جس

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ

کے ساتھ وہ مسخری کرتے تھے کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کس قدر

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

پیدا کئے ہم نے اس میں اچھے جوڑے تحقیق اس میں نشانی ہے

رکوع نمبر ۵ - طٰسٓمّٓ - الٓمّٓ کی تفسیر میں حروف مقطعات قرآنیہ کے متعلق بحث گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے تفسیر مجمع البیان میں بروایت محمد بن حنفیہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طٰسٓمّٓ جب نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا ط طور سیناء س اسکندریہ اور م مکہ ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ط سے مراد درخت طوبیٰ اور س سے سدرۃ المنتہیٰ اور م سے محمد مصطفیٰؐ مراد ہیں

تِلْكَ اٰیات - تلک اشارہ ہے غائب کی طرف یعنی ان آیات کی طرف جو ابھی بعد میں اُترنے اور پڑھی جانے والی ہیں - یعنی یہ وہی آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا جا چکا ہے اور ممکن ہے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہو - اور مبین سے مراد ہے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی -

بَاخِعٌ - یعنی ہلاک کرنے والا - حضور کو تسلّی دی گئی ہے کہ قریش مکہ کے ایمان نہ لانے سے آپ کیوں غم زدہ ہوتے ہیں اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایک نشانی اتاریں جس سے سب کی گردنیں جھک جائیں لیکن یہ

تقاضائے مصلحت کے خلاف ہے۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ۔ یہاں ظَلَّتْ افعالِ ناقصہ میں سے ہے اور اعناق اس کا اسم اور خاضعین اس کی خبر ہے۔ یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعناق غیر ذوی العقول میں سے ہے اور خاضعین ذو العقول کی جمع کا صیغہ ہے لہذا حمل کیسے درست ہو سکتا ہے تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) اصل میں اَصْحَابُ الْاَعْنَاقِ تھا یعنی گردنوں والے جھک جائیں گے تو مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر کھڑا کیا گیا ہے (۲) اعناق سے مراد رؤساء و امراء کا طبقہ یا یہ کہ عنق سے مراد جماعت اور اعناق یعنی جماعتیں لوگوں کی جھک جائیں گی۔ ان کے علاوہ اور تاویلیں بھی ذکر کی گئی ہیں

روایات اہل بیتؑ میں بالتواتر منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور آسمانی نشانی سے مراد وہ آواز ہے جو آسمان سے آئے گی حتّٰی کہ ہر پردہ نشین عورت اپنے کمرے میں بیٹھ کر سن لے گی اور اہل مشرق و مغرب سن سکیں گے اور امام رضا علیہ السلام نے فرمایا آسمان کی جانب سے ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام اہل زمین سنیں گے وہ حجۃ اللہ کی آمد اور ان کے ظہور کا اعلان کرے گا کہ بیت اللہ کے پاس وہ ظاہر ہو چکے ہیں لہذا اس کی اتباع کرو۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

حالانکہ ان میں سے اکثر نہیں ایمان لاتے — اور تحقیق تیرا رب غالب مہربان

الرَّحِيْمُ ⑨ ع وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ

ہے — اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے

الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ

پاس یعنی قوم فرعون کیا وہ خوف نہ کریں گے؟ کہا اے رب تحقیق

مِنْ ذِكْرٍ۔ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اکثر مقامات پر ذکر سے مراد قرآن لیا گیا ہے یعنی جب بھی قرآن کی کوئی نئی آیت اترے تو یہ لوگ از راہِ حسد و عناد منہ پھیر لیتے ہیں خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے فرمایا کہ اب تو وہ تکذیب کرتے ہیں لیکن اس مسخری اور روگردانی کا مزہ ایک دن ضرور چکھیں گے۔

زَوْجٍ كَرِيْمٍ۔ یعنی زمین پر ہم نے انسانوں کے منافع کے لئے ہر جنس کا جوڑا جوڑا اگایا ہے مقصد یہ ہے کہ مختلف قسم کے میوہ جات سبزیاں پھل وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ اور کریم سے مراد ہے کہ وہ قابلِ شکر اور قابلِ عزت ہیں اور ہم نے زمین سے اُگنے والی اشیاء کے جوڑے ہونے کی وضاحت تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۸ میں صفحہ ۱۰۹ پر کی ہے۔

رکوع ع ۶ حضرت موسیٰ کا ذکر

خداوند کریم نے اپنے حبیب کی دلجوئی کے لئے سابق انبیاء کے قصے بیان کئے ہیں تاکہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی سے غمزدہ نہ ہوں اور اپنے مشن کو جاری رکھیں

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ ۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں تتلاہٹ کی وجہ تفسیر کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۴۳ پر دیکھئے۔

عَلَيَّ ذَنْبٌ ۔ یعنی قبطیوں کا میرے اُوپر ایک دعوے ہے۔ اور وہ یہ کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے تو ہوسکتا ہے کہ انتقام میں وہ مجھے قتل کردیں۔

جناب رسالتمآبؐ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ میرے بھائی موسیٰ نے کوہ طور پر اپنے پروردگار سے مناجات کی تھی آخر میں خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ڈرو مت کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس کا جواب حضرت موسےٰ نے جو دیا تھا اس کا ذکر خدا خود فرماتا ہے (کہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرچکا ہوں لہٰذا مجھے ان سے قتل کا اندیشہ ہے) لیکن اس طرف علی کو دیکھو کہ میں نے اس کو سورہ برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا ہے حالانکہ علی ان کے کافی آدمیوں کو قتل کرچکا ہے لیکن نہ ڈرا نہ گھبرایا اور نہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کا خوف کیا مکہ والے علی پر دانت پیستے رہے کیوں کہ علی کے ہاتھوں کسی کا باپ مارا جاچکا تھا اور کسی کا بھائی قتل ہوچکا تھا پس خدا نے اس کو محفوظ رکھا اور وہ واپس بخیریت مدینہ میں پہنچ گیا (المجالس المرضیہ صفحہ ۱ نقلاً عن المناقب)

فَاذْهَبَا ۔ یہاں عبارت محذوف ہے۔ یعنی خدا نے ان کی دعا کو مستجاب کیا اور ہارون کو موسیٰ کا ساتھی قرار دے کر اب دونو کو جانے کا حکم دیا اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔

أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونَ (۱۲) وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ

میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان میں روانی

لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ (۱۳) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ

نہیں پس بھیج طرف ہارون کے (کہ میری مدد کرے) اور ان کا میرے اوپر ایک دعویٰ ہے پس ڈرتا

أَنْ يَقْتُلُونِ (۱۴) قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُمْ

ہوں کہ مجھے قتل کردیں فرمایا ہرگز نہیں پس تم دونو جاؤ ہماری آیات کے ساتھ تحقیق ہم

مُسْتَمِعُونَ (۱۵) فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ

تمہارے ساتھ سننے والے ہیں پس جاؤ فرعون کے پاس پس کہو کہ ہم رب العالمین کے

الْعَالَمِينَ (۱۶) أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۷) قَالَ أَلَمْ

رسول ہیں کہ بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو (فرعون) کہنے لگا

قَالَ اَلَمْ ۔ یہاں بھی عبارت محذوف ہے کہ وہ دونو گئے اور فرعون کو پیغام حق سنایا۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرعون نے موسےٰؑ کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور دروازے بند کر لئے۔ لیکن حضرت موسےٰ نے عصا

مارا تو سب دروازے کھل گئے۔ پس آپ سیدھے تخت فرعون کے سامنے چلے گئے اور بے دھڑک پیغام خداوندی سنا دیا تو فرعون
نے جواب میں کہا تجھے ہم نے بچپنے میں پالا ہے اور کئی سال (ابن عباس سے ۱۸ برس منقول ہیں) تو نے ہمارے ہاں گذارے پھر
تو نے ہمارے سب احسانات کو فراموش کر کے ایک قتل بھی کر لیا؟ آپ نے فرمایا مجھ سے جو قتل ہوا ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر ہوا

نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَّلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾

کیا تجھے ہم نے بچپنے میں پالا نہیں اور تو ٹھہرا ہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹﴾

اور کیا تو نے وہ کام (قبطی کا قتل) جو کیا حالانکہ تو انکار کرنے والا تھا (ہمارے احسان کا)

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ

کہا (موسیٰ نے) میں نے وہ اس وقت کیا جبکہ میں راستہ سے بھٹکا ہوا تھا پس تم سے بھاگ گیا جب کہ

لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ

تم سے ڈرا پس عطا کی مجھے میرے رب نے نبوت اور بنایا مجھے رسولوں

الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ

میں سے اور کیا یہ احسان ہے جو تو جتلا رہا ہے مجھ پر؟ کہ تو نے اپنا عبد بنا رکھا ہے

بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۳﴾

بنی اسرائیل کو فرعون نے کہا اور رب العالمین کیا ہے؟ (جس کا تو رسول ہے)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ

فرمایا آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے اندر ہے اگر تم یقین کرتے ہو

ہے کیونکہ میرا ارادہ قتل کا نہ تھا
یا یہ کہ یہ قتل مجھ سے اس وقت
ہوا جب کہ میں کہیں جاتے
ہوئے اپنا راستہ گم کر چکا تھا
حُکْمًا ۔ اس کا یہ مطلب نہیں
کہ اس وقت نبی بنائے گئے
بلکہ نبوت اور اس کی استعداد
پہلے سے تھی۔ اور اسی بنا پر
تو خدا نے اس کو فرعون کے
شر سے (قتل) اور دیگر خطرناک
مقامات سے محفوظ رکھا اور
دوسری دایہ عورتوں کا دودھ
اس پر حرام قرار دیا وغیرہ واپس
اب گویا اعلانِ نبوت کا مجھے
حکم ملا ہے اور رسول ہو کر تیرے
پاس آگیا ہوں۔
وَتِلْكَ نِعْمَةٌ ۔ اور فرعون
نے چونکہ اپنے احسانات جتلائے
تھے اور موسٰے کو پروردہ نعمت
قرار دے کر مرعوب کرنا چاہا تھا

تو موسٰے نے نہایت بے دھڑک ہو کر دو ٹوک بات کہہ دی کہ یہ تیرا کونسا احسان ہے کہ تو نے میری پوری قوم کو اپنا غلام اور قیدی
بنا رکھا ہے اگر وہ تیری قید میں نہ ہوتے تو مجھے اپنے گھر میں اپنی ماں خود پالتی یا یہ کہ تو نے چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیا ہے

اور اس ڈر سے میری ماں نے مجھے دریا میں ڈال دیا اگر بنی اسرائیل کو تو قیدی نہ بناتا اور ان کے بچوں پر قتل کا ظلم نہ کرتا تو میری ماں مجھے دریا میں نہ ڈالتی اور تیری تربیت کی نوبت نہ آتی تو یہ تیرا احسان نہیں بلکہ تیرے ظلم نے یہ اسباب خود پیدا کئے جن کو تو اب احسان کا نام دے رہا ہے بلکہ درحقیقت یہ تو تیرے ظلم کا پس منظر ہے جس پر بجائے اترانے کے تجھے پچھتانا چاہیے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سُنا تو اس کی تردید نہ کر سکا پس فوراً کلام کا رُخ بدلتے ہوئے کہنے لگا وہ کون رب العالمین ہے جس کا رسول بن کر تو آیا ہے؟ یہ بات یاد رہے کہ فرعون نے لفظ ما سے سوال کیا جو طلب حقیقت کے لئے آتا ہے اور ماہیت تامہ جواب میں مطلوب ہوتی ہے اور چونکہ خداوند کریم جنس سے بلند و بالا ہے اور اس کی کنہ حقیقت تک رسائی کسی کے بس میں نہیں البتہ وہ اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے پس حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال کے جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے صفاتِ خداوندی کے بیان کو شروع کر دیا کیونکہ فرعون کا سوال غلط اور نافہمی کی بنا پر تھا۔ پس فرمایا عالمین کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور رب العالمین کی شان یہی ہے گویا حضرت موسےٰ نے افعالِ خداوندی سے ذات خدا کی معرفت کا درس دیا تو فرعون نے جھلا کر حاضرین مجلس کی طرف دیکھا اور ازراہِ حیرت ان سے کہنے لگا کہ سنتے

مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

(کہ سب ایسا ہونا چاہیے) اس نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم نہیں سن رہے ہو؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ

آپ نے فرمایا تمہارا رب اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی رب ہے اس نے کہا تحقیق یہ رسول

الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے (موسیٰ نے) کہا وہ مشرق و مغرب کا رب

الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ

ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم عقل رکھتے ہو (فرعون) کہنے لگا اگر تو نے

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

میرے علاوہ کوئی اور معبود بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ

آپ نے کہا کیا لاؤں میں تیرے سامنے ایک معجزہ ظاہر؟ اس نے کہا لے آ اگر ہے

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ

تو سچا پس ڈالا اپنے عصا کو تو وہ ایک

ہو جو یہ کہہ رہا ہے ؟ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کلام کو آگے بڑھا کر فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے تو اس کا جواب فرعون کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ کہا یہ جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے دیوانہ ہے۔ اور جھوٹے اور لاجواب ضدی انسان کا آخری حربہ یہی ہوا کرتا ہے کہ اخلاق کی حدود کو توڑ کر زبان سے جو چاہے بڑبڑاتا چلا جائے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے دامن استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور نہ جذبات کی طرف آئے۔ اس کی بکواس پر کان دھرے بغیر آگے بڑھے اور فرمایا وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے پس فرعون نے لاجواب ہو کر دھمکی دی کہ اگر تم مجھے خدا نہ مانو گے تو میں تم کو قید کر لوں گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنی صداقت پر معجزہ دکھا سکتا ہوں جب اس نے مانگا تو آپ نے دو معجزے دکھائے عصا کو زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا اور ہاتھ کو آستین سے باہر نکالا تو ید بیضا ہو گیا واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ صـ۶۷ تا صـ۷۲ ملاحظہ فرمائیے۔ بروایت قمی اژدہا کے ڈر سے فرعون کے حاشیہ نشین سب دوڑ گئے۔ اور فرعون خود بھی ڈر کے مارے آپے سے باہر ہو گیا پس موسیٰ کو اپنے اللہ کا اور بچپنے کی تربیت کا واسطہ دیا تو موسیٰ نے عصا کو اٹھا لیا تب فرعون کا ہوش ٹھکانے آیا پس ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ہامان نے کہا شرم کر اب تک تو معبود بنا بیٹھا تھا۔ اب کسی اور کا عبد بننا چاہتا ہے

ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾

اژدہا تھا سچ مچ اور آستین سے ہاتھ باہر کیا تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ

کہا سرداروں کو جو اس کے ارد گرد تھے تحقیق یہ ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم کو

يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا

نکال دے اپنی زمین سے بذریعہ اپنے جادو کے پس تم کیا مشورہ دیتے ہو کہنے لگے

أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ

ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں

رکوع ۷

قَالَ لِلْمَلَإِ۔ یعنی ہوش ٹھکانے آیا تو سرداران قوم سے مشورہ طلب کیا۔

أَرْجِهْ۔ اس کی تفسیر جلد نمبر ۶ صـ۷۴ پر دیکھئے۔

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ۔ یعنی ہم جادوگروں کی بات کو مانیں گے مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دین کی اتباع سے چھٹکارا ملے ورنہ جادوگروں کی اطاعت وہ کیسے کرتا جو اپنے اوپر خالق کی اطاعت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ اکہتر ہزار جادوگر جمع ہوئے تھے۔ تفسیر صافی سے ان کی تعداد ستر ہزار منقول ہے۔ تفسیر سورہ طٰہٰ پھر ان میں سے ایک سو کا انتخاب ہوا۔

اور پھر ان میں سے اسّی ماہر جادوگروں کو چنا گیا پس انہوں نے فرعون سے کہا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت روئے زمین پر ہم سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں ہے پس اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم میدان جیت گئے تو میں تم کو اپنے ملکی معاملات میں اپنا مقرب بنالوں گا۔ پھر جادوگروں نے کہا اگر موسیٰ ہم پر غالب آ جائے اور ہمارے جادو کو باطل کر دے پس ہم سمجھیں گے کہ اس کا کرشمہ جادو نہیں پس ہم ایمان لانے پر مجبور ہوں گے تو فرعون نے جواب دیا اگر موسیٰ تم پر غالب آ جائے تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر اس کی تصدیق کروں گا لیکن تم اپنے ہنر میں کمی نہ کرنا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اسّی ذراع بلند گنبد نما چبوترے پر بیٹھا تھا جس کے اوپر صیقل شدہ لوہے کی چادر چڑھی تھی کہ دن کی چمک پڑنے کے بعد اس کی طرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ

ہر بڑے ماہر جادوگر کو — پس اکٹھے ہو گئے جادوگر مقررہ دن کے معین وقت

مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا

میں — اور کہا گیا لوگوں کو کیا تم بھی جمع ہو گے؟ شاید ہم

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ

تابع ہوں گے جادوگروں کے اگر وہ غالب آئے — پس جب جادوگر آ گئے

السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ

تو فرعون سے کہنے لگے کیا ہمارے لئے کوئی اجرت ہوگی اگر ہم جیت

الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ

گئے — (فرعون نے) کہا ہاں اور تحقیق تم تو پھر میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے — فرمایا

لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

ان کو موسیٰ نے پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو — پس انہوں نے پھینکا اپنی

وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾

رسیوں اور لکڑیوں کو اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم تحقیق ہم ضرور غالب ہیں

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ یعنی ان لوگوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا ہم ضرور غالب ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے عصا ڈالا کہ زمین پر پہنچتے ہی آسمان کی طرح پھیلا پھر اژدہا بن کر اس نے باچھیں کھولیں اس کا اوپر کا ہونٹ فرعون کے تخت سے اوپر تھا اور دوسرا نیچے لٹکا یا پس وہ جادوگروں کے سب مصنوعی سانپوں کو ہڑپ کر گیا لوگوں پر اس قدر

دہشت طاری ہوئی کہ بے تحاشا ڈر کے مارے بھاگ نکلے حتے کہ اس بھیڑ میں دس ہزار کے قریب زن و مرد اور بچے کچلے گئے فرعون و ہامان کا ڈر سے کپڑوں ہی میں پاخانہ نکل گیا اور بال سفید ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اور حضرت موسے پر بھی خوف طاری ہوا

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

پس ڈالا موسے نے اپنا عصا تو وہ فوراً نگل گیا اس کو جو انہوں نے جھوٹ بنایا تھا

فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

پس گر گئے سب جادوگر سجدہ کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے فرعون نے کہا تم ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں

لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ

اجازت دوں؟ یہ تمہارا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے پس عنقریب اس کا نتیجہ

تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

دیکھو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دوں گا اور ضرور

وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

تم کو سولی پر سب کو لٹکا دوں گا کہنے لگے کوئی حرج نہیں تحقیق ہم اپنے رب کی طرف

مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ

پلٹنے والے ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ بخشے گا رب ہمارا ہماری خطاؤں کو

اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ

کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں اور ہم نے وحی کی موسیٰ پر کہ رات کو لے چلو

چنانچہ ارشاد ہوا ڈرو نہیں سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔ کہ اس کو ہم پہلی شکل پر پلٹا دیں گے۔ حضرت موسے علیہ السلام کے خوف کی وجہ ہم نے جلد نمبر ۶ صفحہ ۔۔ پر بیان کی ہے اور باقی قصہ بھی مفصل لکھا ہے نیز جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۷۱ پر بھی کافی وضاحت کی گئی ہے۔

اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی تھے ورنہ بنی اسرائیل ان سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔

رکوع ۸

وَاَوْحَيْنَآ۔ خداوند کریم نے موسے کو وحی کی کہ قوم بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور رات کے وقت جاؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے تعاقب میں آئیں گے

فَاَرْسَلَ۔ فرعون نے اپنے ملازمین تمام شہروں میں بھیجے تاکہ ایک عظیم لشکر جمع کرکے ان کا تعاقب کیا جائے اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی جن کو فرعون ایک قلیل جماعت سمجھ رہے تھے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون کا لشکر ان سے کہیں زیادہ تھا اور تفسیر مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق وہ دس لاکھ مسلح فوجی نوجوان تھے جب کہ موسیٰ کی قوم میں زن و مرد اور بچے بوڑھے سب موجود تھے اور سب کے سب بستے شہر سے باہر نکلے تھے کیونکہ ان کی زندگی غلامانہ تھی۔

أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي

میرے بندوں کو تحقیق تم تعاقب کئے جاؤ گے — پس بھیجے فرعون نے شہروں میں

الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾

اکٹھا کرنے والے لوگوں کو اکٹھا کرنیوالے — کہ تحقیق یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿٥٦﴾

اور تحقیق وہ ہم پر غصے ہو کر گئے ہیں — اور تحقیق ہم سب کو ان سے خطرہ ہے

فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ

پس ہم نے نکالا ان کو باغات اور چشموں سے — اور خزانوں اور عمدہ مکانوں

كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ فَأَتْبَعُوهُم

سے — اسی طرح — اور ہم نے وارث کیا ان کا بنی اسرائیل کو — پس انہوں نے تعاقب

مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ

کیا ان کا دن چڑھے — پس جب دیکھا ایک دوسرے کو دونوں جماعتوں نے تو کہا موسیٰ کے ساتھیوں نے

حَاذِرُونَ کو بعضوں نے حَذِرُونَ پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ حاذر اس کو کہتے ہیں جو دشمن کے خوف کی وجہ سے اس کے مقابلہ کے لئے چوکنا ہوشیار اور پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہو اور حَذِر وہ ہے جو دشمن کے خطرہ سے آگاہ ہو خواہ اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو یا نہ ہو۔

فَأَخْرَجْنَاهُمْ یعنی ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کو وہاں سے نکالا۔ اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غرقابی کے بعد تسلط عطا کیا۔ باقی قرآنی آیات اور تفاسیر و کتب سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل واپس مصر نہیں گئے لیکن یہاں اُن کا مصر پر تسلط ظاہر ہے تو شاید پہلے مصر پر قبضہ کر کے دوبارہ آمادہ سفر ہوئے ہوں اور فلسطین کی طرف جا آباد ہوئے ہوں۔ اور تیہ میں سرگردانی کا واقعہ بھی شاید اس کے بعد کا ہے۔

قَالَ كَلَّا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا بالکل نہ گھبراؤ کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے جو میری رہبری فرمائے گا۔ پس خدا نے پانی پر عصا مارنے کا حکم دیا اور موسیٰ نے پانی پر عصا مارا تو درمیان میں راستہ پیدا

ہوا اور پانی کا ہر ایک کنارا ایک بلند پہاڑ کی طرح نظر آنے لگا۔ اور اس کا مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد میں ص۱۲۶ تا ۱۲۸ مذکور ہے۔ اس امر میں مفسرین کو اختلاف ہے کہ وہ دریائے نیل تھا یا بحر قلزم اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہو کر صحرائے سینا کی طرف آرہے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل حائل نہیں ہوتا لہذا بحر قلزم ہی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ پانی مصر اور صحرائے سینا کے درمیان حائل ہے۔

إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾
کہ ہم گرفتار ہونیوالے ہیں فرمایا ہرگز نہیں تحقیق میرے ساتھ میرا رب مجھے راستہ بتلائے گا
فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ
پس ہم نے وحی کی طرف موسیٰ کے کہ مار اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو پس وہ پھٹ گیا
فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾
پس ہو گیا ہر کنارہ بلند پہاڑ کی طرح اور قریب کیا ہم نے ان کے گذرنے کے بعد
وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا
دوسروں کو اور نجات دی ہم نے موسیٰ کو اور اس کے سب ساتھیوں کو پھر غرق کر دیا ہم نے
الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم
دوسروں کو تحقیق اس میں نشانی ہے حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان
مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ ع ۸
لاتے اور تحقیق تیرا رب ہی غالب رحم کرنے والا ہے

فِرْقٍ۔ افتراق کے بعد ہر کنارہ ایک فرق ہو گیا اور یہ اسم ہے اور مصدر فرق ہے

اَزْلَفْنَا۔ جب حضرت موسیٰؑ اور اس کی جماعت کے سب آدمی پانی میں داخل ہو چکے تو فرعون لشکر سمیت کنارے پر آن پہنچا پس اس کا گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرایا تو حضرت جبرئیل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پس گھوڑی کو دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی پانی میں اتر آیا اور جب پوری قوم پانی میں داخل ہو چکی اور اُدھر آخری آدمی موسیٰ کی قوم کا پانی سے باہر پہنچ چکا تو خدا نے پانی کے پاٹ کو ملا دیا پس دونوں کنارے آپس میں مل گئے اور فرعون پوری قوم سمیت غرق ہو گیا (ملخصاً از صافی)

مَا کَانَ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ قوم کے ایمان نہ لانے سے گھبرائیں نہیں بلکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اُمتیں اپنے زمانہ کے انبیاء کو ستاتی رہی ہیں اور حق کا انکار کرتی رہی ہیں اور نتیجہ میں خدا اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کو کامیاب کرتا ہے

maablib.org

اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصریوں میں سے صرف تین آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک آسیہ زن فرعون دوسرا مومن آل فرعون اور تیسری ایک مریم نامی عورت تھی۔

رکوع نمبر ۹

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر

وَاتْلُ پہلے حضورؐ کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا کہ اس کا مقابلہ سخت ترین دشمن خدا سے تھا اور حضرت موسیٰؑ نے ثبات قدمی و استقلال کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا یہ جدانبیاء ہیں اور عرب لوگ ان کی نسل سے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔

فَاِنَّهُمْ ضمیر غائب ذوی العقول کے لئے لائی گئی حالانکہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے بت غیر ذوی العقول تھے گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے معبود اور تم اور تمہارے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اور پڑھ ان پر خبر ابراہیم کی جب اس نے اپنے چچے اور اس کی قوم سے کہا کس

تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾

کی عبادت کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی پس ہم ان کی عبادت پر ثابت قدم ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

کیا وہ سنتے ہیں تمہاری بات جب تم ان کو بلاتے ہو اور تمہیں نفع یا نقصان دے سکتے

يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

ہیں؟ کہنے لگے ہم نے دیکھا ہے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے تھے

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ

فرمایا دیکھیے کہ جس کی عبادت کرتے ہو تم اور تمہارے باپ دادا

الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

گذشتہ تحقیق وہ میرے دشمن ہیں سوائے پروردگار عالمین کے

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ

جس نے مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے ہدایت کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھانا دیتا ہے

بُت پرست آباؤ سب کے سب میرے دشمن ہیں سوائے ایک معبود کے جو تمام جہانوں کا رب ہے وہی خالق ہے اور اچھائی کی طرف رہبری کرنے والا ہے وہی رازق ہے جو طعام اور پانی عطا فرماتا ہے اور بیمار ہونے کے بعد شفا بھی وہی عطا فرماتا ہے اور موت وحیات کا مالک بھی وہی ایک خدا ہے اور اسی سے اُمید وابستہ ہے کہ بروز قیامت لغزشوں کی معافی دے دے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعوت میں جہاں باطل خداؤں کے نقائص بیان کئے وہاں ساتھ ساتھ اللہ کے اوصاف کا ذکر بھی کیا تاکہ باطل سے تبرّی کے بعد حق سے تولّی پیدا ہو جائے۔ گویا پہلے لا الٰہ کو واضح کیا اور پھر الا اللہ کو ثابت کیا اور یہی حق رسالت ہے جو انہوں نے ادا فرمایا۔

وَيَسْقِينِ ﴿۷۹﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِي

اور سیراب کرتا ہے — اور جب میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے — اور وہ جو

يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي

مارے گا پھر زندہ کرے گا — اور وہ جس سے امید کرتا ہوں کہ بخشے گا میری لغزشوں کو

يَوْمَ الدِّينِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۸۳﴾

قیامت کے دن — اے پروردگار عطا کر مجھے حکم اور مجھے ملا دے ساتھ صالحین کے

وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِي

اور کر میرے لئے ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں — اور کر مجھے جنت

مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ

نعیم کے وارثوں میں سے — اور بخش میرے چچا کو کہ تحقیق وہ گمراہوں میں

الضَّالِّينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

سے تھا — اور نہ رسوا کر مجھے قیامت کے دن — جس دن نہ نفع دے گا

مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۸۹﴾

مال اور نہ اولاد — مگر جو آئے اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ

یَغْفِرَ لِی یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء معصوم ہوتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لغزشوں کی بخشش کی اُمید کیوں ظاہر کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اُمت کی لغزشیں ہیں جن کے آپ شفیع ہوں گے اور چونکہ معافی کے لئے شفاعت آپ کریں گے اس لئے نسبت اپنی طرف دے دی جس طرح سورۂ فتح میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ۔ حضورؐ کو کہا گیا ہے۔ نسبت حضورؐ کی طرف اور مراد اُمتؐ کے گناہ ہیں جن کی آپ شفاعت فرمائیں گے۔

حُکْمًا۔ یہاں حکم سے مراد حکمت یا علم یا نبوت باختلاف اقوال لی گئی ہے۔

لِسَانَ صِدْقٍ۔ اس کا لفظی ترجمہ ذکر خیر ہے یعنی بعد میں آنے والے مجھے اچھے الفاظ سے یاد کریں اور اس کی تاویل حضرت علی علیہ السلام کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء

کے لئے آخرین میں لسانِ صدق حضرت علی علیہ السلام ہیں جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا
وَاغْفِرْ لِأَبِي۔ حضرت ابراہیم کا چچے کے لئے بخشش کی دُعا کرنا اور اس کی وجہ تفسیر کی جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۳۳ پر مذکور ہے اور مفصل قصہ
جلد نمبر ۹ میں صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۲۳ بھی مذکور ہے۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ

اور سجائی جائے گی جنت متقیوں کے لئے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں

لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾

کے لئے اور کہا جائے گا ان کو کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے

مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾

اللہ کے سوا کیا تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں

فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ

پس منہ کے بل ڈالے جائیں گے اس میں وہ اور ان کے گمراہ پرستار اور ابلیس کے لشکر

أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ

سب کہیں گے درحالیکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے خدا کی قسم

إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

تحقیق ہم تھے کھلی گمراہی میں جب کہ تم کو ہم برابر کرتے تھے رب العالمین کے ساتھ

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرموں نے (جن کی ہم نے تقلید کی) پس نہیں کوئی ہماری شفاعت کرنے والا

يَنْصُرُونَكُمْ۔ یعنی جب وہ اپنے سر سے عذاب کو نہ ٹال سکیں گے تو تم کو کس طرح عذاب سے بچائیں گے۔ گویا بت پرست اپنے بتوں سمیت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ فَكُبْكِبُوا۔ یعنی اوندھے منہ اور ایک دوسرے کے اُوپر جہنم میں پھینک دئے جائیں گے اور روایات اہل بیتؑ میں ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو زبان سے عدل بیان کرتے تھے لیکن مقام عمل میں عدل کے تقاضوں کو بھول جاتے تھے۔

اَلْمُجْرِمُونَ۔ جرم وہ گناہ ہے جو قابلِ بخشش نہ ہو اور ذنب وہ گناہ ہے جو بخشا جا سکے۔ اسی لئے انبیاء و آئمہ شفیع المذنبین ہیں نہ کہ شفیع المجرمین۔ اس جگہ مجرموں سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنے شرک سے توبہ کرنے کے بغیر دنیا سے چلے گئے اور بعد میں دوسرے لوگ ان کے نقشِ قدم پر چل کر مشرک بنے اور تفسیرِ صافی میں بروایت قمی معصوم سے مروی ہے کہ ہم اپنے گنہگار شیعوں کے لئے

اس قدر شفاعت کریں گے کہ دشمنوں کی حسرت بڑھے گی اور کہیں گے ہائے ہمارا نہ کوئی دوست ہے شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی قرابت دار ہے جو مدد کرے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن قیامت کے دن اپنے قرابتداروں کی شفاعت کرے گا حتٰی کہ اپنے خادم کے متعلق بھی کہے گا اے میرے اللہ یہ میرا خدمت گذار تھا جو مجھے سردی گرمی کی تکالیف سے بچاتا تھا پس اس کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اسی طرح اپنے ہمسایوں اور اپنے احسان کرنے والوں کے حق میں شفاعت کرے گا جو مقبول ہو گی اور ایک مومن کم از کم تیس آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا (طخصاً)

وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ

اور نہ دوست قریبی پس کاش ہمارے لئے پلٹنا ہوتا تو ہم ہو جاتے مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

میں سے تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے

مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ ع ۹

مومن اور تحقیق تیرا رب غالب رحم کرنے والا ہے

رکوع نمبر ۱۰

حضرت نوح کا ذکر

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں کو جب کہ کہا ان کو ان کے

أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾

بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر کوئی

أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا

اجرت نہیں میری اجرت مگر اوپر رب العالمین کے پس ڈرو

كَذَّبَتْ۔ فعل کو مونث لایا گیا ہے کیونکہ قوم بتاویل جماعت ہے اور اگرچہ انہوں نے اپنے رسول حضرت نوح کو جھٹلایا تھا لیکن چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب کے برابر ہے اس لئے ان کی طرف تمام رسولوں کی تکذیب منسوب کی گئی گویا انہوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا

أَخُوهُمْ۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کی قوم کے آدمی تھے اور سلسلۂ نسب میں ان کے رشتہ دار بھی سے تھے اس لئے

ان کے قومی بھائی تھے نہ کہ دینی بھائی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ اس آیت کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے کیونکہ معانی الگ الگ ہیں۔ پہلی دفعہ فرمایا میں خدا کا فرستادہ اور امین ہوں۔ اس لئے میری اطاعت کرو اور اس کے بعد شاید ان کو خیال ہو گا کہ ہم سے کچھ مزدوری طلب کرے گا تو صاف لفظوں میں فرمایا کہ مالی طمع کے لئے یہ باتیں نہیں کرتا بلکہ تمہارا خیر خواہ ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی ضامن ہوگی

اَلْاَرْذَلُوْنَ ۔ یعنی گھٹیا قسم کے اور ذلیل پیشہ لوگ چونکہ تیرے ساتھ ایمان لا چکے ہیں لہٰذا اس زمرہ میں شامل ہونا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان کے پیشے سے مطلب نہیں اور نہ تمہاری بڑائی سے میرا کوئی واسطہ ہے بلکہ میں تو اپنا پیغام پہنچانے آیا ہوں اور وہ ہر ایک کے لئے یکساں ہے لہٰذا تمہارے کہنے سے میں غریب طبقہ کے لوگوں کو دھکیل کر نکال دینا پسند نہیں کرتا۔ بہر کیف جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ ہر دور میں انبیاء کی اُمتیں اپنے رسولوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اللہ سے اور میری اطاعت کرو کہنے لگے کیا ایمان لائیں تیرے لئے حالانکہ تیری اتباع کی ہے گھٹیا لوگوں

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ

نے فرمایا مجھے نہیں پتہ جو وہ کاروبار کرتے ہیں ان کا حساب نہیں

اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

مگر میرے رب پر اگر تم شعور رکھتے ہو اور میں نہیں دور کرنے والا مومنوں کو

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ

میں نہیں مگر صاف ڈرانے والا کہنے لگے اگر تو باز نہ آئے گا اے نوح

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ

تو تجھ پر پتھر برسائے جائیں گے کہا اے رب تحقیق میری قوم نے مجھے جھٹلایا

كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ

پس فیصلہ کر میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ اور مجھے نجات دے اور جو ساتھ ہے

کرتی رہی ہیں۔ پس قریش مکہ اور دیگر اکابر اگر غربا طبقہ کے ایمان پر اعتراض کریں تو آپ پرواہ کئے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اور بڑے بڑوں کے ایمان کے طمع میں غریبوں کو اپنے دربار سے ہرگز نہ نکالیں۔

قَالُوْا ۔ حضرت نوحؑ کی قوم آپ کی ثبات قدمی اور جراٴت کو دیکھ کر جب معقول باتوں اور مدلل نظریوں کا جواب نہ دے سکی تو اد چھے ہتھیاروں پر اُتر آئی جو ہر جھوٹے فریق کا دستور ہوا کرتا ہے کہ ہم تم کو پتھر ماریں گے یا ہم تجھے بدزبانی کا نشانہ بنائیں گے۔

فَافْتَحْ بَيْنِي - حضرت نوح علیہ السّلام نے قوم کا جواب سن کر بارگاہ پروردگار میں درخواست دی کہ اے رب یہ مجھے بالکل جھٹلا چکے ہیں، اب تو ہمارے درمیان فیصلہ کر یعنی ان کو گرفتار عذاب کر اور ہمیں اپنے عذاب سے اور ان کے شر سے نجات عطا فرما۔

الْمَشْحُونِ - وہ کشتی آدمیوں اور دیگر حیوانات سے پُر تھی۔ حضرت نوح کا قصہ سورہ ہود میں جلد ۷ صفحہ ۲۰۸ تا صفحہ ۲۲۴ مفصل گذر چکا ہے اس کے علاوہ جلد ۷ کے صفحہ ۱۷۱ پر اور ج ۶ کے صفحہ ۴۴ تا صفحہ ۴۶ پر بھی بیان ہو چکا ہے۔

مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۸) فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ

میرے ساتھ مومن ہیں — پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں

الْمَشْحُونِ (۱۱۹) ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ (۱۲۰) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

جو پُر تھی — پھر ہم نے غرق کر دیا بعد اس کے باقیوں کو — تحقیق اس میں البتہ

لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ (۱۲۱) وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے اور نہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے — اور تحقیق تیرا رب البتہ وہ

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۲۲) ع كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ (۱۲۳)

غالب مہربان ہے — جھٹلایا (قوم) عاد نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۲۴) إِنِّي لَكُمْ

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم نہیں ڈرتے؟ — تحقیق میں تمہارے

رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۲۵) فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (۱۲۶) وَمَا

لئے رسول امین ہوں — پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو — اور میں نہیں

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۲۷)

مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت کیونکہ نہیں میری اُجرت مگر اوپر ربّ العالمین کے

رکوع نمبر ۱۱

حضرت ہودؑ کا ذکر

كَذَّبَتْ عَادٌ - یعنی قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا اور آیات کی تفسیر پچھلے رکوع کی طرح ہے۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ - ریع کا معنی بلند مکان یا راستہ کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ ضرورت سے زائد آبادی سے باہر کسی بلند جگہ یا راستہ کے قریب مکان بنا لیتے تھے اور آیت سے مراد یہاں مکان ہے۔ حضرت ہود علیہ السّلام نے ان کو اس فعل سے منع کیا کہ لہو و لعب کے لئے فالتو مکان نہ بنایا کرو۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ شہر سے باہر نکلے تو ایک بلند مکان پر آپ کی نگاہ پڑی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس کا گھر ہے تو لوگوں نے جواب دیا۔ فلاں

maablib.org

انصاری کا ہے۔ پس آپ ٹھہر گئے۔ اتنے میں وہ انصاری آیا اور اس نے سلام کیا لیکن حضورؐ نے منہ پھیر لیا چنانچہ اس نے چند بار ایسا کیا پس اس کو حضورؐ کی ناراضگی کا احساس ہوا اور ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا کہ کیا وجہ ہے میں نے حضورؐ کے چہرہ پر ملال کے آثار دیکھے ہیں نہ معلوم مجھ سے کونسی غلطی ہوئی ہے۔ آخر لوگوں نے کہا کہ ایک دن حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تیرے مکان کے متعلق آپ نے پوچھا تھا کہ کس کا ہے اور بتایا گیا کہ یہ فلاں کا ہے پس وہ انصاری اسی وقت اٹھا۔ اور جا کر مکان کو گرا دیا اور زمین کو ہموار کر کے واپس آ گیا پھر ایک دن حضورؐ کا اس جانب سے گذر ہوا تو پوچھا کہ وہ مکان کہاں گیا لوگوں نے سارا ماجرا سنا دیا پس آپ نے فرمایا کہ ہر مکان اپنے مالک کے لئے وبال جان ہوگا بروزِ محشر سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارا نہ ہو۔

مَصَانِعَ۔ مَصنع کی جمع ہے اس کا معنی ہے پختہ مکان اور موجودہ اصطلاح کے مطابق عالیشان کوٹھیاں ہائے اگر اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کو حضورؐ دیکھتے کہ ایک طرف غرباء طبقہ کے لوگ کچی جھونپڑیوں کے لئے ترستے ہیں اور دوسری طرف امراء کا دل نہیں بھرتا جب تک

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ (١٢٨) وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ

کیا بناتے ہو ہر بلند مقام پر مکان کہ بے فائدہ کام کرتے ہو اور بناتے ہو پختہ محلات شاید

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (١٢٩) وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ (١٣٠)

تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی کی گرفت کرتے ہو جبار بن کر

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (١٣١) وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا

پس ڈرو خدا سے اور میری اطاعت کرو اور ڈرو اس سے جس نے تم کو عطا کیا جو تم

تَعْلَمُونَ (١٣٢) أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ (١٣٣) وَجَنَّاتٍ وَ

جانتے ہو اس نے تم کو عطا کئے چوپائے اور بیٹے اور باغات اور

عُيُونٍ (١٣٤) إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (١٣٥)

چشمے تحقیق میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ (١٣٦)

کہنے لگے برابر ہے ہم پر وعظ کرو یا وعظ نہ کرو

ہر بڑے شہر میں عالی شان کوٹھی نہ ہو۔ یقیناً حضورؐ ایسے مسلمانوں سے بیزار ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لئے اسلام کا دعویٰ کرنا باعث ننگ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی سے کوتاہی کریں اور غرباء کے خون کے گارے سے اپنی قصرِ امارت کی تعمیر کریں ایسے لوگوں کے دل میں رائی برابر بھی خوفِ خدا نہیں ہوتا۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے تاکہ سب مسلمان بھائیوں کی سی زندگی گذار کر عالمِ انسانیت کو اسلام کا پیغام دینے کے اہل ہو سکیں۔

خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ اس کی کئی تاویلیں ہیں (۱) جس طرح تجھ سے پہلے لوگوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا تو بھی ان جیسا ہے ۔ (۲) شہرت باہر تفریح کے لئے کوٹھیاں بنگلے اور عمدہ محلات تعمیر کرنا وغیرہ پہلے سے چلا آیا ہے کوئی ہمارا نیا دستور نہیں ہے (۳) جس طرح ہم سے پہلے لوگ گذرے ہیں کہ ایک وقت تک جینا ہے پھر مرنا ہے ۔ اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے نہ حساب نہ سزا اور نہ جزا پس ہم بھی اسی سابق دستور پر ثابت قدم ہیں ۔ جناب رسالت مآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تیری قوم تجھ سے ایسی باتیں کرے تو غمزدہ نہ ہوں ۔ کیونکہ کفار کا انبیاءؑ کے ساتھ ہمیشہ یہی دستور رہا ہے ۔ نبی کا کام ہے کہ تبلیغ کے کام کو جاری رکھے اور اس بارے میں کسی کی تکذیب کی پروا نہ کرے ۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾

نہیں ہے یہ مگر دستور پہلے لوگوں کا اور نہیں ہم معذب ہونے والے

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ

پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر

أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ ع

ان کے مومن اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ غالب مہربان ہے

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی صالح

صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

قوم ہود کا قصہ سورہ ہود میں جلد نمبر ۶ ص ۲۲۵ تا ص ۲۲۷ پر گذر چکا ہے ۔ اور آیات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد نہایت سرکش قوم تھی ۔ امراء و رؤسا طبقہ غرباء کو انسان نہیں سمجھتا تھا بلا ضرورت سے زائد کوٹھیوں اور بنگلوں کی ابتداء اور عیاشی کا رواج اسی قوم سے ہوا ہے جو بالآخر اپنے اعمالِ بد کے نتیجے میں گرفتارِ عذاب ہوئے سابقہ اقوام کے قرآنی قصص سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے

رکوع نمبر ۱۲

حضرت صالحؑ کا ذکر

كَذَّبَتْ ۔ حضرت صالح علیہ السّلام کا ذکر ہے ان کا مفصل قصہ جلد نمبر ۶ میں ص ۴۹ تا ص ۵۶ ذکر ہو چکا ہے اور جلد نمبر ۷ میں ص ۲۲۳ و ص ۲۲۹ پر بھی ان کا ذکر ہو چکا ہے ۔ نیز جلد ۸ ص ۱۹۴ پر بھی ان کا ذکر آیا ہے ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے ۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

اَتُتْرَكُوْنَ ۔ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ ان نعماتِ خداوندی پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے یہ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتیں اگر اس وقت وافر ہیں تو ان کے زوال کا خوف رکھو اور اس اللہ کی معرفت حاصل کرو جس نے یہ عطا فرمائی ہیں اور اس کا شکر ادا کرو

maablib.org

اس کے بعد ان نعمات کا شمار کیا جو ان کے پاس تھیں پھل دار باغات شیریں چشمے کھیتیاں اور عمدہ کھجوریں جن کے شگوفے خوشنما ہیں۔
هَضِيمٌ ۔ چھریرے اور ہلکے پھلکے بدن والے انسان کو ہضیم کہا جاتا ہے اس جگہ بعضوں نے تر و تازہ اور بعضوں نے بغیر گٹھلی والے پھل مراد لئے ہیں۔

وَاَطِيعُونِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اُجرت نہیں میری اُجرت مگر

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَآ اٰمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾

رب العالمین پر کیا تم چھوڑے جاؤ گے اس جگہ کی نعمتوں میں با امن

فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾

باغات اور چشموں میں اور کھیتیوں اور کھجوروں میں جس کے شگوفے خوشنما ہیں

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور تراشتے ہو تم پہاڑوں سے اپنے گھر مہارت سے پس ڈرو اللہ سے

وَاَطِيعُونِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيعُوٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ

اور میری اطاعت کرو اور نہ اطاعت کرو اسراف کرنے والوں کے حکم کی جو فساد

يُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوٓا اِنَّمَآ اَنْتَ

کرتے ہیں زمین میں اور اصلاح نہیں کرتے کہنے لگے سوائے اس کے نہیں تو

مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ

جادو شدہ لوگوں میں سے ہے تو نہیں مگر ہم جیسا بشر پس لے آ کوئی نشانی

اَمْرَ الْمُسْرِفِينَ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو آدمی تھے جنہوں نے ناقہ کو زخمی کیا تھا وہ اس قوم کے رئیس و زمیندار تھے اور اپنی قوم میں من مانی کارروائی کرتے تھے۔ تند اور متکبر مزاج تھے آپ نے قوم کو ان کی خوشامد و اطاعت سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

بشریت و رسالت

اَلْمُسَحَّرِينَ ۔ یعنی تیرا دماغ خراب ہو چکا ہے تجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے جس طرح کسی پر بار بار جادو ہو چکا ہو۔ بعضوں نے اس کا معنی فریب خوردہ کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم جیسا کھانے پینے والا انسان اور آپ کی نبوت کو بشریت کے منافی سمجھ کر بشر ہونے کا اعتراض بھی کیا جس طرح باقی اُمتوں کا عام دستور ہے اور آج تک ہے اور ہر زمانہ کے پیٹ لٹ مولوی لوگ عوام میں یہی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پس انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی

بشریت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان کو ناقۃ اللہ کا معجزہ دکھایا گویا عمل سے ثابت کیا کہ بشریت اور رسالت ایک دوسرے کے منافی

إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ
اگر ہے تو سچا فرمایا یہ اللہ کی ناقہ ہے

لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا
اس کے لئے باری ہے پانی کی اور تمہارے لئے باری مقرر دن کے لئے اور نہ چھوؤ اس کو

بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوهَا
برائی سے ورنہ پکڑے گا تم کو بڑے دن کا عذاب پس انہوں نے اس کو پے کیا

فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي
پس ہو گئے پشیمان پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے تحقیق اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾ وَإِنَّ
البتہ نشانی ہے اور نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۱۲ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ
تیرا رب البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم لوط نے

الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا
رسولوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم

تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
نہیں ڈرتے تحقیق میں تمہارا رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

نہیں ہیں۔ خدا جس بشر کو چاہتا ہے عہدہ نبوت و رسالت عطا فرماتا ہے اور اسے صاحب اعجاز کر دیتا ہے تاکہ عوام کو مطمئن کیا جا سکے ہم نے نبیوں کی بشریت کے متعلق پہلی جلدوں میں بھی اور اسی جلد میں بھی کافی بحث کی ہے۔

شِرْبٌ۔ تقسیم کے بعد ایک حصّہ کا اسم شرب ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں سمندر کے پانی کی تقسیم کے بعد ہر کنارہ کو فرق کہا گیا تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روئے زمین پر پانی کا پہلا چشمہ وہی ہے جو حضرت صالحؑ کے لئے ظاہر کیا گیا جس کا پینا ایک دن ناقہ کے لئے اور دوسرے دن لوگوں کے لئے معین ہوا لیکن ان بدبختوں نے ناقہ کو پے کر کے عذاب الٰہی کو پسند کیا پس تباہ کر دئے گئے

رکوع ۱۳ حضرت لوطؑ کا ذکر۔ کَذَّبَتْ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱۱ میں گذر چکی ہے

maablib.org

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ ۔ وہ چونکہ لڑکوں کے ساتھ لواطت کرنے کے عادی تھے آپ نے ان کو اس فعل بد سے روکا اور فرمایا خدا نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ پس اس غلط روی کو ترک کرو اور صحیح و حلال طریقہ سے اپنی عورتوں سے خواہش نفسانی کی پیاس بجھاؤ۔ پس بجائے اس کے جواب انسانوں کی طرح دینے کے دھمکی پر اُتر آئے کہ ہم تم کو نکال دیں گے آپ نے فرمایا میں پہلے ہی تمہارے اس فعل سے تنگ آچکا ہوں اور اس شہر کی سکونت کو ترک کرنے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہوں۔

اِلَّا عَجُوْزًا حضرت لوط بمعہ اہل خانہ کے گرفت عذاب سے بچ گئے صرف ان کی عورت پیچھے رہی۔ جو قوم کے غنڈوں کو آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی اطلاع دیا کرتی تھی (رُبع)۔ پس ان کی زمین کے تختہ کو الٹ دیا گیا۔ اور جو باقی اِدھر اُدھر بچ گئے ان پر آسمان سے پتھر بھیج کر تباہ کیا گیا۔ قصہ کی تفصیل ج ۶ کے صفحہ ۵۶ پر اور ج ۷ کے صفحہ ۲۳۴ تا صفحہ ۲۳۶ پر ملاحظہ ہو۔ نیز جلد ۸ صفحہ ۱۹۰ پر بھی مختصراً واقعہ گذر چکا ہے۔

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ

میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اُجرت نہیں میری اجرت مگر

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾

رب العالمین پر کیا تم آتے ہو لڑکوں پر عالمین میں سے

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ

اور چھوڑتے ہو وہ جو پیدا کی تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں بلکہ تم ظالم

قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ

لوگ ہو کہنے لگے اگر تو باز نہ آیا اے لوط تو تجھے نکال دیا

مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾

جائے گا فرمایا میں تمہارے کرتوت کو برا سمجھتا ہوں

رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

اے رب مجھے نجات دے اور میرے اہل کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں پس ہم نے اس کو بچایا اور اس کے

اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾

پورے خاندان کو مگر ایک عورت پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی پھر ہم نے ہلاک کیا باقیوں کو

رکوع نمبر ۱۴۔ حضرت شعیبؑ کا ذکر

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ۔ ایکہ گھنے درختوں والی گھاٹی کو کہتے ہیں گویا یہ لوگ ایسے مقام پر آباد تھے۔ جہاں درخت بکثرت موجود تھے۔ بعضوں نے

اسے مدین کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایکہ دو الگ الگ مقام ہیں اور حضرت شعیبؑ دونوں کے لئے رسول مبعوث ہوئے

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ
اور برسائی ان پر بارش پس بڑی بارش تھی کافروں پر تحقیق

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ
اس میں نشانی ہے حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تیرا

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۱۰ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ
رب البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا ایکہ والوں نے

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾
رسولوں کو جب کہ کہا ان کو شعیب نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾
تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾
اور میں نہیں مانگتا تم سے کوئی مزدوری نہیں میری مزدوری مگر رب العالمین پر

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا
پورا کرو ناپ کو اور نہ ہو نقصان دینے والوں میں اور ترازو ساتھ

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ
ترازو صحیح کے اور نہ خسارہ دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں

آیات کی تشریح

[illegible] نمبر ۱ میں گذر چکی ہے خداوند کریم نے ہر نبی کی دعوت کی حکایت ایک ہی لفظ سے فرمائی اور تمام کا کلمہ ایک ہی ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کی دعوت کا محوری و مرکزی نقطہ ایک تھا۔ اور وہ ہے توحید کی معرفت اور اللہ کا تقویٰ چنانچہ سب نبی معرفت کا درس اولو براہین سے اور اس کی نعمات کے ذکر سے دیتے رہے۔ اور عمل میں تقویٰ اختیار کرنے کی تبلیغ میں سعی بلیغ کرتے رہے۔ اور سب نبیوں کی تبلیغ ایک جیسی تھی اور سب انبیاء کی اکھڑ و جاہل امتوں کا جواب بھی ایک جیسا تھا جیسا کہ آیات کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیب کی امت تول و ناپ میں غداری کرتی تھی پس ان کو صحیح تولنے اور ٹھیک پیمائش کرنے کا آپ نے حکم خداوندی سنایا۔

اَلْقِسْطَاس - وہ ترازو جس کے درمیان میں وزن صحیح بتلانے کی ایک سوئی لگی ہوئی ہوتی ہے یہاں مقصد صحیح اور پورا تولنا ہے
اَلْجِبِلَّةَ - اس کا لغوی معنی عادت و خصلت جو فطرت انسانیہ میں سپرد کی جاتی ہے اور یہاں مقصد صرف انسان - ہے یعنی اس اللہ نے تم کو پیدا کیا اور ان تمام انسانوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں - پس وہ اللہ اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کی باز پرس سے ڈرو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ

اور نہ پھرو زمین میں فساد کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے تم

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

کو پیدا کیا اور پہلے لوگوں کو کہنے لگے سوائے اس کے نہیں کہ تو

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

جادو شدہ لوگوں میں سے ہے اور تو نہیں مگر ہم جیسا بشر اور تحقیق ہم تجھے جھوٹا

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

سمجھتے ہیں پس گرا ہم پر ٹکڑا آسمان سے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اگر تو ہے سچا فرمایا میرا رب بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ﴿۱۸۸﴾

پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس پکڑا اُن کو عذاب نے جو بادل کے دن تھا تحقیق وہ

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ

سخت دن کا عذاب تھا تحقیق اس میں نشانی ہے حالانکہ ان کے

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ کی تفسیر میں بشریت و رسالت کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یہ انتہائی لاپرواہی کا جواب ہے کہ تو نے جو آسمان کا ٹکڑا ہم پر گراتا ہے گرا دے۔ ہم تیری باتوں پر کان دھرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

عَذَابَ يَوْمِ الظُّلَّةِ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب قوم حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کو ٹھکرا چکی اور ان سے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی تو خدا نے ان پر عذاب بھیجا - پس پہلے سات دن تک ان کو سخت گرمی کا عذاب دیا گیا کہ ہوا بحکم خدا بالکل بند ہو گئی - پھر ان کے سروں پر ایک بادل نے سایہ کیا وہ سمجھے کہ اس سے بارش برسے گی - پس اس اُمید سے گرمی کی شدت سے تنگ آ کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تو خدا نے ان پر آگ برسا دی اور سب کے سب جل کر کوئلہ ہو گئے اور دنیا میں عذاب خداوندی کے لحاظ

سے یہ دن سخت ترین دن تھا اس لئے خدا نے اس کو یوم عظیم کہا ہے اور حضرت شعیبؑ کا ذکر تفسیر کی جلد میں صفحہ ۵۸ رصفحہ ۵۹ پر اور جلد ۷ میں صفحہ ۲۳۶ تا صفحہ ۲۳۹ پر ہو چکا ہے اور قوم شعیب پر عذاب کی کیفیت ج ۶ میں صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو۔

أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب البتہ غالب رحم کرنے والا ہے

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾

اور تحقیق یہ تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہے اتارا ہے اس کو روح الامین نے

عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

تیرے دل پر تاکہ تو ہو ڈرانے والا ساتھ زبان عربی

مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ

مبین کے اور تحقیق اس کا ذکر گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں ہے کیا ان کے لئے یہ بات دلیل

آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ

نہیں کہ اس کا علم بنی اسرائیل کے علماء کو بھی ہے اور اگر اس کو ہم

عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا

اتارتے اوپر کسی عجمی کے پس وہ ان پر پڑھتا تو وہ ایمان لانے والے

بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾

نہ ہوتے اسی طرح چلایا ہم نے اس کو کفار کے دلوں میں

رکوع نمبر ۱۵

ولایت علیؑ

إِنَّهُ لَتَنزِيلُ ۔ ظاہری مصداق کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن مجید ہے اور باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد ولایت حضرت علی علیہ السلام ہے چنانچہ روایات اہلبیت میں تواتر سے منقول ہے۔ اور صحف انبیاء میں بھی اس کا ذکر موجود ہے چنانچہ بروایت کافی حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولایت علی تمام انبیاء کی کتابوں میں درج ہے۔ وَلَمْ يَبْعَثِ اللهُ رَسُولًا إِلَّا بِنُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ وَوَلَايَةِ وَصِيِّهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ۔ یعنی خدا نے کسی کو عہدۂ رسالت نہیں عطا فرمایا مگر نبوت محمدؐ اور ولایت علی کے ساتھ (برہان)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ ۔ صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے کوئی کتاب وحی نہیں بھیجی مگر زبان عربی میں لیکن اسے ہر نبی اپنی قومی زبان میں سنتا تھا۔ اور حضرت رسالت مآبؐ کے کانوں میں وحی اپنی قومی زبان عربی

ہیں آتی تھی۔ پس جب اپنی قوم سے باتیں کرتے تھے تو زبان عربی کو استعمال کرتے تھے اور جب کوئی اور آدمی حضورؐ سے کسی دوسری زبان میں باتیں کرتا تھا تو حضورؐ کے کانوں میں وہ عربی بن کر پہنچتا تھا کیونکہ خداوند کریم کی جانب سے جبریل فریضۂ ترجمانی ادا کرتا تھا۔

اَوَلَمْ یَکُنْ یعنی علماء بنی اسرائیل کو کتب سماویہ کی پیشین گوئیوں کے ذریعے سے حضورؐ کی آمد کا علم تھا اور اسی وجہ سے یہودی لوگ عربوں کے مظالم سے تنگ آکر حضورؐ کی آمد کے لئے دعائیں مانگتے تھے اور یہی چیز اوس و خزرج کے لئے ایمان کی محرک بنی تھی تو حضورؐ کی صداقت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء آپ کی آمد سے مطلع تھے۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۲۰۱ فَیَاْتِیَهُمْ

(اور وہ) ایمان نہ لائیں گے اس پر یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب پس آئے گا

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۲۰۲ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ

ان پر اچانک کہ ان کو پہلے خیال بھی نہ ہوگا پس کہیں گے کیا ہمیں مہلت دی

مُنْظَرُوْنَ ۲۰۳ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ۲۰۴ اَفَرَءَیْتَ

جائے گی؟ کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں! دیکھئے اگر ہم ان کو

اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۲۰۵ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا

دنیاوی نفع دیں چند سال پھر آجائے ان پر وہ (عذاب) جس کا وعدہ کئے

یُوْعَدُوْنَ ۲۰۶ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۲۰۷

گئے ہیں تو نہیں بچائے گا ان کو وہ جو نفع دیئے گئے

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۲۰۸ ذِكْرٰی

اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کو پہلے ڈرانے والے تھے از روئے نصیحت

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ۔ یعنی عربوں کی سرشت میں تکبر و کج مزاجی اور ہٹ دھرمی کی بدعادات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں لہٰذا اگر یہ قرآن ہم کسی عجمی پہ نازل کرتے تو یہ قطعاً نہ مانتے اسی لئے ہم نے انہی میں سے ایک شریف ترین خاندان کے شریف ترین فرد پر نازل کیا جو تمام فصحاء عرب سے فصیح ترین تھا تاکہ ان کی کشش کا سبب ہو اور وہ تدبر و تفکر کی منازل طے کر کے اس کی تصدیق کریں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

اَفَرَءَیْتَ۔ تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے بنی امیہ کو خواب میں منبروں پہ سوار دیکھا کہ وہ لوگوں کو راہ حق سے برگشتہ کرتے ہیں۔ آپ صبح کو غم زدہ اُٹھے۔ جبریل حاضر ہوا۔ اور اس نے غم واندوہ کا سبب پوچھا۔ آپ نے خواب بیان فرمایا پس جبریل واپس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آیات لایا کہ اگر چند سال انہوں نے

منافع دنیاویہ سے فائدہ اٹھالیا تو آخر ہماری گرفت ان کو کس طرح چھوڑے گی اور پھر سورہ قدر نازل ہوا کہ خدا نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی ہے کہ یہ ایک رات بنی اُمیّہ کے ایک ہزار مہینوں کی حکومت سے افضل ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ ۔ قریش نے کہا تھا کہ آپ پر معاذ اللہ شیاطین القا کرتے ہیں تو خدا نے ان کی تردید فرمائی کہ نہ وہ کرتے ہیں

وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ

اور ہم نہیں ظلم کرنے والے اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیطانوں نے (جیسا کہ کافر کہتے ہیں) اور نہ ان کی یہ

لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

شان ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تحقیق وہ بات سننے سے ہٹائے گئے ہیں

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

پس نہ پکارو اللہ کے سوا کسی معبود کو ورنہ ہو جاؤ گے عذاب کئے جانے والوں میں سے

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ

اور ڈرا اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور جھکا دے اپنا

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

پہلو اس کے لئے جو تیری اتباع کرے مومنین میں سے

اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ سننے سے دور کئے گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آسمان پر جانے سے ان کو روکتے ہیں۔

فَلَا تَدْعُ ۔ خطاب حضورؐ سے ہے اور مراد ساری امت ہے

دعوت عشیرہ

وَاَنْذِرْ ۔ اپنے قریبیوں کو ڈرانے کا حکم ہوا تاکہ پوری اُمّت پر یہ راز کھل جائے کہ عذاب خدا کسی کی رعایت سے نہیں ٹل سکتا بلکہ عمل خیر ضروری ہے اور اللہ کی نافرمانی سے گریز کرنا واجب ہے کیونکہ اگر کسی قرابت داری یا میل ملاپ سے جان بخشی ہوتی تو حضورؐ اپنے نہایت قریبی رشتہ داروں کو کیوں سختی سے احکام خداوندی کی پابندی کا حکم دیتے پس جب دین خداوندی میں رسول کے قریبیوں کو رعایت نہیں مل سکتی تو کسی دوسرے سے کیا رعایت ہوگی نیز یہ بڑی بدیہی اور واضح امر ہے کہ خیر خواہی کا پہلا حق قرابت داروں کو حاصل ہے اور اسلام کی دعوت سے بڑھ کر اور کوئی خیر خواہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکم خداوندی ہوا کہ نعمت اسلام کو پہلے اپنے رشتہ داروں پر پیش کیجئے۔ بہرکیف روایات شیعہ وسنی میں یہ بات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی انکار کر نہیں سکتا۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مکہ میں نازل ہوئی تو حضورؐ نے اولاد مطلب کو جمع کیا اور اس وقت وہ چالیس مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی خوراک ایک بکرا سالم اور دودھ کا مشکیزہ تھا آپ نے اپنی حیثیت کے مطابق مختصر سا کھانا تیار

کیا چنانچہ سب نے اسی سے سیر ہو کر کھایا تو ابولہب نے فوراً کہہ دیا کہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے پس لوگ چلے گئے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہوا۔ پھر تیسرے دن جب کھانا کھا چکے تو ابولہب کے کہنے سے پہلے آپ نے تقریر شروع کر دی کہ تم میں سے کون ہے جو میرا وصی وزیر میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضے کا ضامن ہو گا۔ تو حضرت علی نے جو سن و سال میں سب سے چھوٹے تھے اور مال و دولت میں بھی کمزور تھے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ واقعہ کو مفصل تفسیر برہان میں مجالس شیخ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مجھے اپنے خاندان کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم تین سیر کے تقریباً کھانا تیار کرو اور بکرے کی ایک ران پکالو اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی ساتھ رکھو اس کے بعد تمام اولادِ عبدالمطلب کو مدعو کرو تاکہ میں حکم پروردگار کو پہنچا سکوں۔ حضرت علی علیہ السّلام فرماتے ہیں میں نے تعمیل حکم میں سب کچھ کر لیا جو آپ نے فرمایا تھا اولاد عبدالمطلب میں آپ کے چچے ابوطالب عباس حمزہ اور ابولہب بھی تھے اور سب چالیس کے قریب مرد جمع ہو گئے آپ کے حکم سے میں نے کھانا پیش کیا تو سب سے پہلے حضورؐ نے بنفسِ نفیس ایک گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور دندانِ مبارک سے تھوڑا سا کاٹ کر کھا لیا باقی برتن میں رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حالانکہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں سے ہر ایک آدمی اس سارے کھانے کے برابر کھا سکتا تھا۔ پھر میں نے دودھ پیش کیا تو وہ سب سیراب ہو گئے حالانکہ بخدا اس قدر دودھ تو ایک ایک آدمی پی سکتا تھا۔ پس جب حضورؐ نے بات کرنی چاہی تو ابولہب نے پہلے کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ پس سارے آدمی اٹھ کر چلے گئے اور حضورؐ کوئی بات نہ کر سکے پھر دوسرے دن مجھے حکم دیا کہ یا علی اُس (ابولہب) نے ایک بات کہہ کر لوگوں کو منتشر کر دیا اور مجھے بات کرنے کا موقعہ نہ دیا آج پھر حسب سابق کھانا تیار کرو اور دعوت دے کر سب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ جب سب کے سب کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تو آپ نے ارشاد فرمایا اے اولادِ عبدالمطلب۔ عرب میں کوئی جوان اپنی قوم کے لئے اس سے زیادہ بہتر پیغام نہیں لایا ہو گا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں کہ اس میں تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح کا راز مضمر ہے اور مجھے اپنے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی دعوت دوں فَاَیُّکُمْ یُؤْمِنُ بِیْ وَیُوَازِرُنِیْ عَلٰٓی اَمْرِیْ فَیَکُوْنَ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَوَزِیْرِیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْ اَھْلِیْ مِنْ بَعْدِیْ۔ یعنی پس تم میں سے کون مجھ پر ایمان لاتا ہے اور میرے معاملہ میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرے بعد میری اہل میں میرا خلیفہ ہو یہ سن کر سب خاموش ہو گئے اور گھبرا گئے تو میں اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ سن و سال میں سب سے چھوٹا تھا میں نے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں آپ کے اُمورِ رسالت میں میں شریک کار رہنے کو تیار ہوں پس حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی و وزیر اور میرا خلیفہ ہو گا تم میں پس اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا یہ سن کر سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھے اور ابوطالب سے کہہ رہے تھے سنا ہے؟ اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

دوسری روایت میں ابورافع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شعب میں اولاد عبدالمطلب کو مدعو کیا کہ وہ اس وقت چالیس آدمی تھے۔ ایک بکرے کی ران تیار کی اور ثرید بنا کر اوپر شوربا ڈالا اور اوپر گوشت رکھ کر ان کے آگے رکھا چنانچہ سب سیر ہو گئے۔ پھر ایک بڑے پیالے سے سب کو دودھ پلایا۔ جب ابولہب نے دیکھا تو کہنے لگا۔ بخدا ہم میں سے ایک ایک آدمی کے لئے بھی یہ کھانا اور

دودھ ناکافی تھا۔ انہوں نے ہمیں ایک ران بکرے اور ایک کاسئہ دودھ میں سب کو سیر کر دیا یہ کوئی جادو ہی ہے۔ دبات ختم ہو گئی اور لوگ چلے گئے۔ پھر دوبارہ ان کی دعوت کا انتظام کیا گیا تب حضرت نے پیغام خداوندی سنایا اور بعد میں فرمایا کہ خدا نے جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہر ایک کے خاندان سے ہی ان کا بھائی وارث وزیر اور وصی مقرر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اٹھ کر میری بیعت کرے تاکہ وہ میرا بھائی وزیر وارث وصی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو اور اس کی منزل مجھ سے وہی ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ پس حضرت علیؑ نے اٹھ کر سب کے سامنے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جب حضرت علیؑ قریب ہوئے تو فرمایا منہ کھول پس اپنا لعاب وحی اس میں ڈالا اور کندھوں کے درمیان اور سینہ پر بھی لعاب ملا۔ ابولہب حسد و بغض کی آگ میں پہلے سے جل رہا تھا کہنے لگا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس نے تیری دعوت کو قبول کیا تو تو نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے نہایت متانت اور حوصلے سے جواب دیا یہ نہیں جو تو سمجھا ہے بلکہ میں نے اس کو علم حکمت اور فقہ سے پُر کر دیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہی واقعہ تفسیر ثعلبی سے منقول ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد حضور کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند آواز دی چنانچہ یہ سن کر سب قریشی جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ صبح یا شام کو تمہارے اوپر ایک دشمن حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا میری بات مان لو گے؟ کہنے لگے بے شک ہم ضرور مان لیں گے تو آپ نے فرمایا میں تم کو آنے والے سخت ترین عذاب سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ پس ابولہب نے کہا۔ تَبًّا لَكَ یعنی تو ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا ہے پس اس کے جواب میں خدا نے سورہ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ بھیجی۔

سیرت حلبیہ اور نہایہ ابن اثیر سے بھی روایت اسی طرح منقول ہے کہ پہلے دن تو ابولہب نے بات کاٹ دی اور مجمع کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن دوسرے دن آپ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں توحید پروردگار کا اعلان کیا اور اپنی نبوت کا اظہار بھی کیا پس حضرت ابوطالب نے کھڑے ہو کر عرض کی ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے قول کی تصدیق کرنے والے ہیں بے شک آپ کو جو حکم ہوا اسے پورا کیجئے بخدا میں آپ کا جانثار رہوں گا اور آپ کی پوری حفاظت کروں گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن اثیر نے کہا ہے ابوطالب کی باتیں سن کر ابولہب بھڑکا لیکن ابوطالب نے جھڑک کر اسے خاموش کر دیا اور فرمایا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے اور سیرت حلبیہ میں ہے کہ یہ دعوت ہی سرے سے حضرت ابوطالب کے گھر میں ہوئی تھی۔ طبری نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ دوسرے روز بھی ابولہب نے اپنی بد باطنی کے اظہار کا ارادہ کیا لیکن حضرت ابوطالب نے نہایت تند و تیز لہجہ میں فرمایا۔ او یک چشم! خاموش۔ پھر مجمع سے فرمایا کہ خبردار کوئی نہ اُٹھنے پائے۔ پس سب اپنی جگہ پر جمے رہے تو ابوطالب نے عرض کی میرے سردار کھڑے ہو کر جو ارشاد فرمانا ہو فرمائیے سب سننے کے لئے موجود ہیں۔ بے شک اپنے پروردگار کی رسالت کو پہنچایئے کیونکہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ یعنی جو ایمان لے آئے تو اس کے لئے نرمی اور حسن اخلاق سے سلوک کیجئے۔

آبائے نبی کا اسلام

وَتَقَلُّبَكَ ۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آبائی سلسلہ حوا و آدم تک سب کا سب مسلمان تھا اور آیت مجیدہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے۔ آیت مجیدہ سے اگرچہ یہ معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے زمرہ میں تیرا سربسجود ہونا اور عبادت کی حالات قیام رکوع سجود و قعود میں تقلب اللہ کو معلوم ہے۔ لیکن یہ معنی اس امر سے نہیں روکتا کہ اس سے دوسرا معنی بھی مراد لیا جائے جب کہ جمع ممکن ہو اور روایات بھی بکثرت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تیرا نور ہمیشہ ساجدین میں منتقل ہوتا رہا ہے پس آدم سے لے کر تا دم ولادت پاکیزہ ارحام اور طاہر اصلاب اس نور کے حامل رہے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیشہ موحدین کی صلبوں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے الحدیث۔ اور آپ نے جماعت میں شریک ہونے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا مجھ سے پہلے نہ سر رکھا کرو اور نہ اٹھایا کرو کیونکہ میں تم کو پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (۲۱۶) وَتَوَكَّلۡ

پس اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور توکل کر

عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ (۲۱۷) الَّذِىۡ يَرٰىكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ (۲۱۸)

اور اس غالب کے جو مہربان ہے جو دیکھتا ہے تجھے جب کہ تو اٹھتا ہے

وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ (۲۱۹) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ (۲۲۰)

اور تیرا تقلب سجدہ کرنے والوں میں تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے

هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ (۲۲۱) تَنَزَّلُ عَلٰى

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کن پر اترتے ہیں شیاطین اترتے ہیں اوپر

كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ (۲۲۲) يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ

ہر جھوٹے گنہ گار کے القا کرتے ہیں اپنی سنی ہوئی چیزیں (کاہنوں پر) اور اکثر ان کے

كٰذِبُوۡنَ (۲۲۳) وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ (۲۲۴) اَلَمۡ تَرَ

جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعر لوگوں کی اتباع کرتے ہیں گمراہ لوگ کیا دیکھتے نہیں

اَنَّهُمۡ فِىۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ (۲۲۵) وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا

تحقیق وہ ہر وادی میں سرگرداں ہوتے ہیں اور تحقیق وہ کہتے ہیں جو

تفسیر برہان میں ابن بابویہ سے سند متصل کے ساتھ جابر بن عبداللہؓ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ سے

دریافت کیا گیا جب آدم جنّت میں تھا تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے فرمایا میں اس کی صلب میں تھا وہ زمین پر تشریف لائے تو میں اس کی صلب میں تھا حضرت نوح کشتی میں سوار ہوئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو میں اس کی صلب میں تھا میرے آبائی سلسلہ میں کبھی زنا نہیں ہوا اور خدا مجھے اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ کی طرف منتقل کرتا رہا ہے درحالیکہ میں ہادی مہدی رہا ہوں مجھ سے خدا نے نبوت واسلام کا میثاق لیا ہے اور اس نے میری ہر صفت کو واضح کیا ہے۔ تورات وانجیل میں میرا ذکر کیا ہے اور مجھے آسمانوں پر بلند کیا ہے اور میرا نام اس نے اپنے ناموں سے مشتق کیا ہے۔ میری اُمّت حماد ہے وہ محمود ہے۔ اور میں محمد ہوں (ابن بابویہ فرماتے ہیں یہ روایت طرق کثیرہ سے وارد ہوئی ہے) حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ میں نے بگوش ہوش جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ یعنی میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آدم کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے عرش کے پاس اللہ کی تسبیح کرتے رہے جب آدم کو پیدا کیا گیا تو یہ نور اس کی صلب میں ودیعت ہوا وہ جنت میں تھا تو ہم اس کی صلب میں تھے حضرت نوح کشتی پر سوار ہوئے تو ہم اس کی صلب میں تھے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو ہم اس کی صلب میں تھے پس خدا ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف ہمیشہ منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا پس اس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا مجھے خدا نے صلب عبداللہ میں رکھا اور علی کو صلب ابوطالب میں ودیعت کیا مجھ میں نبوت و برکت رکھی اور علی میں فصاحت وشجاعت رکھی ہمارے نام بھی اس نے اپنے ناموں سے مشتق کئے وہ محمود ہے اور میں محمدؐ ہوں اور اللہ اعلیٰ ہے اور یہ علیؑ ہے۔

امالی میں شرف الدین سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السّلام سے عرض کی حضور ہم آپ کے مرتبہ کے تو قائل ہیں لیکن آپ کے والد کو دوزخ کا عذاب ہو گا۔ آپ نے فوراً فرمایا خاموش خدا تیرا منہ توڑے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو برحق مبعوث کیا ہے اگر میرا باپ پوری زمین کے گنہ گار لوگوں کے حق میں شفاعت کرے تو سب کے سب بخشے جائیں گے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میرا باپ دوزخ میں جائے حالانکہ میں قسیم النار ہوں۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اللہ کی جس نے حضرت محمد مصطفےٰؐ کو مبعوث برسالت کیا ہے حضرت ابوطالب کا نور بروز محشر تمام مخلوق کے نور پر غلبہ حاصل کرے گا سوائے نور محمدؐ کے اور میرے نور فاطمہؑ وحسنینؑ کے نور اور ائمہ اطہار کے انوار کے کیونکہ اس کا نور ہمارے نور سے ہے جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے خلق فرمایا۔ ہم نے حضرت ابوطالب کے ایمان اور ان کے فضائل کے متعلّق تفسیر ہٰذا کی پانچویں جلد میں ص۲۰ سے ص۲۱۱ تک مفصل بیان قلم بند کیا ہے۔

وَھَلْ اُنَبِّئُکُمْ۔ کفار قریش چونکہ کہتے تھے کہ اس پر شیطان القا کرتے ہیں تو اس کا خدا نے جواب دیا ہے کہ ہم بتائیں شیاطین کیسے لوگوں پر اُترتے ہیں وہ ہر جھوٹے فاسق وفاجر اور بدکردار انسان پر اُترتے ہیں۔ لہٰذا کہہ دیجئے کہ مجھ پر شیطان نہیں اترتے کیونکہ میں نہ کاذب ہوں نہ فاسق بلکہ میرے اُوپر ملائکہ کا نزول رہتا ہے۔

یُلْقُوْنَ السَّمْعَ یعنی شیاطین سُنی ہوئی باتیں کاہن اور جھوٹے لوگوں پر القاء کرتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہوا کرتے ہیں۔

ضمیر کا مرجع کاہن بھی ہو سکتے ہیں اور شیاطین بھی ہو سکتے ہیں اور دونو مراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

الشُّعَرَاءُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے شعراء مشرکین مراد ہیں جنہوں نے حضور رسالت مآبؐ کی ہجو کی اور ناشائستہ کلمات اپنے اشعار میں نظم کئے اور جاہلوں سے داد تحسین حاصل کی خداوند کریم انہی کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے کہ شاعر لوگوں کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس مقام پر شعراء سے تمام وہ شاعر مراد ہیں جو شاعری میں حد درجہ انہماک رکھیں حتٰے کہ قرآن و سنت کو بھول جائیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے اس جگہ شعراء سے مراد وہ شاعر ہیں جو جذبات کے تابع ہوں۔ جب غصہ میں ہوں گالیاں دینے لگ جائیں اور جب نظم کریں تو جھوٹ کو استعمال کریں اور زیادہ رجحان ان کا گمراہی کی طرف ہو چنانچہ عام شعراء کا دستور یہی ہے کہ شعروں کی ابتداء عشقیہ مضامین سے کرتے ہیں اور تعریف طمع کے لئے کرتے ہیں اور جاہلانہ غیرت و حمیت کی بنا پر وہ ہجو کرنے لگ جاتے ہیں اور بعضوں کا خیال ہے۔ مطلق قصہ خوان لوگ مراد ہیں جو جھوٹے افسانوں سے لوگوں میں مقام حاصل کرتے ہیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور تفسیر قمی میں ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی خواہشات سے دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں پس جہلاء ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو علم و فہم سے کورے ہونے کے باوجود علم کا لباس پہن بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کو عالم سمجھ لیتے ہیں ایسے لوگوں نے عوام کو بھی گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ اِنَّمَا عَنٰی هٰؤُلَاءِ الْفُقَهَاءَ الَّذِیْنَ یُشْعِرُوْنَ قُلُوْبَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۔ یعنی اس سے مراد وہ فقیہ لوگ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں باطل کا بیج بوتے ہیں۔ الخ۔

بہر کیف اگر شعراء سے مراد ایک عام مفہوم لیا جائے (یعنی منشاء خداوندی کے خلاف بولنے والا) تو سب اس کے ضمن میں آ جائیں گے خواہ شاعر ہوں یا خطیب و مقرر ہوں۔

وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ ۔ عام شعراء کا دستور ہے کہ ایسی مبالغہ آمیز باتیں منہ سے نکال جاتے ہیں جن پر عمل ناممکن ہوتا ہے اور خود بھی جو کچھ کہتے ہیں اس پر عامل نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر اس سے مراد علماء سوء ہوں تو وہ بھی کہتے کچھ اور ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں

اِلَّا الَّذِیْنَ ۔ شعراء میں سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو ایماندار ہیں جنہوں نے جناب رسالت مآبؐ کی مدح و ثنا کی۔ اور قلب و لسان سے آپ کی نصرت کا فرض ادا کیا۔ چنانچہ حسان بن ثابت کو آپ نے دعا بھی فرمائی تھی۔ بہر کیف وہ شعراء جن کے اشعار خدا و رسول و اہل بیت کی تعریف میں ہوں اور درس معرفت دینے والے ہوں۔ جنت کی تشویق اور جہنم کی تخویف پر مشتمل ہوں یا حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کی مرثیہ خوانی اور مصائب کو متضمن ہوں وہ اس مذمت سے مستثنا ہیں بلکہ وہ قابل مدح ہیں اور ان کے وہ اشعار جو دین خدا کی نصرت میں ہوں قابل اجر جزیل اور شکر جمیل ہیں اور انہی شعراء کے متعلق تو فرماتا ہے۔ وَانْتَصَرُوْا ۔ یعنی وہ شعراء جنہوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد رسول خدا اور مومنین کا انتقام لیا وہ قابل تعریف ہیں۔ یعنی جس طرح مشرک شاعروں نے حضور اور مومنین کی اشعار کے ذریعے سے مذمت کی تھی۔ ان مومن شاعروں نے اس کا ان سے بدلہ لیا کہ حضور کی تعریف کی اور کفار کی انہوں نے ہجو کی۔ لہذا شاعر ہونا قابل مذمت نہیں بلکہ فضول کلامی اور یاوہ گوئی

قابل مذمت ونفرت ہے خواہ اشعار کے رنگ میں ہو یا نثر کے لباس میں ہو۔

تفسیر صافی میں بروایت عیون حضرت امام جعفر صادق علیہ سے مروی ہے۔ مَنْ قَالَ فِیْنَا بَیْتَ شِعْرٍ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ۔ یعنی جو شخص ہمارے حق میں شعر کا ایک بیت کہے خدا اس کو جنت کا بیت دگھر) عطا فرمائے گا۔ نیز فرمایا مَا قَالَ فِیْنَا قَائِلٌ شِعْرًا حَتّٰی یُؤَیَّدَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ یعنی جس شاعر نے بھی ہمارے حق میں ایک شعر کہا اس کی روح القدس سے تائید کی گئی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کعب بن مالک نے حضور رسالتمآبؐ سے سوال کیا کہ حضورؐ آپ شعراء کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مومن تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے شاعر لوگ (جو دین کی ترجمانی میں اشعار لکھیں) ان کو تیر مارتے ہیں۔ آپ نے حسان سے فرمایا تھا کہ ان کی ہجو کیا کرو۔ روح القدس تیرے ساتھ ہوگا۔

یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا

کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور ذکر کیا

اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَیَعْلَمُ

اللہ کا بہت اور انتقام لیا انہوں نے بعد اس کے کہ ظلم کیے گئے اور عنقریب جان

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۵

لیں گے ظالم لوگ کہ کونسی بازگشت کی طرف انہوں نے پلٹنا ہے۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ۔ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہ ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے آلِ محمدؐ پر ظلم کئے اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جو شخص میرے دین سے تمسک رکھنا چاہے اور میری کشتی نجات پر سوار ہونا چاہے وہ علیؑ کی اقتدا کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اس کے دوست سے دوستی رکھے اور علیؑ میرا وصی اور میری امت پر میرا خلیفہ ہے میری زندگی میں بھی اور میری وفات کے بعد بھی۔ وہ ہر مسلم ومومن کا میرے بعد امیر ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اس کی نہی میری نہی۔ اس کا تابع میرا تابع اور اس کا ناصر میرا ناصر ہے۔ پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا۔ پس فرمایا جس نے علی کو چھوڑا قیامت کے دن نہ وہ مجھے دیکھے گا اور نہ میں اس کو دیکھوں گا۔ اور جو علیؑ کا مخالف ہوگا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانا ہے جو علیؑ کی مدد ترک کردے خدا اس کی کوئی بات نہ سنے گا جب اس کے پیش ہوگا۔ اور جو علیؑ کی مدد کرے گا خدا اس کی مدد کرے گا یوم جزا اور اس کو اپنی حجت تعلیم کرے گا۔

پھر فرمایا حضرت حسنؑ اور حسینؑ اپنے باپ کے بعد لوگوں کے امام ہوں گے اور جوانانِ جنت کے یہ دونو سردار ہیں اور ان کی ماں عالمین کی عورتوں کی سردار ہے اور ان کا باپ تمام اوصیاء کا سردار ہے اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو امام

ہیں جن کا نواں قائم مہدی ؑ ہوگا۔ ان سب کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔

اللہ کی طرف شکایت کرتا ہوں ان لوگوں کی جو ان کی فضیلت کا انکار کریں گے اور ان کے حق کو میرے بعد ضائع کریں گے۔ اللہ ولی و مددگار ہے میری عترت کا اور میری اُمت کے آئمہ کا اور وہ انتقام لے گا ان سے جو ان کے حق کا انکار کریں گے پس اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۔

۱۱ رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۶۹ء، بگھر سنہ ۲۰۲۶ ب شب یکشنبہ ۷ ½ بجے شام سورہ شعراء کی تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ

maablib.org

سورہ نمل

یہ سورہ مکیہ ہے اس کی آیات کی تعداد ۹۳ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے جو سورہ طٰسٓ (نمل) کو پڑھے تو حضرت سلیمان و ہود و شعیب و صالح و ابراہیم علیہم السلام کے تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور بروز محشر قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا اُٹھے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ہرن کی جھلّی پر لکھ کر اپنے گھر میں رکھے تو سانپ بچھو کیڑا۔ چوہا۔ باولا کتا اور بھیڑیا غرضیکہ کوئی موذی جانور اس کی منزل کے قریب نہ آئے گا۔ ایک روایت میں مچھر کا نام بھی درج ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص بوقتِ شب اس کو ہرن کی جھلّی پر لکھے اور اس کو رنگے ہوئے چمڑے میں بند کرے جس سے کچھ کاٹا نہ گیا ہو۔ اور اس کو صندوق میں رکھ دے تو سانپ بچھو اور مچھر غرضیکہ کوئی موذی شی اس کے گھر کے قریب نہ آئے گی

maablib.org

رکوع نمبر ۱۶

طٰسٓ ۔ اس کی تفسیر و تشریح اسی جلد میں گذر چکی ہے۔

تِلْكَ ۔ یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ ۔ قرآن اور آیاتِ قرآن دونو ایک چیز ہیں البتہ یہاں قرآن اور کتاب دونو کو ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دونو سے مراد ایک ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن کا لفظ قرأت کو ظاہر کرتا ہے اور کتاب کا لفظ کتابت کو نمایاں کرتا ہے یعنی یہ لکھی اور پڑھی جانے والی چیز ہے پس یہ بمنزلہ اس ناطق و بولنے والے کے ہے جو لکھ بھی سکتا ہو اور پڑھ بھی سکتا ہو بنابریں اس کو مُبین کی صفت سے موصوف کرنا اس کی ناطق سے تشبیہ کو مزید پختگی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے مضامین و مطالب اس قدر واضح اور مبرہن ہیں گویا کہ یہ کتاب خود اپنے مقام پر بولتا ہوا مقرر ہے جو مطالب و مقاصد کو نہایت سلجھے ہوئے انداز سے بیان کرتا چلا جا رہا ہے۔ اسی لئے اس کو بعض جگہ بیان کی صفت سے بھی متصف کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾ هُدًى

طٰسٓ یہ آیتیں قرآن کی اور کتاب مبین کی ہیں ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور خوش خبری مومنوں کے لئے ہے۔ جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا

ہیں زکوٰۃ کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں تحقیق جو لوگ نہیں ایمان

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾

لاتے قیامت پر زینت دی ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ سرگردان ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

وہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہوگا اور وہ قیامت میں خسارہ پانیوالوں

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

میں ہوں گے اور تحقیق تو دیا جاتا ہے قرآن حکیم و علیم

هُدًى وَّبُشْرٰى ۔ یعنی اپنے بیان برہان اور اعجاز کے لحاظ سے ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ پس

اس کا محل اعراب رفع ہے کیونکہ خبر واقع ہے اور ہادئیا دمبشراً کی تاویل میں اس کو منصوب بنا بر حالیت کے بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔
زَیَّنَّا لَهُمْ ۔ یعنی بوجہ کفر و شرک کے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں پس ان کے لئے ان کے وہی کفریہ اعمال ہی مزین کئے گئے ہیں اور وہ انہی پر خوش ہیں پس توفیق ایمان سے محروم ہیں اور گمراہی کی تاریکی میں سرگردان ہیں۔

حَكِيمٍ عَلِيمٍ (٦) إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا

(خدا) کی طرف سے جب کہ کہا موسیٰ نے گھر والی سے تحقیق میں نے دیکھی ہے آگ

سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ (٧)

عنقریب لاؤں گا تمہارے پاس اس سے کوئی پتہ یا لاؤں گا شعلہ آگ کا تاکہ تم تاپ سکو

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

پس جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ برکت دیا گیا جو آگ کے اندر ہے اور جو اس کے باہر ہے

وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (٨) يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ

پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے اے موسیٰ تحقیق میں اللہ غالب

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (٩) وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ

حکمت والا ہوں اور ڈال دے اپنا عصا پس جب اس کو دیکھا کہ حرکت کر رہا ہے

كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَىٰ لَا

مثل چھوٹے سانپوں کے تو پیچھے دوڑا اور مڑ کر بھی نہ دیکھا اے موسیٰ نہ

تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ (١٠) إِلَّا مَن

ڈر تحقیق میرے پاس رسول نہیں ڈرا کرتے مگر جو

حضرت موسیٰؑ کا ذکر

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جب وہاں رہنے کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو مراجعت فرمائے وطن ہوئے تفسیر کی جلد ۹ ص ۱۶۷ وص ۱۶۸ پر واقعہ مفصل درج ہو چکا ہے، سردی زوروں پر تھی رات کا وقت تھا اندھیرا چھا چکا تھا راستے کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا قریب کہیں جلتی ہوئی آگ دکھائی دی تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا۔ اور اپنی اہلیہ سے فرمایا۔

إِنِّي آنَسْتُ ۔ ایناس چونکہ انس سے ہے لہذا اس کا معنی ہے چیز کا دیکھنا جس میں انس و محبت اور اطمینان و سکون کی خوشبو ہو گویا فرمایا کہ میں ایک ایسی آگ دیکھ رہا ہوں جو ہمارے لئے سکون نفس کی موجب ہو گی۔ لہذا تم یہاں ٹھہر جاؤ میں وہاں سے راستہ کا سراغ دریافت کروں گا یا آگ کا شعلہ لاؤں گا تاکہ اسے تاپ کر سردی کی تکلیف سے نجات ہو۔ چنانچہ ہاتھ میں خشک گھاس مٹھی بھرے

لیا" تاکہ جلتی ہوئی آگ سے ایک شعلہ (لیا) لاکر سردی کا علاج کریں جب قریب پہنچے تو قدرت خالق کا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ ایک سرسبز و شاداب درخت کی پُر رونق شاخوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں جونہی آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اتنا ہی درخت کی تازگی و رونق میں اضافہ ہوتا ہے نہ آگ درخت کی رونق کو برباد کرتی ہے اور نہ درخت کی سبزی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس دریائے حیرت میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے مطلب کی فکر میں مٹھی بھر خشک گھاس کو آگ کی طرف بڑھایا تاکہ جلتا ہوا آگ کا شعلہ واپس اہلیہ کی طرف جائیں جونہی آپ آگے بڑھے آگ ان کی طرف بڑھی فوراً پیچھے ہٹ گئے جب دوبارہ سہ بارہ یہی ماجرا پیش آیا تو فرط حیرت میں ایک تماشائی بن کر قدرتِ پروردگار کا نظارہ دیکھنے کے لئے کچھ دیر رک گئے۔ اتنے میں نہایت شیریں و پُر کیف لہجے میں آگ کے اندر سے ایک روح پرور آواز آئی جس سے لمبے سفروں کے تھکے ماندے مسافر نبی کو سرور محسوس ہوا محبت آمیز اور پیارے انداز سے خوش آمدید یوں ہوئی۔ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی مبارک ہے وہ جو آگ کے اندر ہے اور مبارک ہے وہ جو اس کے پاس آیا۔ یہ قدرت کی زبان سے تحیۂ اکرام کے وہ الفاظ تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے قلب و جگر میں محبت کی ایک لہر پیدا کر دی اور مزید پیاری گفتگو کے لئے فکر لاحق سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ ندائے وحی تھی جس نے آگ کے اندر والے فرشتوں اور باہر کھڑے ہوئے حضرت موسیٰ کو مبارکباد کا پیغام تہنیت و تحیۂ وحدت سنایا۔ روشن فضا کے اندر فرشتے محو تسبیح و تقدیس پروردگار تھے اور حضرت موسیٰ اس کے باہر دل آفریں منظر اور پیاری آوازوں میں محوِ حیرت تھے اتنے میں پھر آواز آئی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی پاکیزہ ہے ہر عیب سے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل اس شیریں لب و لہجہ کے سننے کے لئے اور زیادہ بے تاب ہو گیا تو فوراً آواز آئی یَامُوْسٰی جب ایک دوست اپنے دوست کو نام لے کر پکارے تو جو سرور کی کیفیت دوست کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ جب زبانِ توحید سے حضرت موسیٰ نے اپنے نام کی پکار سُنی تو جوشِ محبت اور ولولہ عقیدت میں منتظر تھے کہ کیا پیغام آتا ہے اور یہ اللہ کا اپنے پیارے کلیم سے کلام کا پہلا موقعہ تھا جس کی چاہت نے حضرت موسیٰ کے دل سے عیال و مال کا خیال نکال دیا تھا پس تعارف کے انداز میں ارشاد فرمایا اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ میں وہ اللہ ہوں جو غالب اور حکمت والا ہوں۔

كَاَنَّهَا جَانٌّ۔ جانٌّ چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور سورۂ اعراف میں ثعبانٌ مُّبین کہا ہے یعنی اژدہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ تھا تو اژدہا لیکن تیزی سے اِدھر اُدھر اس طرح حرکت کرتا تھا جس طرح چھوٹے ہلکے پھلکے سانپ کیا کرتے ہیں اس لئے یہاں فرمایا اس طرح حرکت کرتا تھا كَاَنَّهَا جَانٌّ جس طرح گویا کہ چھوٹا سانپ ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب پہلی دفعہ عصا زمین پر پھینکا تھا تو اس وقت چھوٹا سانپ تھا جیسا کہ اس مقام پر ہے اور جب فرعون کے سامنے پھینکا تو اژدہا بن گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہر دو دفعہ خود بھی ڈر گئے۔ پہلی دفعہ اگرچہ چھوٹا سانپ تھا لیکن اس لئے ڈرے کہ واقعہ نیا اور پہلی دفعہ کا تھا اب اگر دربارِ فرعون میں بھی اسی طرح چھوٹا سانپ بنتا تو یقیناً حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا نہ ہوتا کیونکہ پہلے آزما چکے تھے کہ میرے پکڑنے سے دوبارہ عصا ہو گیا تھا، سانپ ہی بن جائے گا لیکن جب اس کو بڑا اژدہا بنا ہوا دیکھا تو دل پر خوف طاری ہو گیا اور اس میں مصلحت کارفرما تھی۔ اور چند فائدے تھے۔

(۱) جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو پھینکا اور جادو کر کے انہیں سانپ ظاہر کیا تو حضرت موسیٰ خود گھبرا گئے چنانچہ سورہ طٰہٰ

بھی ارشاد ہے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۔ یعنی موسیٰ نے بھی دل میں گھبراہٹ محسوس کی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ جس طرح انہوں نے رسیوں کے چھوٹے چھوٹے سانپ بنا دیئے ہیں اگر میں عصا کو پھینکوں تو وہ بھی اسی طرح ایک چھوٹا سا سانپ ہی بنے گا پس لوگوں کے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ یعنی گھبرا نہیں کیونکہ تو ہی غالب رہے گا۔ پس اس دفعہ جو عصا کو پھینکا تو پہلے کی طرح چھوٹا سانپ نہیں تھا جس طرح پر پہلی ملاقاتِ خداوندی کے موقعہ پر بنا تھا بلکہ ایک بہت بڑا اژدہا تھا جس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۱۸۴ پر اور جلد ۶ صفحہ ۶۵ پر اور اسی جلد میں صفحہ ۱۹۵ پر گذر چکی ہے چنانچہ اس نے جادوگروں کے تمام مصنوعی سانپوں کو اپنا لقمہ بنا لیا۔ اگر یہ بھی خود چھوٹا سا سانپ ہوتا اور ان مصنوعی سانپوں کو کھاتا تو جادوگروں کا ذہن مطمئن نہ ہوتا۔ بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کو بڑا جادوگر ہی سمجھتے نبی نہ مانتے۔ کیونکہ ایک حجم کے جانور کا اپنے برابر کے ایک جانور کو کھانا بھی ظاہراً ممکن نہیں تھا چہ جائیکہ اپنی سماحت کے ہزاروں جانوروں کو کھا جائے پس وہ حضرت موسیٰؑ کے سانپ کو جادو کہتے اور حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ ہمارے سانپ غائب ہو گئے ہیں ورنہ اس حجم کے سانپ کے لئے ناممکن ہے کہ حقیقتاً اپنے حجم کے ہزاروں سانپوں کو کھا جائے۔ پس خدا نے اس دفعہ اس کو ایک بڑے اژدہا کی شکل دے دی تاکہ جادوگر مطمئن ہو جائیں کہ یہ جادو نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ کیونکہ جادو والی چیز دوسری آنکھوں کو دھوکا دے سکتی ہے لیکن اس کے لئے کھانا اور دیگر آثارِ زندگی کا مترتب ہونا جادو نہیں قدرتِ خدا ہے

(۲) اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر پہلے کی طرح چھوٹا سا سانپ ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کے عادی ہونے کی وجہ سے خوف نہ کرتے اور دربارِ فرعون میں جادوگروں کے سامنے ان کا خوف نہ کرنا جادوگروں کو شک میں ڈال دیتا کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا پس وہ سمجھتے کہ جس طرح ہمارا جادو ہے وہ بھی جادو ہے کیونکہ جس طرح ہم اپنے سانپوں سے نہیں ڈرتے وہ بھی نہیں ڈرتا اس لئے خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے دی جس سے ابھی تک حضرت موسیٰؑ خود بھی مانوس نہ تھے پس اژدہا کی شکل اور ڈراؤنی حالت دیکھ کر حضرت موسیٰؑ بھی دوسرے ڈرنے والوں کی طرح ڈر گئے جس سے جادوگر سمجھے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔

(۳) اور اس میں تیسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر حضرت موسیٰؑ خود نہ خوف کرتے تو فرعون کی خدائی کا بھانڈا تو پھوٹ چکا تھا۔ جب اس نے اژدہا کو اپنی طرف متوجہ دیکھا اور اس کا پاخانہ بھی خوف کے مارے نکل گیا پس جادوگروں نے یہ تو سمجھ لیا کہ فرعون یقیناً خدا نہیں جو ایک اژدہا سے خوف کھا رہا ہے لیکن جس نے عصا کو اتنا بڑا اژدہا بنا دیا ہے وہ ضرور خدا ہے پس حضرت موسیٰؑ کو خدا مان کر وہ مشرک ہو جاتے اور تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا کیونکہ جس طرح فرعون کی خدائی کا دعویٰ غلط ثابت کرنا تھا اسی طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ توحیدِ پروردگار کے قائل ہوں۔ پس خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے کر موسیٰؑ کے دل میں خوف پیدا کر دیا تاکہ لوگ فرعون کی خدائی کو باطل سمجھ کر اس خدا کو تسلیم کریں جو عصا کو اژدہا بنانے پر قادر ہے اور موسیٰؑ یقیناً اس فعل پر قادر نہیں ہے ورنہ خود اس سے خوف نہ کرتا۔ پس خدا وہ ہے جس نے موسیٰؑ کو یہ معجزہ دے کر بھیجا ہے اور یہ اس کا رسول برحق ہے اور ہم نے اس مطلب کو ج۹ ص

پر سوال وجواب کے رنگ میں خود سے واضح کیا ہے۔ نیز اس سے یہ بات خوب واضح ہوئی کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا امام کے ہاتھوں پر ظہور پذیر ہوتا ہے پس اللہ معجز ہے اور انبیاء و آئمہ معجز نما ہیں۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۱)

مگر جو ظلم کرے پھر تبدیل کرے نیکی بعد برائی کے تو تحقیق میں بخشنے والا مہربان ہوں

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ

اور داخل کر اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا نورانی سفید بغیر عیب کے

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

نو دوسرے معجزوں کے ساتھ (جا) طرف فرعون کے اور اس کی قوم کے تحقیق وہ ہیں فاسق

فٰسِقِیْنَ (۱۲) فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

پس جب پہنچیں ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں تو کہنے لگے یہ صاف جادو لوگ

مُّبِیْنٌ (۱۳) وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا

اور انہوں نے انکار کیا ان کا حالانکہ مانتے تھے ان کو ان کے دل از راہ ظلم و تکبر ہے

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۴) ع وَلَقَدْ اٰتَیْنَا

پس دیکھ کیا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا اور تحقیق ہم نے

دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

دیا داؤد و سلیمان کو علم دونوں نے کہا حمد ہے اللہ کے لئے جس نے

اِلَّا مَنْ یہ سابق سے مستثنےٰ منقطع ہے۔ اور اس کا پہلے مطلب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ۔ یہاں فی مَعَ کے معنی میں ہے یعنی اس کے علاوہ نو معجزات اور عطا فرمائے جن کا ذکر ج ص ۳۰ تا ص ۸۳ پر گذر چکا ہے۔

مُبْصِرَۃً۔ یعنی اس قدر واضح کہ کثرت سے دیکھی جا سکے اور مُفْعِلَۃٌ کا وزن کثرت کو ظاہر کرتا ہے جس طرح اَرْضٌ مُّضَبَّةٌ وہ زمین جس میں سوسمار زیادہ ہوں مَضْعَاةٌ جس میں افعی (اژدہا) زیادہ ہوں مَحْیَاةٌ جس میں سانپ زیادہ ہوں۔

رکوع نمبر ۱۷۔

حضرت سلیمان کا قصہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا یعنی ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا اس علم سے مخصوص علم مراد ہے کیونکہ علم نبوت ورسالت تو باقی نبیوں اور رسولوں کو بھی عطا ہوا ہے۔ اور علم کے بغیر تو کوئی نبی یا رسول ہو ہی نہیں سکتا ہے پس علم سے مراد علم قضا یعنی رعایا میں فیصلوں کا علم پس وہ اپنے زمانہ کے حکمران و سلطان بھی تھے اور کائنات کے چیدہ منصب بھی تھے۔ اس کے علاوہ پرندوں اور دیگر حیوانات کی بولی بھی جان سکتے

تھے (مجمع البیان نقلاً عن ابن عباس)

فَضَّلَنَا - یعنی خداوند کریم نے ہمیں باقی لوگوں سے امتیازی شرف عطا فرمایا کہ ہمیں اس نے نبوت دی اور صاحب اعجاز بنایا نیز علم مخصوص عطا فرمایا اور ہمارے لئے لوہے کو نرم کیا اور شیاطین وجن و انس کو ہمارا تابع فرمان بنایا۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ - آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے حکومت سلطنت تخت بخت جائداد جاگیر اور محلات و مکانات غرضیکہ اس کی

فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے مومن بندوں پر

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا

اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا اور کہا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی

وراثتِ انبیاء

جملہ متروکہ اشیاء کے وارث ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ نبیوں کے مال کی اولاد وارث ہوتی ہے جس طرح دوسرے لوگوں کی وارث ان کی اولاد ہوا کرتی ہے اور نبی اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ اپنے آباء کے وارث ہوا کرتے ہیں اور خانوادہ رسالت و اہل بیت عصمت سے اسی طرح مروی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے علم و نبوت اور ملک و سلطنت کے واحد وارث ہوئے۔ اور اس میں حضرت داؤد کی دوسری اولاد شریک نہ تھی۔ خاتونِ جنت کے مقدمہ فدک میں جو حدیث پیش کر کے خلیفہ وقت نے بی بی کا دعویٰ خارج کیا تھا درحقیقت وہی پیش کردہ مفروضہ حدیث ہی آیاتِ وراثتِ انبیاء کے معانی کی توڑ پھوڑ کی موجب بنی ہے اور خلیفہ وقت کے کاسہ لیسوں نے یہی تاویل پیدا کی کہ سلیمان اپنے باپ دادا کے علم و نبوت و ملک کا وارث تھا اسی طرح حضرت زکریا کی دُعا میں جہاں یہ الفاظ ہیں یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ یعنی مجھے وہ لڑکا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ وہاں بھی انہوں نے وراثتِ نبوّت مراد لے لی ہے۔

maablib.org

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و نبوّت حقیقت کے اعتبار سے قابل وراثت امور نہیں ہیں ورنہ ہر نبی کی ہر اولاد نبی ہوتی اور دنیا میں کوئی آدمی اس صورت میں غیر نبی نہ رہتا کیونکہ سب کے سب کم از کم حضرت آدمؑ نبی کی تو اولاد ہیں ہی۔ اسی طرح دنیا کا کوئی فن قابل وراثت نہیں ہوتا ورنہ ہر صاحب فن کی اولاد صاحب فن ہوتی پس وراثت کا تعلق مُورث کے متروکہ مال و اسباب جاگیر و جائداد اور زر و دولت پر ہوتا ہے جن کی ملکیت قابل نقل و انتقال ہو سا اور یہ ہے وراثت کا حقیقی اطلاق جس پر احکامِ وراثت مترتب ہوتے ہیں۔ البتہ علوم و فنون و صفات و کمالات وغیرہ ناقابل انتقال امور و اشیاء پر وراثت کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کسی عالم کا بیٹا خواہ باپ سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو بلکہ کہیں دُور دراز کے سفر طے کر کے تحصیلِ علوم کرے اور عالم بن جائے تو باپ کے مرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ

یہ اپنے باپ کا صحیح وارث ہے۔ حالانکہ باپ نے اپنے علم سے اس کو ایک حرف بھی تعلیم نہیں کیا تھا اسی طرح ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹری میں بھی باپ کا وارث کہلائے گا اگرچہ باپ سے نہ بھی سیکھا ہو اور جملہ فنون بلکہ صفات انسانیہ کا یہی حال ہے اور صفات روئیہ و ناقصہ میں بھی یہ اطلاق جاری ہوا کرتا ہے اور یہ وراثت کا مجازی اطلاق ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔

اب یہ سوچنا چاہیے کہ کیا حضرت زکریا کی دعا (کہ اے پروردگار مجھے اپنا وارث عطا کر) اسی مجازی اطلاق کے پیش نظر تھی تو یقیناً عقل صحیح اس کی تردید کرے گی کیونکہ کسی باپ کو کیا وثوق ہو سکتا ہے کہ میرا بیٹا میرے فنون و علم و کمالات کا وارث ہو گا یا نہیں اور حضرت زکریا کو معلوم تھا کہ اس سے قبل جس قدر انبیاء کی اولادیں گذری ہیں وہ نبوت میں اپنے آباء کی وارث نہیں ہوئیں پس وہ خود کس طرح اللہ سے ایسی دعا کر سکتے تھے۔ نیز حضرت زکریا کی مناجات میں یہ الفاظ بھی صراحت سے مذکور ہیں۔ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ یعنی مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے کہ اگر میرا اپنا لڑکا نہ ہوا تو وہ میری وراثت پر قبضہ کر لیں گے حالانکہ حضرت زکریا صاف جانتے تھے کہ نبوت ایسی چیز نہیں جس پر کوئی دوسرا غیر مستحق قبضہ کر سکے۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ وارث سے مراد وارث مال و ترکہ ہے نہ کہ وارث علم و نبوت۔ ویسے بھی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں لفظ کو حقیقی یا مجازی معنی پر محمول کرنا مساوی احتمال رکھتا ہو اور قرینہ مجازی معنی پر کوئی نہ ہو تو لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے لیکن اگر قرینہ بھی موجود ہو جو مجازی معنی کی نفی اور حقیقی معنی کی تائید کرتا ہو تو ایسی صورت میں تو مجازی معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت زکریا کی دعا میں اگر حقیقی و مجازی دونو معنوں کا برابر احتمال بھی ہوتا تب بھی چونکہ قرینہ نہیں لہذا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا بلکہ مجاز کا مخالف قرینہ موجود ہے (اور وہ یہ کہ آپ نے عرض کی مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے اور یہ ڈر نبوت و علم کے متعلق ہو نہیں سکتا) پس ضروری ہے کہ وراثت مالیہ مراد لی جائے نہ کہ علمیہ علاوہ ازیں آپ نے دعا میں یہ عرض بھی کی وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی اے اللہ اس کو رضی دلپسندیدہ و برگزیدہ بھی بنا تو اگر وارثِ نبوت کی دعا مانگ رہے ہوتے تو بعد میں اس کی برگزیدگی کی دعا بے محل تھی کیونکہ جو نبی ہوتا ہے وہ تو برگزیدہ ہوتا ہی ہے۔ البتہ مالی وارث کے سوال کے ساتھ جس طرح دیگر وارثوں کا خطرہ ظاہر کرنا برمحل ہے۔ اسی طرح اس کی برگزیدگی کی دعا بھی بجا و برمحل ہے۔ اس کی تحقیق جلد ۹ ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ پر گذر چکی ہے۔

اب رہا آیت مجیدہ میں سلیمان کی وراثت کا معاملہ تو اس میں شک نہیں کہ معنی مجازی کے لحاظ سے حضرت سلیمان حضرت داؤد کے علم و نبوت و ملک و سلطنت کے واحد وارث تھے اور اس میں ان کی دوسری اولاد شریک نہیں تھی لیکن آیت مجیدہ میں اس امر کی ضمانت کہاں ہے کہ حضرت داؤد کی مالی وراثت باقی اولاد پر تقسیم ہوئی اور اس سے حضرت سلیمانؑ کو حصہ نہ دیا گیا۔ **اولاً** تو جو مفروضہ روایت مقدمہ فدک کی رد میں پیش کی گئی تھی اس میں یہ شق بھی ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ لہذا حضرت داؤد کی اولاد جو سلیمان کے علاوہ تھی وہ باپ کی کسی چیز کی وارث نہ ہو گی کیونکہ ملک و سلطنت اور نبوت و علم میں ان کے واحد وارث حضرت سلیمان تھے اور باقی جائداد قاعدہ کے لحاظ سے بیٹیوں کو مل نہیں سکتی تھی لہذا وہ یکسر محروم ہونے چاہییں اور **ثانیاً** اگر کوئی گنجائش نکال کر دوسروں کو وارث بنایا گیا اور حضرت سلیمانؑ کو باقی مالی وراثت سے محروم کیا گیا کیونکہ یہ نبی تھا اور نبی وارث نہیں ہوا کرتے تو اس کو آیت کے کس لفظ سے ثابت کیا جائے گا۔ پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤد کی مالی جائداد کے وارث سب لڑکے لڑکیاں تھے اور حضرت

سلیمانؑ ان میں شریک تھے لیکن علم و نبوت و ملک کا وارث باقی برادری سے امتیازی صورت میں صرف حضرت سلیمان تھے اس لیے حضرت سلیمانؑ کا آیت میں مخصوص طور پر ذکر کیا گیا کہ وہ داؤدؑ کے وارث ہوئے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ بچپنے میں کیسے امام بن گئے تو آپ نے فرمایا جب خدا نے حضرت داؤدؑ پر وحی کی کہ اپنا جانشین نامزد کرو اور حضرت سلیمانؑ کو اپنا ولی عہد قرار دو تو وہ ابھی تک عالم بچپنے میں تھے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے عابد و زاہد اور علماء نے اس کی کم سنی پر اعتراض کیا تھا لیکن خدا نے داؤدؑ پر وحی کی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کا عصا اور دوسروں کے عصا لے کر ایک کمرے میں بند کر کے رکھ دو اور مہر کر دو پس جس کا عصا صبح کو تر و تازہ اور ثمر آور ہو جائے تو اسی کو خلیفہ مقرر کر دو۔ پس قوم اس پر رضا مند ہو گئی اور صبح کو دروازہ کھولا گیا تو حضرت سلیمانؑ کا عصا تر و تازہ تھا اور اس پر پھل بھی لگا ہوا تھا پس وہ نامزد ہو گئے اور تفسیر کی جلد ۹ ص۲۳۳ پر اس کی دوسری وجہ مذکور ہے۔

مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

بولی پرندوں کی اور عطا کیا گیا ہمیں ہر اس چیز میں سے (حصہ) تحقیق یہ البتہ

الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ

فضل ظاہر ہے اور جمع کیے گئے سلیمان کے لیے اس کے لشکر

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰىٓ اِذَآ

جنوں انسانوں اور پرندوں میں سے پس وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب

مَنْطِقَ الطَّيْرِ ۔ اہل لغت کے نزدیک نطق کا اطلاق صرف بنی آدم پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور باقی جانوروں پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نطق کلام کے معنی میں ہے اور باقی جانور کلام پر قادر نہیں ہیں لیکن ہم نے تفسیر کی تمہیدی جلد ص۱۳۳ پر ثابت کیا ہے کہ کلام اس ذریعہ و واسطہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچائے اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتا اور رہن سہن میں معاشرہ کا محتاج نہ ہوتا تو کلام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی پس حرفوں اور لفظوں سے مرکب ہونے والی آواز کو کلام کا نام دے دیا گیا اور حیوان چونکہ حروف و الفاظ کے بغیر مہمل آوازوں سے یا اشاروں سے یا آنکھوں یا دوسرے مخصوص ذرائع سے ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھا لیتے ہیں لہذا ان کا وہ مخصوص انداز کلام کہا جا سکتا ہے پس موجودات کی ہر نوع و صنف کا کلام ان کی حقیقت و کیفیت و حیثیت کے لحاظ سے جدا جدا نوعیت کا ہو گا۔ لہذا جس کلام کی تعریف اہل لغت کرتے ہیں کہ لفظوں اور حرفوں سے مرکب ہونے والی بامعنی و مفید آوازوں کا نام کلام ہے یہ صرف کلام انسانی کی تعریف ہے نہ کہ مطلق کلام کی بنا بریں پرندوں اور حیوانوں کی آوازیں جو افہام و تفہیم کا اپنے اندر لیے ہوئے ہوں۔ ان کا کلام کہی جا سکتی ہیں اور وہی ان کی بولی ہوتی ہے بلکہ بعض شعراء عرب نے تو غیر جاندار اشیاء کی حیثیت کو بھی کلام کہا ہے جو کسی بات پر دلالت کرتی ہو چنانچہ ایک عرب شاعر متنبی کہتا ہے۔

وَذَکِیُّ اَنْحَاءِ الرِّیَاضِ کَلَامُهَا   یَبْغِی الثَّنَاءَ عَلَی الْحَیَا فَتَفُوحُ

باغات کی پاکیزہ خوشبوؤں کا کلام ہے وہ بارش کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تو مہک اُٹھتے ہیں۔

وَاُوْتِیْنَا۔ مقصد یہ ہے کہ نبوت اور حکومت کے لئے جس قدر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے خدا نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمَانَ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ بن داود کو مشرق و مغرب یعنی پوری روئے زمین پر حکومت دی گئی اور سات سو برس اور چھ ماہ انہوں نے حکومت کی۔ ان کی حکومت جنوں انسانوں شیطانوں حیوانوں اور درند چرند پرند وغیرہ کی جملہ اصناف پر تھی ہر قسم کی ضروریات کا علم ان کو دیا گیا اور ہر جنس کی بولی ان کو تعلیم کی گئی۔ ان کے دورِ سلطنت میں عجیب و غریب صنعتیں رونما ہوئیں۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خداوند کریم نے دیگر علوم کے علاوہ اس زمانے کی مروجہ تمام زبانوں کی معرفت بھی عطا فرمائی تھی بلکہ وہ پرندوں، درندوں اور جملہ حیوانوں کی بولیاں بھی جانتے تھے علاوہ ازیں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے تو زبان فارسی استعمال کرتے تھے۔ جب حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کارکنوں اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے تھے تو رومی (انگریزی) زبان بولتے تھے خانگی اور گھریلو معاملات میں سریانی و نبطی زبان استعمال کرتے تھے جب محراب عبادت میں خالق بے نیاز کے سامنے عبادت و مناجات کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو زبان عربی کو استعمال فرماتے تھے۔ اور جب بیرونجات سے وفود ملنے کے لئے آتے یا چیف جسٹس کی کرسی پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت عبرانی زبان میں بات کرتے تھے اور یہی گویا اس زمانہ کی عام مروجہ زبانیں تھیں۔

تفسیر صافی میں بروایت بصائر الدرجات منقول ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا تحقیق اللہ نے ہمیں بھی پرندوں کی بولیاں تعلیم کی ہیں جس طرح حضرت سلیمان بن داؤد کو تعلیم کی تھیں اور ہمیں ہر حیوان کی بولی کا علم دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے خواہ (بحری ہو یا بری)

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ انسانوں پرندوں اور حیوانوں بلکہ کسی ذی روح کا کلام امام سے مخفی نہیں ہوتا یعنی جو شخص جس بولی اور جس لہجے میں بات کرے امام اس کو سمجھ سکتا ہے اسی طرح وہ ہر ذی روح جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتا ہے اور فرمایا جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ امام نہیں ہے۔ بہر کیف اس باب میں روایات کثیرہ موجود ہیں کہ آئمہ طاہرینؑ حیوانات کی بولیاں جانتے تھے۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمَانَ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان کی فوجی چھاؤنی کا رقبہ ایک سو فرسخ یعنی تین سو میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا اس میں پچیس فرسخ انسانوں کے لئے پچیس قوم جن کے لئے پچیس وحشی جانوروں کے تھے اور پچیس فرسخ پرندوں کے لئے مخصوص تھے اور آپ کی رہائش کے محلات اور رہائشی مکانات ایک ہزار کی تعداد میں تھے جو شیشے سے بنے ہوئے تھے اور ان کے نیچے لکڑی لگی ہوئی تھی آپ کی منکوحہ عورتیں تین سو اور کنیزیں سات سو تھیں جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تھے تو تخت اس قدر وسیع تھا کہ اس پر ہر صنف کا ایک ایک گروہ بیٹھتا تھا پس ہوا کو حکم دیتے تھے تو تخت کو فضا میں اڑا کر چلتی تھی پہلے تیز ہوا کو حکم ہوتا تھا اور وہ آپ کے تخت کو زمین سے بلند کرتی تھی پھر نرم اور دھیمی ہوا اس کو وہاں لے جاتی تھی جہاں کا آپ ارادہ رکھتے تھے۔ ایک دن آپ کا

تخت وہ دوش ہوا پر سوار تھا اور آپ فضائے آسمانی میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پورے شاہانہ ٹھاٹھ سے جلوہ گر تھے کہ پروردگار کی جانب سے وحی ہوئی کہ میں نے تیری حکومت میں ایک اور اضافہ کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مخلوق میں کوئی بھی کہیں بات نہیں کرے گا مگر ہوا ہر ایک کی ہر آواز کو تیرے کانوں تک پہنچا دے گی۔

یُوزَعُوْنَ - یعنی پرندے اوپر پر پھیلائے دوش بدوش فضا میں کھڑے رہتے تھے اور بقدرتِ خداوہ ایک جگہ رکے رہتے تھے اور اِدھر اُدھر منتشر نہ ہوتے تھے۔

حضرت سلیمان کے تخت کے اُوپر جو قالین بچھایا جاتا تھا وہ طول و عرض میں ایک ایک فرسخ (۳) میل تھا جو ریشم کے ساتھ سنہری تاروں کا بنا ہوا تھا اور جنوں نے تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ درمیان میں آپ سنہری منبر پر جلوہ گر ہوتے اور اردگرد تین ہزار سنہری و روپہلی کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن میں سنہری کرسیوں پر انبیاء اور روپہلی کرسیوں پر علماء تشریف فرما ہوتے تھے ان کے اِردگرد باقی لوگ بیٹھتے اور ان کے اردگرد قوم جنات و شیاطین کو جگہ دی جاتی اور اوپر فضا میں پرندے پر پھیلائے ہوئے سر پر سایہ فگن رہتے تھے تاکہ آپ پر دھوپ نہ پڑے۔ صبح سے شام تک دوش ہوا پر تخت سلیمانی ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام سے صبح تک بھی اسی رفتار و انداز سے سفر طے ہوتا تھا۔

اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا
پہنچے وادیٔ نمل پر (تو سنا) کہ ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں
مَسٰکِنَکُمۡ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُهٗ وَ هُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (۱۸)
گھس جاؤ کہیں لاشعوری کے عالم میں تم کو سلیمان اور اس کا لشکر روند نہ ڈالے
فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ
پس ہنسے خوب اس کی بات سے اور کہا اے رب مجھے الہام کر کہ شکر کروں تیری نعمت کا

اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ ایک دن حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا وادیٔ نمل کے اوپر سے گذر رہا تھا کہ ہوا نے ایک چیونٹی کی بات آپ کے کانوں تک پہنچا دی جو دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ۔ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر لاشعوری کے عالم میں تم کو روند نہ ڈالیں اور اس چیونٹی کا نام مُنذِرہ بتایا گیا ہے۔

علامہ طبرسی نے اس آیت کے ماتحت یہ نظریہ پیش فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دن حضرت سلیمان کا تخت فضائے آسمانی میں نہیں تھا بلکہ زمین پر لشکر سمیت پیدل سفر کر رہے تھے۔ اور غالباً اس وقت ہوا کو ان کے زیر فرمان نہیں کیا گیا تھا اسی لئے تو چیونٹی نے روندے جانے کا خطرہ ظاہر کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کو تو جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن چیونٹی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت

سلیمان احساس کا شکریہ ادا کر رہے ہیں اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کو تمام جانوروں پر حق حکومت دیا گیا تو اس کا لازمہ ہے کہ جانوروں کو بھی شعور دیا جائے تاکہ وہ سلیمان اور غیر سلیمان میں فرق کر سکیں ورنہ اپنے حکمران کی اطاعت صحیح معنوں میں نہ کر سکیں گے اور چیونٹیاں اپنے اندر پہلے سے ایک فطری شعور رکھتی ہیں چنانچہ وہ جس قدر دانے اپنے سوراخوں میں جمع کرتی ہیں ان کو دو حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں کیونکہ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں نمی پڑنے سے اگ نہ جائیں اور دھنیا چونکہ نصف بھی اگتا ہے لہذا دھنیا کے دانے کو وہ چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں پس جس پروردگار نے ان کو یہ شعور دیا ہے وہ یہ شعور بھی دے سکتا ہے کہ کون ہمیں روند سکتا ہے اور کون نہیں روند سکتا۔ اور سلیمان و غیر سلیمان میں امتیاز کرنے کی طاقت بھی ان کو دے سکتا ہے اور بعضوں نے اس امر کو حضرت سلیمان کا خارق عادت معجزہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ چیونٹی کی بات جب حضرت سلیمان کے کانوں تک پہنچی تو رک گئے اور لشکر کو بھی پیش قدمی سے روک دیا تاکہ وہ سب کی سب اپنے سوراخوں میں گھس سکیں۔ اور حضرت سلیمان کے ہنسنے کی وجہ بھی یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ اپنے عادلانہ رویے پر خوشی محسوس کر کے ہنسے کہ چیونٹی تک چھوٹے سے چھوٹے اور کمزور سے کمزور حیوان بھی مجھے اپنا عادل حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وہ بھی میرے عدل کے قائل ہیں، چنانچہ چیونٹی بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی ہے کہ سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ لاشعوری کے عالم میں سلیمانؑ کا لشکر تم کو روند نہ دے وہ یہ سمجھتی ہے کہ دیدہ و دانستہ عادل بادشاہ ہمیں ہرگز نہ روندے گا پس خوشی سے ہنسے اور اس کے بعد بارگاہِ ربوبیت میں نعمت پروردگار کا شکر ادا کیا اور عرض کی مجھے اپنے شکر کی مزید توفیق مرحمت فرما۔

الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

جو تو نے مجھ پر کی ہے اور جو تو نے میرے والدین پر کی اور یہ کہ عمل کروں نیک جس پر تو خوش ہو

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲

اور مجھے داخل فرما اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کا لشکر پیدل نہیں بلکہ فضائے آسمانی میں وادی نمل سے تین میل کی بلندی پر تھا اور ہوا نے چیونٹی کی آواز کو ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔ جب کہ وہ دوسری چیونٹیوں کو جلدی سوراخوں میں گھسنے کا مشورہ دے رہی تھی پس اس کی ہوشیاری اور پھرتی سن کر ہنسے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا آ رہا تھا کہ چیونٹی نے بات کہی اور ہوا نے حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچا دی (البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پروگرام وادیٔ نمل میں اترنے اور قیام کرنے کا ہو اور اس کو چیونٹی باذن پروردگار بھانپ گئی ہو کہ لشکر نے یہاں اترنا ہے پس اپنی قوم کو متنبہ کر دیا ہو) یہ بات سن کر حضرت سلیمان نے لشکر کو قیام کا حکم دیا (اور تخت زمین پر آ گیا) پس حکم دیا کہ اس چیونٹی کو میرے پیش کیا جائے چنانچہ جب وہ لائی گئی تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے نبی نہیں سمجھتی اور کیا میں عادل نہیں ہوں؟ چیونٹی نے عرض کی حضور میں آپ کو نبی بھی سمجھتی ہوں اور عادل بھی جانتی ہوں، آپ نے فرمایا پھر تو نے اپنی قوم کو میرے ظلم سے کیوں خوف زدہ کیا ہے، اس نے عرض کی حضور! وہ عبادت خدا کرتی تھیں اور توحید پرست

تھیں اگر آپ کا تخت و تاج بخت و اقبال اور شان و شوکت دیکھ لیتیں تو معمولی شعور رکھنے والی مخلوق آپ کو خدا سمجھ بیٹھتی اور خدا کی عبادت سے اعراض کرکے آپ کی عبادت کرنے لگتی اور مشرک ہو جاتی ہیں سنے اس بہانہ سے ان کو شرک سے بچایا ہے کہ نہ یہ شان و شوکت دیکھیں اور نہ ان کا عقیدہ خراب ہو پس عبادتِ پروردگار میں کسی کو شریک نہ کرنے پائیں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ۔ تفقد کا معنی ہوتا ہے پڑتال کرنا کہ سب حاضر ہیں یا کوئی ان میں غیر حاضر بھی ہے۔

مَالِيَ لَآ أَرَى۔ درحقیقت مَالَهُ لَا أَرَاهُ ہونا چاہیئے کہ اس کو کیا ہو گیا ہے کہ نظر نہیں آتا لیکن محاورہ عرب میں ایسی ترکیبوں میں ازراہ تعجب نسبتِ متکلم کی طرف دی جاتی ہے جس طرح کسی کو غمناک دیکھ کر کہا جاتا ہے۔ مَالِيَ أَرَاكَ كَئِيبًا، حالانکہ کہنا چاہیے مَا لَكَ أَرَاكَ كَئِيبًا۔ یعنی تجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ

اور پڑتال کی پرندوں کی پس فرمایا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا کیا وہ

الْغَآئِبِينَ ⑳ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا

غیر حاضر ہے؟ اس کو ضرور سزا دوں گا سخت

أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ㉑

یا اس کو ذبح کردوں گا مگر یہ کہ لائے میرے پاس دلیل (عذر) واضح

اَلْهُدْهُدُ۔ پنجابی میں اس کو ورکھان کہتے ہیں۔ تفاسیر میں اس کی دو وجوہ ذکر کی گئی ہیں ایک تو یہ کہ جب آپ تخت پر اہل دربار سمیت جلوہ گر ہوتے تھے تو پرندے اوپر صف بستہ رکھے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی گود میں دھوپ کا نشان ہوا تو فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو ہدہد غائب تھا اور دوسری وجہ یہ ہے آپ کو سفر میں پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو پانی تلاش کرنے کے لئے حکم دینا تھا کیونکہ یہ زمین کے اندر پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح ہمیں شیشے سے نظر آتا ہے۔ بروایت عیاشی ابو حنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت سلیمان کی ہدہد کو طلب کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ہدہد زمین سے پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح تم لوگ شیشی میں تیل کو دیکھتے ہو۔ یہ سن کر ابو حنیفہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر ازراہِ تمسخر ہنسنے لگا آپ نے پوچھا۔ ارے ہنستا کیوں ہے؟ کہنے لگا آج میں نے جیت لیا ہے۔ فرمایا وہ کیسے؟ تو کہنے لگا جو پرندہ پانی کو زمین کے اندر سے دیکھ سکتا ہے وہ زمین کے اوپر بچھے ہوئے جال کو کیوں نہیں دیکھ سکتا کہ پھنس جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اے نعمان تجھے معلوم نہیں جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جایا کرتی ہیں۔

لَأُعَذِّبَنَّهُ۔ یعنی میں اس کو اس غیر حاضری کی اور بلا رخصت چلے جانے کی سزا دوں گا یا تو اس کے پر نوچ کر اس کو دھوپ میں ڈال دوں گا یا اس کے کسی دشمن پرندے کے ہمراہ اس کو پنجرے میں قید کر دوں گا چونکہ آپ کی حکومت کا دائرہ وسیع تھا اور پرندے بھی ان کے زیر حکومت

تھے لہذا قانون شکنی اور فریضہ سے غیر حاضری کی سزا نظام حکومت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری تھی پس ہر جنس کی سزا اس کی اپنی حیثیت کے مطابق تجویز ہوا کرتی تھی چنانچہ ہدہد کی سزا پر نوچ کر دھوپ میں ڈالنا یا دشمن کے ساتھ ایک پنجرے میں قید ہونا یا ان دونوں سے سخت سزائے موت دینا تھی چنانچہ فرمایا اَوْ لَاَ ذْبَحَنَّہٗ یا اس کو ذبح کر دوں گا چونکہ پوری مملکت میں آپ چیف جسٹس تھے لہذا معمولی سزا دیتے یا سخت سزا تجویز کرتے یا سرے سے معاف کر دیتے ان کے اختیار میں تھا۔

اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ۔ یا یہ کہ وہ میرے پاس عذرِ واضح لائے اور اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے پس سزا معاف کر دوں گا۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے ایک شخص نے حضرت موسٰے کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت محمد مصطفٰےؐ تمام نبیوں کے وارث تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ حضور اس سے اعلم تھے۔ سائل نے پوچھا حضرت عیسٰےؑ مردوں کو باذنِ پروردگار زندہ کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان بن داؤدؑ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے، کیا حضورؐ بھی یہ کام کر سکتے تھے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ نے جب ہدہد کو غائب پایا تو ناراض ہو کر فرمایا میں اس کو اس کی غیر حاضری کی سزا دوں گا کیونکہ وہ پانی کے متعلق صحیح خبر دیا کرتا تھا۔ تو گویا اس پرندہ کو وہ چیز عطا کی گئی جو حضرت سلیمان کو عطا نہ ہوئی بے شک ہوا، چیونٹیاں، جن وانس اور شیاطین وغیرہ سب اس کے اطاعت گذار تھے لیکن ہوا میں پرواز کرنے کے باوجود اُسے پانی معلوم نہ ہو سکتا تھا اور اس بات میں وہ ایک پرندے کا محتاج تھا، اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ قرآن کے ذریعے پہاڑ چل سکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کئے جا سکتے ہیں۔ اور مردے زندہ ہو سکتے ہیں اور ہم اسی قرآن کے وارث ہیں جس میں پہاڑوں کا چلانا مسافت کا طے کرنا اور مردوں کا زندہ کرنا موجود ہے اور ہم ہوا کے نیچے پانی کا وجود جانتے ہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی غائب ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو کیا ہے جن کو ہم نے چن لیا ہے۔ پس ہم ہی وہ ہیں جن کو اللہ نے چنا ہے اور ہم کو ہی اس نے اس کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے (ملخصاً)

وافی میں بروایت کافی حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں سخت قحط پڑا پس لوگ حضرت سلیمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور دعائے بارش کی درخواست کی آپ نے فرمایا کل نماز صبح کے بعد آجانا چنانچہ دوسرے دن نماز صبح کے بعد آپ ہمراہ ان کے روانہ ہوئے ایک جگہ چیونٹی کو آپ نے دیکھا کہ قدم زمین پر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے مناجات کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم تیری مخلوق تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تو ہم کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر یہ سن کر حضرت سلیمان نے فرمایا کہ بس اب پلٹ جاؤ کہ دوسری مخلوق کے صدقہ میں تمہیں بھی سیراب کیا جائے گا چنانچہ وہ واپس آئے اور اس سال اس قدر بارش ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایک سال میں اتنی بارش نہیں ہوئی تھی (وافی باب الذنوب) اور اسی مضمون کی روایت فقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ یعنی حضرت سلیمانؑ زیادہ نہ ٹھہرا کہ ہدہد پیش ہو گیا۔ اور اُس نے اپنا عذر پیش کرنا شروع کیا یا یہ کہ ہدہد زیادہ نہ ٹھہرا غیر حاضری میں کہ آگیا اور کہنے لگا۔

اَحَطْتُّ ۔ میں نے اس کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ نے نہیں کیا یعنی میں وہ معلومات حاصل کر کے لایا ہوں ۔ جو آپ کو نہ جن فراہم کر سکے اور نہ انسان ۔ اور میں ایسے مقام پر پہنچا ہوں کہ آپ آج تک وہاں نہیں پہنچ پائے ۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ سابق انبیاء میں یہ بات ممکن تھی بلکہ واقع تھی کہ ان کی رعایا اور اُمت میں سے کوئی فرد ایک بات جانتا ہو اور نبی کو اس کا علم نہ ہو ۔ لہذا حضرت موسےٰ و خضر کے واقعہ میں یہ کہنا کہ ماتحت نبی کو ایسی باتیں معلوم تھیں جن کا مافوق نبی موسیٰ کو علم نہ تھا کیسے ممکن ہے ؟ حضرت موسےٰؑ کا ماتحت انسان تو تھا بلکہ نبی بھی تھا جس سے بعض معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت موسےٰ کو حکم دیا گیا ۔ لیکن حضرت سلیمان کا ماتحت نبی تو بجائے خود انسان بھی نہیں ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو ایسے معلومات لایا کہ نبی بھی ان سے بے خبر تھا ۔ ہاں علوم نبوت اور احکام شریعت میں ہر نبی کا اپنے زمانہ کے اور اپنی جملہ اُمت کے افراد سے ممتاز ہونا ضروری ہے اور یہ اللہ کے راز ہیں اور وہ خود ہی ان کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے ۔ بہر کیف ہدہد نے جب یہ دعوےٰ کیا کہ میں ایسے معلومات لایا ہوں کہ آپ ان سے آج تک بے خبر ہیں تو حضرت سلیمان کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور پوری توجہ سے اس کی خبروں کو سنا اس مقام پر حضرت سلیمانؑ کا یہ دعوےٰ کہ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہم کو ہر چیز میں

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ

پس زیادہ دیر نہ گذری (کہ وہ آگیا) پس کہا میں ایک خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں اور لایا ہوں

جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً

ملک سبا سے یقینی خبر تحقیق میں نے دیکھا ہے کہ

تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

ایک عورت ان پر حکمران ہے اور دی گئی اس کو (حکومتی ضرورت کی) ہر چیز اور اس کا تخت عظیم الشان ہے

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ

اور میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا ہے پوجا کرتے ہیں سورج کی اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

اور مزین کیا ہے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک رکھا ہے ان کو سیدھے

السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

راستے سے پس وہ ہدایت نہیں پاتے کہ نہ سجدہ کریں اللہ کا جو

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (عدم سے وجود کی طرف) اور جانتا ہے خفیہ

سے عطا کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء نظام مملکت اور تدبیر سلطنت کے لئے نیز جو علوم و معارف مقام نبوت کے لئے ضروری ہیں ہم کو وہ عطا کئے گئے ہیں نہ کہ ہر چیز ورنہ ہدہد کی خبر سے وہ بے نیاز ہوتے۔

مِنْ سَبَاٍ ۔ ہدہد نے کہا کہ میں ابھی ملک سبا سے آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت حکمران ہے۔ بعض نحویوں نے سبا کو منصرف پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قبیلہ منسوب ہے اور بعضوں نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے پس علم اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور بعض نحویوں نے اس کا منصرف پڑھنا اور غیر منصرف پڑھنا برابر قرار دیا ہے جنہوں نے ایک شخص کا نام قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ یمنی لوگ سب اس کی نسل سے ہیں اور وہ سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک یمن میں واقع ہے اور اس کا دوسرا نام مارب ہے اور یہ صنعا سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ شاید اس زمانہ میں ملک یمن کو ملک سبا ہی کہتے ہوں گے کیونکہ پایۂ تخت یہی شہر تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے خداوند کریم نے سبا میں بارہ نبی بھیجے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے حضورؐ سے سبا کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا سبا ایک آدمی کا نام تھا جس کے دس لڑکے تھے اُن میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں جا بسے ان کے نام لخم جذام غسان اور عاملہ تھے اور یمنیوں کے نام کندہ اشعر ازد مذحج حمیر اور انمار ہیں اور انمار کے دو قبیلے ہیں خثعم اور بجیلہ۔ بہر کیف شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو یا شخص کا نام ہو۔ ان میں تضاد اس لئے نہیں کہ ایک شخص کے نام سے شہر کا نام بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ قبیلہ کا نام بھی بن جاتا ہے

بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ۔ یعنی پکی خبر اور ہر لحاظ سے مکمل خبر لایا ہوں کہ اس کا کوئی ضروری گوشہ معرض خفا میں نہ ہوگا اور احاطہ کا لفظ بھی اسی معنی کی وضاحت کے لئے ہے کہ میں نے اس کے سارے گوشے معلوم کئے ہیں ادھوری خبر نہیں لایا۔

اِمْرَاَۃً ۔ یعنی وہاں واحد حکمران ایک عورت ہے (اس کا نام بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان تھا اور مروی ہے کہ چالیس پشتوں سے ان میں حکومت چلی آرہی تھی چالیسواں بادشاہ بلقیس کا والد تھا جس کا نام شراحیل یا شرحبیل منقول ہے۔

اُوْتِیَتْ ۔ یعنی تدبیر مملکت اور نظام حکومت کے لئے جن اسباب و آلات کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پاس سب کچھ موجود ہے

وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾	اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۶﴾ سجدہ
واعلانیہ سب کاموں کو	اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے

عَرْشٌ عَظِیْمٌ ۔ یعنی اس کا سریر مملکت بہت بڑا ہے کہ آپ کے پاس بھی ایسا نہیں ہے جس کا سامنے کا حصہ سونے کا ہے جس پر یاقوت سرخ اور زمرد سبز جڑے ہوئے ہیں اور پچھلا حصہ چاندی کا ہے جو گوناگوں کے ہیرے جواہر اور رنگے برنگے موتیوں سے مرصع ہے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی تیس تیس ذراع تھی اور وہ دربار عام میں اس کے اوپر بیٹھ کر حکم کرتی تھی۔ رازی نے (علی ما نقل عنہ) ذکر کیا ہے کہ ملحد و بے دین لوگ اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اوّلاً تو ہدہد کا کلام کرنا ناممکن ہے اور ثانیاً شام (اردن) سے یمن کی طرف جانا اور تھوڑی سی مدت میں جا کر واپس پہنچنا بھی محالات میں

سے ہے۔ اور اس کا جواب مفصّل لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ اُمور خالق کل پروردگار کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہیں۔ اس قسم کے اشکالات وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہاتھ دامن توحید سے کوتاہ ہو۔ ابوالحسن شعرانی مجمع البیان کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ پرندہ کی حکایت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو قابلِ اعتراض ہو کیونکہ انبیا علیہم السّلام کے لئے امور غائبہ کی خبریں دینا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نیز پرندوں کا تربیت پاکر خطوط لے جانا اور ان کا جواب لانا امور ناممکنہ میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا مفسّرین نے اس بارے میں جو معلومات درج کتب کی ہیں ان کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت وسیع ہے اور واقعہ میں ذکر کردہ امور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہیں البتہ اگر روایات غلط طور پر نقل کی گئی ہیں تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسی روایات درج کتب کی ہیں جو حقیقت سے بے تعلق ہیں (اقول) زمانہ گذشتہ میں جب کہ اسباب و ذرائع محدود تھے۔ اور رسل و رسائل کے اُمور پیدل کے لمبے چوڑے اسفار پر منحصر تھے شاہانِ وقت کے پاس پرندوں کی تربیت کا معقول انتظام ہوتا تھا جو بعض ضروری خطوط کو تربیت یافتہ پرندوں کے ذریعے سے دور دراز تک بھیجتے تھے اور جواب واپسی بھی حاصل کرتے تھے اور حضرت سلیمان کی حکومت چونکہ صرف انسانوں تک محدود ہی نہیں تھی اور پرندے بھی اس کے زیر فرمان تھے تو ان کا تربیت یافتہ ہونا اور اس قسم کے امور کو انجام دینا کیا بعید ہے نیز اللہ قادر ہے کہ بعض پرندوں کو اس قدر تیز پروازی کی توفیق دے دے اور حضرت سلیمان کی جانب سے ممکن ہے کہ محکمہ سراغ رسانی انہی پرندوں کے سپرد ہو جس طرح کہ سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کی ڈیوٹی ہوا کے ذمہ تھی اور محکمہ تعمیرات قوم جن کے سپرد تھا۔ پس اس کا بلا اطلاع چلا جانا حضرت سلیمانؑ کے لئے قابلِ اعتراض تھا اور محکمۂ سراغ رسانی کا اس کے ذمہ ہونا اس امر سے بھی منکشف ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جب اس کی غیر حاضری پر اس کی سزا کا اعلان فرمایا تو یہ استثناء بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی معقول عذر اور واضح چیز اس نے پیش کی (یعنی کچھ اچھے معلومات اس نے فراہم کئے) تو اس کی سزا برطرف کر دی جائے گی اور ہدہد کی مکمل رپورٹ اس امر کی غماز ہے کہ وہ تربیت یافتہ تھا اور اس میں عہدہ سفارت کی اہلیت موجود تھی۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ تفصیل بیان کی کہ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو سورج کی عبادت کرتا ہوا پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کے پجاری تھے اس پر بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ہدہد جیسے پرندے کو اللہ کی معرفت سے کیا سروکار اور اسے کیا خبر کہ سورج کی عبادت اور اللہ کی عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں نہ وہ ذوی العقول میں سے تھا اور نہ اس قسم کی باتیں سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا کیونکہ عبادت کی تکلیف صرف جنّوں اور انسانوں کے لئے ہے اور یہی معرفت حاصل کرنے کے اہل ہیں اور اس اشکال کا حل انہوں نے یہ پیش کیا ہے کہ پرندے کی خبر اس طرح تھی جس طرح انسانوں میں چھوٹے لڑکے جو بلوغ کے قریب ہوں وہ اگرچہ خود معرفت نہیں رکھتے لیکن ہمیں اللہ کی عبادت کرتا دیکھ کر کہیں اس کا الٹ دیکھیں تو اس کو باطل کہنے کو تیار ہوتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ حق و باطل میں تمیز کرنے کے اہل نہیں ہوتے اسی طرح ہدہد نے ادھر حضرت سلیمانؑ کو اللہ کا سجدہ کرتے دیکھا تھا جب ملکہ سبا کو اس نوعیت کی مخالف عبادت میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ باطل ہے۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ یہ حل بالکل قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ حق اور باطل یعنی توحید پرستی اور سورج پرستی میں فرق

کرنا اور ایک کو اچھا سمجھنا اور دوسری کو بُرا جاننا بغیر معرفتِ خداوندی کے قطعاً ناممکن ہے اسی طرح جائز اور ناجائز کا فرق بیان کرنا ایک غیر عارف سے محال ہے اور اس کے بعد ان کی گمراہی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا کہ ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے مزین کر رکھا ہے۔ اور ان کو راہِ حق سے روک رکھا ہے یہ ایک ایسا پُر مغز اور مدلل بیان ہے کہ نہ معرفت رکھنے والا اس کو ادا نہیں کر سکتا اور اس سے صاف واضح ہے کہ ہدہد کے تصور میں عدلِ خداوندی کا نقشہ بھی تھا اور یہ کہ خدا فعل قبیح کا کبھی مرتکب نہیں ہو سکتا اور خدا قادر ہے کہ کسی پرندہ کو اتنا ہوش و شعور عطا فرمائے کہ وہ ان معاملات کو سمجھ سکے اور بیان کر سکے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس قسم کی چیزیں بعید از قیاس ہیں تو اس استبعاد سے حقیقت اشیاء بدل نہیں سکتی چنانچہ آج کل کے زمانہ ارتقاء انسانی ہیں جب کہ فضائے آسمانی کو مسخر کرنے کے لئے انسانی اذہان بے چین ہیں اور چاند کی فتح کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ ایک طرف دعوے کرنے والے بے دھڑک اور ببانگِ دہل اخباروں میں اور ریڈیائی اطلّاعات میں دھڑا دھڑ اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے خلا باز چاند پر اُتر گئے اور چاند کی سطح پر کچھ دیر رہ کر واپس آگئے انہوں نے چل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی زبان سے بھی اعلان کیا کہ ہم گئے اُترے اور کچھ دیر تک ٹھہرے آپس میں باتیں کیں اور وہاں سے کچھ ساتھ بھی لائے اور اس سب اعلان و اشتہار و دعوے کے باوجود اس سائنسی دور میں بہت کافی انسان ایسے بھی ہیں جو اب تک یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ ناممکن ہے بعید ہے غلط ہے اور سفید جھوٹ ہے۔ اب دنیا کا کوئی مہذب سے مہذب انسان ان سے منوا تو دیکھے بلکہ سُنا ہے بعض مولویوں نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جو چاند پر کسی انسان کے اترنے کو صحیح مانے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یعنی وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اس کی مسلمان عورت اس سے فارغ ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ جو شخص کسی کی بات کو ناممکن کہنے لگ جائے اس سے منوانا بہت مشکل ہوتا ہے بہر کیف یہ ہدہد کا واقعہ جس کی قرآن نے حکایت کی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے مقتضا کے خلاف ہو یا اس کو ناممکن کہا جا سکے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا۔ اگر الّا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو پچھلی عبارت کے ساتھ متصل ہو گا اور ہدہد کی حکایت کا تتمہ ہو گا۔ یعنی شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا ہے لِئَلَّا يَسْجُدُوْا تاکہ وہ اللہ کا سجدہ نہ کریں۔ پس اس صورت میں یہ مفعول ہو گا۔

اور اس کی دوسری قرأت اَلَا يَسْجُدُوْا بغیر تشدید کے ہے اور اس کی اصل ہے اَلَا يَا قَوْمِ اسْجُدُوْا اس اعتبار سے یہ آیت درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ پہلی بات یعنی ہدہد کی حکایت ختم ہوئی کہ وہ شیطان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہیں کہ اللہ کی عبادت کی طرف آتے ہی نہیں ہیں۔ پس ارشاد ہوا کہ اے لوگو اللہ کی عبادت کرو جس نے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ اشیاء کو کتمِ عدم سے نکال کر خلعتِ وجود عطا فرمایا اور ممکن ہے کہ یہ حضرت سلیمان کا مقولہ ہو لیکن پہلی تشدید والی قرأت کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک تو کلام متصل میں جملہ معترضہ کا فاصلہ نہیں پڑتا اور دوسرا يَسْجُدُوْا پر یاء داخل ہے ورنہ اگر الا حرف تنبیہ ہوتا اور یا حرف ندا ہوتا تو کتابت میں یا الگ ہوتا الا یا اسجدوا امر کا صیغہ بغیر اتصال یا کے لکھا جاتا۔ دوسری قرأت کے لحاظ سے امر پر حرف تنبیہ اس لئے ہے کہ مامور کو مامور بہ کی اہمیّت کا احساس دلایا جائے اور اسی بنا پر منادیٰ کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا اور مامور بہ کو فوری طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر الّا یسجدوا پہلی قرأت کے لحاظ سے پڑھا جائے اور اس کو ماقبل کے ساتھ متصل قرار دیا جائے تو آیت کے اختتام پر سجدہ

تلاوت استحباباً کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ آیت میں سجدہ کا حکم نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترک سجدہ پر مذمت کا ہونا سجدہ کی محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے ۔ بنابریں آیت کے اختتام پر سجدہ مستحب ہے ۔ اور اس کا طریقہ پارہ نمبر ۹ کی تفسیر میں گذر چکا ہے ۔

خَبْءَ السَّمٰوٰتِ ۔ اس جگہ خَبْءٌ بمعنی مخبوءٌ ہے یعنی جن اشیاء کو خدا نے کتم عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعت وجود میں ظاہر فرمایا وہ سب مخبوء یعنی پوشیدہ تھیں جن کو عالم خفا سے نکال کر عالم ظہور میں اس نے جگہ دی ۔ بعضوں نے خَبْءٌ کا معنی غیب کیا ہے ۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمانوں کی پوشیدہ چیز جس کو اللہ ظاہر کرتا ہے اس سے مراد بارش ہے اور زمین کی پوشیدہ اشیاء جملہ نباتات ہیں

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ

فرمایا عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا ہے تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ۔ لے جا میرا

بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا

یہ خط پس ڈال طرف ان کے پھر پوشیدہ ہو جا ان سے پس دیکھ وہ کیا جواب

يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ

دیتے ہیں ؟ کہنے لگی اے سرداران قوم میری طرف بھیجا گیا ہے ایک خط

كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

کریم تحقیق وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ع

تحریر ہے اور یہ کہ میرے اوپر سرکشی نہ کرو اور آ جاؤ مسلمان ہو کر

قَالَ سَنَنْظُرُ ۔ جب ہدہد نے اپنے سفر کی رپورٹ پیش کر لی تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تیری خبر کی صحت کا ہم ابھی امتحان لیتے ہیں ۔ چنانچہ آپ نے ایک خط تحریر فرمایا اور سر بمہر کر کے ہدہد کے حوالے کیا اور فرمایا میرا خط ملکہ سبا بلقیس کے پاس لے جا ۔ اور اس کا جواب واپس لے آ ۔

فَاَلْقِهْ ۔ اس کو قاریوں نے تین طریقوں سے پڑھا ہے اَلْقِهْ ۔ اَلْقِهِ ۔ اَلْقِهٖ موجودہ قرآنوں میں پہلی قرأت درج ہے ۔

تَوَلَّ عَنْهُمْ ۔ یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ وہ پرندہ تربیت یافتہ تھا کیونکہ حضرت سلیمان اس کو فرما رہے ہیں کہ خط دے کر ان کی نظروں سے چھپ کر رہنا اور حالات کا خوب جائزہ لیتے رہنا کہ اس کے جواب میں وہ کیا کیا تجویزیں پیش کرتے ہیں ۔ چنانچہ جب ہدہد خط لے کر وہاں پہنچا تو اس وقت ملکہ بلقیس اپنے محل میں سیدھی سوئی ہوئی تھی اور محوِ خواب تھی پس اس نے اس کے سینے پر خط پھینک دیا اور اس کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہدہد کہیں رات کے پچھلے حصہ میں پہنچا کہ اس کے پہنچنے کے بعد سورج کا طلوع ہوا اپنی چونچ میں خط کو لے کر ادھر اُدھر موقعہ کی تلاش میں رہا ملکہ اپنے محل کے اندر تھی ۔ اس کے کمرہ میں مشرقی طرف ایک روشن دان تھا کہ چڑھتے سورج کی روشنی اس

maablib.org

سے گذر کر کمرہ کے اندر پہنچ جاتی تھی اور ملکہ اٹھ کر سورج کا سجدہ کر لیتی تھی۔ ہدہد نے جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے پر مار کر روشندان کی کھڑکی کو بند کر دیا پس کمرے میں اندھیرا ہو گیا حتیٰ کہ سورج کے طلوع کرنے کا بھی ملکہ کو علم نہ ہو سکا پس وہ دن معلوم کرنے کے لئے اٹھی تو اسی نے اس کے سامنے حضرت سلیمان کا مکتوب ڈال دیا ملکہ نے خط کا مطالعہ کیا اور مضمون خط کو سمجھا پھر باہر آئی اور اراکین دولت و مشیران حکومت اور جملہ آفیسران مملکت کو بلایا اس وقت ان کی تعداد تین سو بارہ تھی پس ان کے سامنے حضرت سلیمان کے خط اور اس کے مضمون کا انکشاف کیا۔

کِتَابٌ کَرِیْمٌ - خط کو کریم کہنے کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں (۱) خط بند تھا اور اوپر مہر تھی اس لئے اس کو کریم کہا اور حضورؐ کا بھی فرمان ہے کہ خط کا اکرام یہ ہے کہ اس کو بند کر کے مہر کیا جائے (۲) بسم اللہ کی ابتداء کی وجہ سے اسے کریم کہا (۳) حسن تحریر اور عمدگی بیان کی وجہ سے اس کو کریم کہا (۴) چونکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے متعلق سن چکی تھی کہ وہ جنوں، انسانوں اور پرندوں سب پر وسیع حکومت و سلطنت کا مالک ہے اس لئے ان کے خط کو کریم کا لقب دیا۔

رکوع نمبر ۱۸

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

کہنے لگی اے سردارو! مشورہ دو مجھے میرے معاملہ میں کہ میں نہیں قطعی فیصلہ کرتی کسی

اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا

معاملہ میں یہاں تک کہ تم حاضر ہو کہنے لگے ہم طاقت ور ہیں اور کافی

بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

شجاعت کے مالک ہیں اور حکم تیرے پاس ہے پس دیکھ تو جو حکم کرنا ہے

ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو

قَالَتْ - ملکہ بلقیس نے جب ارکان دولت اور شجاعان لشکر کے سامنے حضرت سلیمان کے خط کا مضمون پڑھا۔ جس میں توحید پروردگار کا سب سے پہلے اعلان تھا چنانچہ خط کا سرنامہ ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا۔ اس کے بعد اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ میں بصورت انکار جنگ کا اعلان اور تہدید کا پہلو بھی ظاہر تھا۔ اور آخر میں وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ کے فقرہ میں صلح کی پیشکش تھی۔ سب نے مل کر حضرت سلیمان کے خط کے تینوں پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور جب کسی صحیح اور حتمی فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو فوجی افسروں نے اپنی وفاشعاری اور جانبازی کا یقین دلایا کہ ہمارے ذمہ میں جو فریضہ ہے ہم اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ ہر بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے کوہ گراں بن کر کھڑے ہونے کو تیار ہیں اور کٹ جائیں گے مٹ جائیں گے لیکن ناموس ملک اور شرافت قوم کے دامن پر تاحیات داغ نہ آنے دیں گے اور سلطنت کی بقا کی خاطر خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں باقی رہا حکومتی فیصلہ تو اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اقتدار اور تخت تیرے ہاتھ میں ہے۔ پس تیرے حکم کے سامنے ہمارے سر حاضر ہیں جو حکم تمہیں بھلا معلوم ہو ارشاد کیجئے اگر اعلان جنگ کرنا ہے تو فوج باوفا سر دھڑ کی بازی لگائے کھڑی ہے اور

اگر صلح کرنی ہے تو ہماری وفا شعاری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

إِنَّ الْمُلُوكَ ۔ ملکہ نے جب فوجی نوجوانوں کو آمادہ حرب و ضرب دیکھا تو کہنے لگی اے میری وفادار فوج کے جانباز وجیالے نوجوانو! اور میرے ملک کے شیر دل بہادرو! میں تمہارے جذبات سے کھیلنا پسند نہیں کرتی۔ ذرا جذبات سے بالاتر ہو کر سوچو اور ٹھنڈے دل سے اس کا صحیح حل تلاش کرو۔ دیکھو آگ لگانا آسان ہے لیکن اس کے پھیل جانے کے بعد اس کا بجھانا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح لڑائی کا چھیڑنا اور اعلانِ جنگ کر دینا آسان ہے لیکن اس کا انجام نہایت بھیانک اور دہشتناک ہے۔ آج تک کی تاریخ کا جائزہ تو لو۔ جب بادشاہ لڑتے ہیں تو تباہی جانبین میں ہوتی ہے اکثر کام کے آدمی اور فوج کے مایۂ ناز نوجوان میدان میں مارے جاتے ہیں۔ بہت سے آباد و شاد گھرانوں کی خوشیاں غموں میں تبدیل ہو جاتی ہیں خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور پھر فاتح بادشاہ جب مفتوح و مغلوب حکمران کے پایۂ تخت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتا ہے تو پہلے شہر تباہ ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی باعزت شہری کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اور یہی دستور آج تک چلا آیا ہے ان سب باتوں کو خوب سوچو اور جذبات کی رو میں جانے اور بہنے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

کہنے لگی تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾

اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہی دستور رہا ہے

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ

اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک ہدیہ پس دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب

الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ

لاتے ہیں پس جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کیا تم میری مدد

بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ

کرتے ہو مال سے حالانکہ جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم لوگ

بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ

اپنے ہدیوں سے خوش ہوتے ہو ان کی طرف واپس جا پس ہم لائیں گے ان کے پاس ایسے

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ ۔ میں اس بات کی مزید تحقیق کرتی ہوں کہ آیا وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے یا دنیا کا بادشاہ ہے۔ پس اگر نبی برحق ہوگا تو ہم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ پس میں ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں اگر دنیاوی بادشاہ

ہوگا تو مالِ دنیا لے کر خوش ہو جائے گا پھر اس کا مقابلہ ہم آسانی سے کر سکیں گے لیکن اگر نبی ہوگا تو دنیاوی مال پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔ پس ہم مقابلہ نہ کریں گے۔ ملکہ بلقیس کی رائے سب نے پسند کی اور اسی کو مجلسِ مشاورت کا آخری فیصلہ قرار دیا گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے پانچ چیزیں تیار کیں۔

(۱) نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں اور سب کو ایک رنگ کا لباس پہنا دیا تاکہ نر و مادہ کی شناخت نہ ہو سکے اور اس میں دو قول اور بھی ہیں

بعض کہتے ہیں کہ ہر صنف کی تعداد دو دو سو تھی اور لباس عورتوں کا لڑکوں کے لئے اور مردوں کا لڑکیوں کے لئے تجویز ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ پانچ سو کی تعداد تھی کہ لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور لڑکوں کو زنانہ لباس ہاتھوں میں سونے کے کنگن گلے میں سونے کے ہار اور کانوں میں موتیوں سے جڑے ہوئے سنہری بُندے پہنائے گئے۔ اور سب کو عمدہ گھوڑوں پر سوار کر دیا گیا جن کی لگامیں موتیوں سے جڑاؤ دار سنہری تھیں اور یہ سب کچھ بطور ہدیہ کے پیش کرنا تھا

(۲) اس میں دو قول ہیں

ایک یہ کہ اطلس و دیباج کے قیمتی کپڑوں میں سونے کی اینٹیں لپیٹ کر بھیجیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ سونے کی پانچ سو اینٹ۔ چاندی کی پانچ سو اینٹ اور ایک یاقوت و جواہر سے جڑا ہوا تاج شاہی بطور ہدیہ کے روانہ کرنا تجویز ہوا۔

(۳) ایک ڈبیہ میں ایک دُرِ ناسفتہ بند کیا اور اس میں ایک مہرہ بھی رکھا جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا۔

(۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے ہدیوں میں ایک عصا بھی بھیجا جو بعد میں حمیر کے شہنشاہوں میں بطورِ وراثت کے یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔

(۵) نیز ایک پانی کا خالی پیالہ بھی ساتھ دیا۔ پہلی روایت کے مطابق اپنی قوم کے ایک شریف آدمی منذر بن عمرو کو بلایا اور عہدہ سفارت اس کے سپرد کر کے چند آدمی چیدہ و فہمیدہ اور بھی اس کے ساتھ کئے۔ نیز ایک خط تحریر کیا۔ جس میں حضرت سلیمان سے درخواست کی گئی کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق نبی ہیں تو عورتوں اور مردوں میں امتیاز کر دیں اور یہ بتائیں کہ ڈبیہ کے اندر کیا چیز بند ہے اور دُرِ ناسفتہ میں سوراخ کر دیں۔

اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ سوراخ نہ لوہے سے ڈالا جائے اور نہ آگ اس کے قریب کی جائے اور ترچھے ٹیڑھے سوراخ والے مہرے میں تاگا ڈال دیں کہ تاگا ڈالنے والا نہ انسان ہو اور نہ جن ہو۔

اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کے سر کا کنارہ اور نیچے کا کنارہ معین کر دیں اور پیالہ کو پانی سے پُر کریں جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا ہو۔ پس یہ سب چیزیں اپنے نامزد سفیر منذر بن عمرو کے حوالہ کیں اور خط بھی ساتھ دیا اور

اس کو یہ بات سمجھائی کہ خیال رکھنا جب پہلی بار ان سے ملاقات ہو تو دیکھنا اگر غصہ سے بھرپور ہو کر تجھے رعب و جلال سے دیکھتا ہو تو سمجھ لینا کہ دنیاوی بادشاہ ہے پس بالکل نہ گھبرانا کیوں کہ ہماری طاقت اس سے کم نہیں ہے لیکن اگر تجھے پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھے اور لطف و کرم کے انداز سے پیش آئے تو یقین کرنا کہ وہ خدا کا فرستادہ نبی ہے۔ پس ادھر سے ہدایا و تحائف لے کر ملک سبا (یمن) سے یہ لوگ روانہ ہوئے اور ادھر ہدہد ان تمام باتوں کو نوٹ کرکے تیز پروازی سے بارگاہ سلیمانی میں پہنچا اور جاتے ہی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی کارگذاری اور پوری حقیقت حال سنا دی۔

حضرت سلیمان نے ہدہد کی رپورٹ مکمل سن لی تو جنوں کو حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کریں چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم میں بہت جلدی کی پھر حکم دیا کہ قیام گاہ سے لے کر چند فرسخ تک پورا میدان صاف کرکے اس پر سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش تیار کر لو اور اس پورے میدان کی چار دیواری مکمل کرو۔ جس کے کنگرے سونے اور چاندی کے ہوں۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گیا تو جنوں کو حکم دیا کہ اپنی تمام اولاد کو یہاں بلا لاؤ۔ چنانچہ سب قوم جنات اکٹھی ہو گئی تو فرمایا میدان کے دائیں بائیں ان کو کھڑا کر دیا جائے۔ پس درمیان میں اپنے شاہی تخت پر حضرت سلیمان علیہ السلام خود جلوہ افروز ہوئے اور چار ہزار کرسی تخت کے دائیں طرف اور چار ہزار کرسی تخت کی بائیں طرف نہایت اچھی ترتیب اور سلیقے سے رکھی گئی شیاطین کو حکم دیا کہ صف بستہ چند فرسخ تک راستے پر کھڑے ہو جاؤ اور دوسری طرف انسانوں کو صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ وحشی جانوروں درندوں حشرات الارض اور پرندوں کو نہایت خوشنما انداز میں صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا چنانچہ راستے کے دائیں بائیں بہت دور تک حضرت سلیمان کی مختلف الاجناس فوج صف بستہ حکم شاہی میں پابند اور چاک و چوبند انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ ادھر سے جب ملکہ بلقیس کے قاصد سامان و ہدیہ لے کر اس میدان کے قریب پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہی ضبط اور فوجی نظم و نسق اور مختلف الاجناس رعایا کا سلیقہ و ڈسپلن ملاحظہ کیا تو ان کے سانس پھول گئے۔ اور حیرت و اضطراب کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے پس شرم کے مارے ہدیے اور تحفے جو ساتھ لائے تھے وہ میدان کی چار دیواری کے باہر پھینک کر اندر آ گئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی دربار میں پہنچ کر آپ کا آداب شاہانہ سے سلام کیا آپ نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھی سے پیش آئے اور بعد خوش آمدید کے بعد فرمایا سناؤ کس مطلب کے لئے آئے ہو تو انہوں نے اپنا سارا پروگرام پیش کر دیا منذر بن عمرو سارے وفد کا سربراہ تھا اس نے ملکہ کا خط پیش کیا آپ نے فرمایا وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے پیش کی تو آپ نے اس کو حرکت دی اور فرمایا اس میں دُرِ ناسفتہ ہے اور ایک مہرہ ہے جس کا سوراخ ٹیڑھا ہے۔ بلقیس کے سفیر نے عرض کی کہ حضور دُرِ ناسفتہ میں سوراخ کرنا ہے اور مہرے میں تاگا ڈالنا ہے۔ آپ نے دیمک کو بلوایا اور حکم دیا۔ پس اس نے باریک تاگا منہ میں لیا اور دُرِ ناسفتہ کی ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی۔ پھر فرمایا اس مہرے میں تاگا

کون ڈالے گا تو ایک سفید رنگ کے باریک کیڑے نے عرض کی حضور یہ کام میں انجام دوں گا پس اس نے باریک تاگہ منہ میں لیا اور مہرے کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پار ہو گیا۔ پھر لڑکیوں اور لڑکوں کے درمیان امتیاز کا مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا تو دیکھا کہ لڑکیاں اپنی فطرت کے مطابق منہ دھونے کے لئے ایک ہاتھ میں پانی ڈال کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملاتی تھیں اور منہ پر پانی ڈالتی تھیں اور لڑکے ہاتھ میں چلو لے کر منہ پر ڈال دیتے تھے ہاتھ دھونے کے لئے لڑکیاں کہنیوں کے اندر پانی ڈالتی تھیں۔ اور لڑکے کہنیوں پر ڈالتے تھے اسی طرح پانی ڈالنے میں بھی فرق تھا کہ لڑکیاں کہنیوں کے باطن پر یکبار پانی ڈال لیتیں پھر ملتی تھیں۔ اور لڑکے پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اوپر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ ان علامتوں سے آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ کر دیا اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کو اوپر کی طرف پھینکا اور فرمایا جو کنارہ پہلے زمین پر واپس آئے اس کو سر سمجھنا پھر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا جب پسینہ پسینہ ہو گئے تو فرمایا پیالے ان کے پسینے سے بھر لو یہ پانی نہ آسمان کا ہے اور نہ زمین کا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ۔ یعنی جب ملکہ سبا بلقیس کا قاصد ہدیے لے کر پہنچا تو حضرت سلیمان نے ہدیوں کو دیکھ کر فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو حالانکہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا مال کافی ہے تم اپنا مال واپس لے جاؤ۔

بَلْ اَنْتُمْ۔ یعنی تم لوگ ایک دوسرے کے ہدیوں کے محتاج ہوتے ہو اور ہدیہ ملنے سے خوش ہوتے ہو لیکن میں اس مالِ دنیا کو حقیر سمجھتا ہوں۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ۔ پھر قاصد سے فرمایا کہ ملکہ سے جا کر کھلے اور واضح الفاظ میں میرا پیغام دے دینا کہ اسلام کے علاوہ میں تمہاری اور کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پس اسلام کو قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو جنگ تمہیں مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ تمہارے بس میں نہیں کہ میری ان دیو پیکر فوجوں کا مقابلہ کر سکو لہذا بہتر ہے کہ ذلت و خواری سے بچو اور اسلام کے دامن میں با امن و امان داخل ہو جاؤ۔

لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۳۷)

لشکر کہ وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے نکال دیں گے ذلیل کر کے کہ وہ خوار ہوں گے

پس جب ملکہ بلقیس کا سفیر واپس پہنچا تو اس نے حضرت سلیمان کی سلطنت نظام ملک عظمت و شوکت اور فوج و لشکر کے متعلق اپنے آنکھوں دیکھے حالات سنائے اور ہدیے بھی واپس لوٹا دیئے اور سب سوالات کے جوابات صحیح بھی پیش کئے تو ملکہ اور اس کی رعایا کو یقین ہو گیا کہ وہ نبی مرسل ہیں دنیاوی حکمران نہیں ہیں لہذا ان سے جنگ کرنا غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ پس حضرت سلیمان کی اطاعت کو قبول کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر بارگاہِ سلیمانی میں نیازمندی کے اظہار کے لئے روانگی کی تیاری شروع کر دی اور آخر کار رختِ سفر باندھ کر اپنی شانِ شاہانہ کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف سفر اختیار کیا۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا۔ ادھر حضرت جبرئیلؑ نے حضرت سلیمانؑ کو اطلاع دے دی کہ ملکہ سبا بلقیس یمن سے روانہ ہو

کر آرہی ہے پس آپ نے ارکین دولت مشیران حکومت اور سرداران لشکر کو خصوصی پیغام بھوا کر ایک مخصوص مجلس مشاورت قائم کی۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اجتماع کی غرض سے سب کو آگاہ کیا کہ ملکہ سبا مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر کے بہر ملاقات یمن سے روانہ ہو چکی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے لہذا تم میں سے کوئی ہے جو میری اس خواہش کو پورا کر سکے اور ملکہ کے تخت منگوانے کی کئی وجوہ مفسرین نے ذکر کی ہیں (۱) تخت بلقیس کی تعریف سن کر آپ اس کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے اور چونکہ آپ کے لئے اس کے اسلام کو قبول کرنے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اس کی آمد سے قبل اس کے تخت کو منگوانا چاہتے تھے (۲) ملکہ کی عقل و دانش کے امتحان کے لئے ایسا کرنا چاہا تاکہ اس کا حلیہ تبدیل ہونے کے بعد وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہ (۳) اپنی نبوت کی صداقت پر ملکہ کو اعجاز دکھانا چاہتے تھے تاکہ اس کا ایمان زیادہ مضبوط ہو جائے کیونکہ وہ اس کو اپنے دار الحکومت میں پولیس و فوج کے پہرہ کے نیچے محلات شاہی میں مقفل کر کے آئی تھی پس اس کا اس سے پہلے پہنچ جانا خالی از اعجاز نہ تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بہت بارعب اور صاحب

قَالَ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَؤُا۟ أَيُّكُمْ يَأْتِينِى بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن

فرمایا (سلیمان) نے اے سردارانِ قوم تم میں کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ پہنچیں میرے

يَأْتُونِى مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ ٱلْجِنِّ أَنَا۠ ءَاتِيكَ

پاس مسلمان ہو کر کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں اس کو لاؤں گا

بِهِۦ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّى عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ

قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور میں اس بات پر قدرت رکھنے

جلال انسان تھے خود پہلے کلام نہ کرتے تھے جب تک کوئی دوسرا سوال نہ کرتا تھا پس ایک دن اپنے تخت حکومت پر اپنی شانِ شاہانہ سے جلوہ گر تھے کہ نزدیک غبار دکھائی دیا آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ حضور ملکہ سبا بلقیس آرہی ہے اور اب فلاں مقام پر قیام پذیر ہے اس وقت آپ کوفہ اور حیرہ کے درمیان موجود تھے اور اس کا قیام وہاں سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا پس آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے جو اس کے مسلمان ہو کر پہنچ جانے سے پہلے پیش کرے ایک دیو بولا میں مجلس برخواست ہونے سے پہلے پیش کر دوں گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام دربار شاہی میں مقدمات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے صبح سے دوپہر تک بیٹھا کرتے تھے۔ جب دیو نے کہا کہ مجلس برخواست ہونے سے پہلے لاؤں گا تو آپ نے فرمایا اس سے بھی جلدی چاہیئے۔

لَقَوِىٌّ أَمِينٌ۔ قوی اس لئے کہا کہ اپنی طاقت پر اس کو بھروسہ تھا کہ میں اس قدر دیر میں لا دوں گا اور امین کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ تخت پر جڑے ہوئے موتیوں اور جواہر کا نقصان نہیں کروں گا اور پوری امانت داری سے یہ فریضہ انجام دوں گا۔

ٱلَّذِى عِندَهُۥ عِلْمٌ مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ۔ اس سے مراد حضرت آصف بن برخیا ہیں جو حضرت سلیمان کے بھانجے بھی تھے اور ان کے پاس وہ اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے ہر دعا مستجاب ہوتی تھی اور بعضوں نے اس کا نام بلخیا۔ اسطوم خضر بھی لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے

maablib.org

کہ وہ جبرئیل امین تھے کہ خدا نے اس کو حضرت سلیمان کا تابع کر دیا تھا اور کتاب سے باختلافِ نظریات لوح محفوظ، جنس کتب سماویہ یا کتاب سلیمان مراد لی گئی ہے۔

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ ۔ یعنی میں پلک جھپکنے سے پہلے لاؤں گا ۔ پس حضرت سلیمان نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی جب نیچے کی طرف دیکھا تو تخت بلقیس حاضر تھا بعض کہتے ہیں کہ حضرت آصف نے سجدہ کیا اور اسمِ اعظم کے ذریعہ سے دعا کی پس تخت بلقیس یمن کے دار الحکومت سبا سے غائب ہو کر حضرت سلیمان کے پاس آ موجود ہوا ۔ جب سلیمان نے کہا کہ لاؤ تو آصف نے کہا یہ لیجئے حاضر ہے اور تخت بلقیس کے فوراً آجانے کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ زمین کی مسافت کو لپیٹ لیا گیا ۔ پس طی الارض کے ذریعے تخت بلقیس پہنچ گیا

اسمِ اعظم

تفسیر صافی میں بصائر الدرجات

اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ

والا امین ہوں ۔ کہا اس نے جس کے پاس کچھ علم تھا کتاب سے میں لاؤں گا اس کو

بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا

قبل اس کے کہ پلٹے تیری طرف تیری پلک پس آپ نے اس کو اپنے پاس ٹھہرا ہوا پایا تو

عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ

کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ کیا میں اس کا شکر کرتا ہوں یا

اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ

کفر کرتا ہوں اور جو شکر کرے تو وہ شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لئے اور جو کفر کرے

اور کافی سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم تہتر حرفوں پر تقسیم ہے اور آصف کے پاس ان میں سے صرف ایک حرف تھا پس اس نے زبان پر جاری کیا تو تخت بلقیس کے نیچے سے زمین کھچ گئی اور آصف نے اس کو پکڑ لیا پھر زمین اپنی حالت پر چشم زدن میں پلٹ گئی اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں اور ایک حرف باقی اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

بروایت عیاشی حضرت علی نقی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اَلَّذِيْ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ کا مصداق آصف بن برخیا ہے لیکن حضرت سلیمان خود بھی اس اسم اعظم سے عاجز نہ تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ جن وانس پر یہ بات واضح کر دیں کہ میرے بعد تم پر حجت خدا یہ ہیں اور یہ بھی حضرت سلیمان کا ہی علم تھا جو انہوں نے آصف کو تعلیم کیا تھا باذن پروردگار، اور اس کو اللہ نے فہم عطا فرمائی تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ ہو ۔ جس طرح حضرت داؤد کی زندگی میں خدا نے فیصلے کی فہم حضرت سلیمان کو عطا فرمائی تھی تاکہ داؤد کے بعد ان کی امامت و نبوت میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے چنانچہ تفسیر کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۲۳۲ پر ہم نے اس کی وضاحت کی ہے اور حضرت سلیمان کی حکومت پر بھی وہاں ایک مختصر نوٹ آیات متعلقہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پاس اسم اعظم کے دو حروف تھے۔ حضرت موسیٰ کے پاس چار حرف تھے۔ حضرت ابراہیم کے پاس آٹھ حرف تھے۔ حضرت نوح کے پاس پندرہ حرف تھے اور حضرت آدم کے پاس پچیس حرف تھے لیکن خداوند کریم نے وہ سب حضرت محمد مصطفےٰ کو عطا فرمائے اسم اعظم کے تہتر حروف ہیں جن میں سے خدا نے بہتر حبیب خدا کو عطا فرمائے اور ایک مخصوص طور پر اللہ نے اپنے پاس رکھا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی اور اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسری سے جدا کر کے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خدا کی قسم ہمارے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ سوال کرتے تھے اور ان کا سوال پورا کیا جاتا تھا اور جب کوئی دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔ اگر وہ آج موجود ہوتے تو ہمارے محتاج ہوتے۔ سید رضی کی کتاب خصائص سے منقول ہے ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام مسجد میں رونق افروز تھے کہ دو شخص مقدمہ لے کر داخل ہوئے ان میں سے ایک خارجی تھا اور فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو کہنے لگا آپ نے فیصلہ درست نہیں کیا اور عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا پس خدا کے نزدیک آپ کا یہ فیصلہ قطعاً پسندیدہ نہیں ہے۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اِخْسَأْ عَدُوَّ اللّٰہِ اے دشمن خدا دفع ہو جا (اخسأ کتے کو بھگانے کے لئے استعمال ہوتا ہے) فوراً وہ شخص سیاہ کتا بن گیا اور حاضرین نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اس کے بدن سے الگ ہو کر ہوا میں چلے گئے۔ راوی کہتا ہے۔ پس وہ آپ کے سامنے عاجزی کرنے لگا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آپ کو اس پر رحم آ گیا پس آسمان کی جانب دیکھا اور لب ہائے مبارک کو کچھ حرکت دی کہ ہم نہ سن سکے بعد ازاں ہم نے دیکھا کہ وہ دوبارہ انسان بن گیا اور اس کے کپڑے ہوا سے پلٹ کر واپس اس کے جسم پر آ گئے۔ پس وہ پاؤں گھسیٹتا اور کانپتا ہوا مسجد سے باہر چلا گیا اور ہم ازراہ حیرت و استعجاب آپ کی جانب دیکھنے لگے فرمایا کیوں فرطِ تعجب سے میری طرف دیکھتے ہو؟ ہم نے عرض کی حضور۔ کیسے تعجب نہ کریں حالانکہ ہم آپ کا اعجاز دیکھ چکے ہیں۔ پس فرمایا حضرت سلیمان بن داؤد کے وصی جناب آصف بن برخیا نے بھی ایک ایسا کام کیا تھا جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کے بعد آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جن میں ملکہ بلقیس کے تخت لانے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہارا نبی افضل ہے یا سلیمان بن داؤد؟ سب نے جواب دیا کہ ہمارا نبی افضل ہے آپ نے فرمایا پھر تمہارے نبی کے وصی کو سلیمان کے وصی سے افضل ہونا چاہیئے۔ حضرت سلیمانؑ کے وصی کے پاس صرف ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے اس نے اللہ سے سوال کیا پس خدا نے اس کے اور تختِ بلقیس کے درمیان سے زمین کو لپیٹ لیا پس اس نے تخت کو پلک جھپکنے کے زمانہ میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حرف ہیں اور باقی ایک حرف ذات پروردگار کے لئے مخصوص ہے یہ سن کر حاضرین مجلس نے عرض کی کہ حضور! اگر یہ بات ہے تو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے آپ فوجی بھرتی کے لئے لوگوں کو کیوں حکم دیتے ہیں تو فرمایا۔ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گذار بندے ہیں اس کی مشیت سے سبقت نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امر کے ماتحت اقدام کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اس لئے دعوت دیتا ہوں تاکہ خدا کی جانب سے حجت تمام ہو جائے اور امتحان پورا ہو لے اگر یہ بات درمیان میں نہ ہوتی تو کوئی

دیر نہ لگتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جس رنگ میں چاہے آزماتا ہے۔ پس ہم وہاں سے اُٹھے حالانکہ آپ کے اعجاز کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزین تھی۔

اختصاص مفید سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا آصف نے صرف اس قدر دیر لگائی کہ ایک مرتبہ پیچھے دیکھا اور پھر سامنے تا حدِ نگاہ نظر کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر تخت بلقیس سامنے رکھ دیا اور دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اس نے انگلی کا اشارہ کیا اور تخت بلقیس کو سامنے پایا۔

امام علی نقی علیہ السّلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ حضرت سلیمان آصف کے محتاج نہ تھے کیونکہ آصف کا علم بھی بحکم پروردگار حضرت سلیمان کے علم سے ماخوذ تھا صرف اپنی اُمت کو اس کی اہمیت دکھلانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ ہو۔ اب اس اعتراض کی اہمیت ہی کوئی نہیں رہی کہ اتنی جلدی میں تخت بلقیس کیسے لایا جا سکتا ہے؟ کیونکہ دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات نے اہل دنیا سے منوا لیا ہے کہ خزائنِ ارضیہ میں سے انسان اپنے خداداد دماغ کی بدولت ایسے عجائب و غرائب امور حاصل کر سکتا ہے کہ کوتاہ بین لوگ اس کے تصور سے بھی قاصر ہوتے ہیں کسی زمانہ میں اس قسم کی تیزی باعثِ تعجب تھی لیکن دورِ حاضر میں یہ استعجاب حماقت کا دوسرا نام بن گیا ہے ہوائی جہازوں کی فضا میں پرواز لوگوں کے لئے باعثِ حیرت تھی جب قدم اس سے بھی آگے بڑھا تو پچھلا استعجاب معمول بن گیا اور نئی ایجاد نے مقامِ حیرت لے لیا اب راکٹوں کا سلسلہ اور آسمانی بلندیوں کے طے کرنے کا پروگرام اور چاند کی فتح کا مسئلہ وغیرہ سابق انبیاء کے معجزوں کی تصدیق کا پہلو دامن میں لئے ہوئے ہیں اور یہ یاد رہے کہ سائنس کی ترقیاں نت نئے روپ بدل کر اپنے سابق نظریات کو جھٹلا سکتی ہیں لیکن اسلامی نظریات کو تا قیامت غلط نہیں کہا جا سکتا اور ہر آنے والا دن اُن کی تصدیق کے مواد لے کر طلوع کرتا ہے اور سائنس دن بدن اسلامی نظریات کے قدموں میں جھکتی چلی جا رہی ہے جن لوگوں نے حضورؐ کے معراج جسمانی کو ناممکن کہا تھا کیونکہ علم ہیئت جو پرانے زمانے کی سائنس تھی آسمانوں کے خرق والتیام کو محال کہتی تھی اور کرۂ نار اور کرۂ زمہریر جو بلندی میں ہوا سے اوپر فرض کر لئے گئے تھے ان سے گذرنے کو ناممکن قرار دیتی تھی اب نئی ترقیات اور تازہ ترین ایجادات جو سائنسی ترقی کے اہم کرشمے ہیں انہوں نے سابق سائنس کے نظریات کو خیالات فرسودہ قرار دے دیا اور خرق والتیام کی محالیت کو غلط ثابت کر دیا نیز کرۂ زمہریر و کرہ نار کے مفروضے کو عمل سے غلط ثابت کر کے رکھ دیا اور آسمانی فضاؤں کو تسخیر کائنات کے امکان کے تحت چیرتے ہوئے چاند پر اپنا علم جا لہرایا اور ابھی تک ان کی للچائی ہوئی نظریں بہت دور تک پڑ رہی ہیں کہ آنے والا زمانہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ بہر کیف انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ مادی طاقتوں کے بل بوتے پر انسان فضاء و خلا سے پار ہو سکتا ہے اور ملکوت سماویہ تک رسائی پا سکتا ہے تو قدرتِ خداوندی کے ماتحت پیغمبر کا قاب، قوسین تک پہنچنا کیا مشکل ہے اور اس لحاظ سے پھر ملکہ بلقیس کے تخت کو یمن سے شام تک چشم زدن میں حاضر کرنا کیا بعید ہے۔ جب مادی طاقتیں سابق کے ناشدنی امور کو واقع کا لباس پہناتی چلی جا رہی ہیں تو روحانی طاقتیں اور خدائی قدرتیں یقیناً اس سے بہت زیادہ کر سکتی ہیں اور جس طرح مادی طاقتوں کی چشم دید بلند پروازی کو غلط کہنا حماقت ہے۔ اسی طرح روحانی کرشموں اور نبوتی معجزوں کو محل استعجاب قرار دینا بھی کور باطنی اور حماقت کے سوا اور کچھ نہیں

قَالَ نَكِّرُوْا ۔ جب تخت بلقیس حضرت سلیمانؑ کے سامنے آیا اور ادھر ملکہ کی آمد آمد ہوئی تو آپ نے حکم جاری کیا کہ ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تاکہ ہم اس کی عقل کا امتحان لیں آیا وہ تبدیلی کے بعد اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہ؟ یا یہ امور اس کی ہدایت ایمانی کے باعث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اعجاز سے تخت کا چشم زدن میں اس کی آمد سے پہلے پہنچنا قدرتِ خدا کا مظہر تھا اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت کی تصدیق کا پیش خیمہ تھا۔ پس اس کی عقل ودانش کا جائزہ لینے کی خاطر اس میں سے جڑے ہوئے موتی اکھیڑ لئے گئے۔ اور ان کی ترتیب میں ردوبدل کر کے سرخ کی جگہ سبز اور زرد کی جگہ سرخ اور سبز کی جگہ سفید وغیرہ دوبارہ جڑ دیئے گئے اور ملکہ کی آمد پر اسی تخت کے اوپر دعوتِ استقبالیہ کا انتظام کیا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَتْ ۔ جب ملکہ پہنچی اور شانِ شاہانہ کے مطابق اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور شاہی تخت پر ہی اس کو جگہ دی گئی تھی لہٰذا آپ نے اس سے دریافت فرمایا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۔ کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہے پس ملکہ نے فوراً حکمت وتدبر کے دریا میں غوطہ لگا کر جواب میں ایسے جواہر ریزے پیش کئے کہ علم ودانش کی بارگاہ سے صدائے آفرین وتحسین گونج اٹھی کہا كَاَنَّهٗ هُوَ ۔ نہ اثبات نہ انکار، اثبات اس لئے نہ کیا کہ اس میں تغیر رونما تھا اور انکار اس لئے نہ کیا کہ جو کچھ اس کے تخت میں تھا وہ اس میں موجود تھا صرف تبدیلی وتغیر تھا نیز یہ بھی خیال تھا کہ اس کو اپنے پایہ تخت میں فوج و پولیس کے پہرہ میں چھوڑ آئی ہوں اور اس قدر مختصر مدت میں اتنی دوری سے اس کا لایا جانا بھی قدرتِ بشر سے باہر ہے۔ البتہ مافوق البشر طاقت اس کو لا سکتی ہے اور اس کی انتہائی دانائی ہے کہ هُوَ هُوَ یعنی یہ وہی ہے، نہیں کہا کہ مبادا وہ نہ ہو اور جھوٹ بن جائے اور لَیْسَ هُوَ یعنی یہ وہ نہیں، بھی نہیں کہا کہ ممکن ہے وہی ہو اور جھوٹ بن جائے پس بین بین جملہ کہہ کر مطلب کو ادا کیا كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی گویا یہی وہی ہے یا ایسا لگتا ہے کہ یہی وہی ہے۔ پس اس کو تسلی دلائی گئی کہ یہ تیرا ہی تخت ہے جس کو تو اپنے محل کے سات دروازے مقفل کر کے اندر چھوڑ آئی ہے اور یہ قدرت پروردگار کا کرشمہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا

پس تحقیق میرا رب غنی کریم ہے فرمایا متغیر کر دو اس کے تخت کو ہم دیکھیں

نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

کہ کیا پہچانتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو پہچان کی توفیق نہیں پاتے

فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ

پس جب آئی تو کہا گیا کہ تیرا تخت اس طرح ہے؟ کہنے لگی گویا یہی

هُوَ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾

وہی ہے اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو گیا تھا اور ہم تسلیم کر چکے تھے

وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ - اس میں تین قول ہیں (۱) ملکہ بلقیس نے جب سنا کہ یہ وہی میرا تخت ہے جو قدرت خدا سے باعجاز یہاں پہنچا ہے تو کہنے لگی ہمیں پہلے سے تیری نبوت کا علم ہو گیا تھا جب کہ ہمیں اپنے سفیر نے پلٹ کر مفصل رپورٹ پیش کی تھی پس ہم اللہ کی قدرت اور اس کی توحید کا اُسی وقت سے اقرار کر چکے تھے اور ہم مسلمان ہو چکے تھے ملکہ اندازِ گفتگو سے بھانپ گئی کہ میری عقل و دانش کا امتحان لیا جا رہا ہے اور اظہار معجزہ سے ایمان توحید و ایمان نبوت کے لئے اختبار مقصود ہے تو جواب دیا کہ میں آپ کی نبوت اور توحید پروردگار کی معرفت پہلے سے حاصل کر چکی ہوں لیکن عبادت خدا سے مجھے یہ چیز مانع رہی ہے کہ میرا گذارا قوم کفار کے ساتھ ہے (۲) یہ حضرت سلیمان کا کلام ہے جب ملکہ بلقیس سے سوال و جواب ہو چکا تو فرمایا ہمیں توحید پروردگار اور اس کی بے پایاں قدرت و صنعت و حکمت کا پہلے سے علم دیا جا چکا ہے اور ہم اس کے حکم کے سامنے تسلیم کرنے والے بندے ہیں (۳) سلیمان و بلقیس کی باہمی گفتگو سن کر یہ جملہ قوم سلیمان نے کہا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب ملکہ سبا پہنچ چکی تو حضرت سلیمان نے قوم جن کو حکم دیا کہ ایک عالی شان محل تیار کریں جس کا فرش شیشے کا بچھایا جائے اور اس کے نیچے پانی کا بہت بڑا حوض ہو جس میں مچھلیاں مینڈک اور دوسرے بحری جانور چھوڑ دیے جائیں اور اس کی دیواروں پر بھی آئینہ کاری ہو اور مروی ہے کہ جنوں اور شیطانوں نے جب ملکہ بلقیس کی ملک سبا سے آمد کی خبر سنی تھی تو ان کو یہ خوف

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ
اور روکا اس کو اس نے جس کی عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا کیونکہ وہ تھی کافر قوم
قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (۴۳) قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ
میں سے کہا گیا داخل ہو صحن میں پس جب اس کو دیکھا تو خیال کیا
لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ
پانی کی لہر اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا فرمایا سلیمان نے یہ صحن ہے جس پر فرش کیا گیا ہے
قَوَارِيْرَ ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ
شیشے کا کہنے لگی اے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب اسلام لائی ہوں ساتھ
سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۴) ع ۱۸
سلیمان کے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے

پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا حضرت سلیمان اُس سے شادی کر لے ورنہ ہم کو ہمیشہ اس کا اور اس کی اولاد کا تابع فرمان رہنا پڑیگا کیونکہ ملکہ بلقیس کی ماں قوم جن کی عورت تھی لہذا انہوں نے ملکہ کا غلط تعارف کر دیا ہوا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں اس لئے انہوں نے یہ آزمائشی طریقے اختیار فرمائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں پر بال کثرت سے تھے بہر کیف

حسب الحکم قوم جن نے عالی شان محل تعمیر کیا اور فرش شیشے کا بنایا اور نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کرکے اس میں مچھلیاں اور دیگر دریائی جانور چھوڑ دیئے۔ پس حضرت سلیمان نے نو تعمیر شدہ محل میں اپنا عالی شان تخت نصب کرایا اور ملکہ کو اندر آنے کی پیشکش کی جب ملکہ قریب پہنچی تو پانی کو موجزن دیکھ کر گھبرا گئی۔ کہنے لگی کیا ابن داؤد کو میری سزائے موت کے لئے پانی میں غرق کرنے کے علاوہ اور طریقہ کار کوئی نہیں سوجھا اب بزدلی کرکے پیچھے ہٹنا شانِ شاہی کے خلاف تھا لہٰذا پاؤں سے کپڑے کا دامن بلند کرکے آگے قدم رکھا ادھر حضرت سلیمان محل کے اندر سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے فرمایا یہ محل ہے یا محل کا فرش ہے جو شیشے سے تیار کیا گیا ہے پانی نہیں ہے صَرْحٌ کا معنی صحن اور محل دونوں کئے گئے ہیں، پس اندر داخل ہوئی اور حضرت سلیمان کو قوم جنّات کی غلط بیانی کا علم ہو گیا البتہ ملکہ کے پاؤں پر بال بکثرت تھے جس کے لئے قوم جنّات نے نورہ و ہڑتال سے ایک بال صفا نسخہ تیار کیا اور یہ انہی کی ایجاد ہے جو استعمال کے لئے ملکہ کو دیا گیا۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ ۔ اس کی دو تاویلیں ہیں (۱) جب صحن کو پانی سمجھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئی تو اس کے لئے معافی مانگی کہ میں بدگمانی کرکے اپنے نفس پر ظلم کر چکی ہوں۔ اے اللہ مجھے معاف کر اور میں سلیمان کے ساتھ اسلام لا چکی ہوں (۲) جب اندر محل میں داخل ہوئی اور سلیمان کی شاہانہ شان و شوکت اور تخت کی عظمت کا ملاحظہ کیا اور ان کے معجزات کا تصور کیا تو معرفت توحید و نبوت کا فانوس اس کے دل میں فروزاں ہوا پس اپنے سابقہ کفر سے توبہ کرتے ہوئے یہ کلمات زبان پر جاری کئے اور مروی ہے کہ اندر پہنچتے ہی حضرت سلیمان نے اس کو دعوت اسلام دے دی۔ اور معجزات تو پہلے دیکھ کر تسلی کر چکی تھی پس یہ کلمات کہہ کر اسلام کا اظہار کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور حکومت ملک سبا اس کے حوالہ کر دی اور مروی ہے کہ زوبعہ نامی ایک جن کو حکم دیا جو وزیر امور جنات تھا کہ یمن میں پہنچ کر ملکہ بلقیس کے لئے ضروری امور کی انجام دہی کرے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں مصر اور فلسطین کے علاقوں میں صنعتی ترقی بہت زیادہ ہوئی چنانچہ بیت المقدس کی تعمیر اور اہرام مصر میں بہت بڑے پتھروں کا استعمال جو دورِ حاضر میں بغیر مشینوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے یہ قوم جن کی تسخیر کا نتیجہ تھا نیز فراعنہ مصر کے جسموں کا آج تک باقی رہنا انہی کی ایجاد کردہ ادویہ کے نتیجے میں ہے جن کی حقیقت سے دورِ حاضر کے مفکر بھی نا آشنا ہیں۔ حضرت سلیمان کا ایک نملی کو دعوت دینا سورہ نور کی تفسیر میں عظمتِ پروردگار کے عنوان میں مذکور ہے۔

رکوع نمبر ۱۹
حضرت صالح کا ذکر
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور تحقیق ہم نے بھیجا طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو کہ عبادت کرو اللہ کی

حضرت صالح اور اس کی قوم کا ذکر ج ۶ ص۱۹۹ تا ص۲۰۶ ج ۸ ص۱۹۴ اور اسی جلد میں سورہ شعراء ص۲۰۶ میں بیان ہو چکا ہے

فَرِیْقَانِ ۔ یعنی کچھ ایمان لائے اور زیادہ کفر پر رہے اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا رہتا تھا۔

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ

پس وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے (صالحؑ نے) کہا اے قوم کیوں جلدی کرتے

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

ہو عذاب کی بجائے رحمت کے کیوں نہیں تم معافی مانگتے اللہ سے تاکہ تم رحم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ

کئے جاؤ کہنے لگے بدشگونی حاصل کی ہم نے تیری وجہ سے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے

عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي

فرمایا تمہاری شگون بد اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جن کا امتحان لیا گیا اور تھے شہر میں

الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا

نو آدمی جو فساد کرتے تھے زمین میں اور نہ

يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ

اصلاح کرتے تھے (انہوں نے آپس میں) کہا کہ قسمیں کھاؤ اللہ کی کہ اس کو رات میں قتل کرو اور اس کے

ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا

گھر والوں کو پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے ہمیں نہیں معلوم اس کو اور اس کی اہل کو کس نے قتل کیا اور ہم

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ

سچے ہیں اور انہوں نے مکر کی تجویز کی اور ہم نے جواب مکر کی تجویز کی اور ان کو کوئی پتہ

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ

نہ تھا پس دیکھ کس طرح ہوا انجام ان کے مکر کا

يٰقَوْمِ ۔ وہ کہتے تھے کہ جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ جلدی لے آ۔ حضرت صالحؑ ان کو عذاب طلب کرنے سے روکتے تھے کہ ایسا نہ کرو بلکہ رحمت مانگو۔

اِطَّيَّرْنَا ۔ خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا تو کہنے لگے ہماری یہ بدبختی تیری اور تیری جماعت کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بدبختی تمہارے اعمالِ بد کے نتیجہ میں تم پر اللہ نے بطور امتحان کے بھیجی ہے۔

تِسْعَةُ رَهْطٍ ۔ ابن عباس سے ان کے نام یہ منقول ہیں (۱) قدار بن سالف (۲) مصدع (۳) دھمی (۴) دھیم (۵) دعمی (۶) دعیم (۷) اسلم (۸) اقبال (۹) صداف ۔ انہوں نے علیحدہ مشورہ کیا اور قسم کھائی کہ رات کے اندھیرے میں حضرت صالحؑ اور اس کے سب گھر والوں کو قتل کر دیں گے یہ جس شہر میں تھے اس کا نام حجر تھا

أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ

تحقیق ہم نے ان کو تباہ کردیا اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر خراب

خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

پڑے ہیں بوجہ ظلم کے تحقیق اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

جو جانتے اور ہم نے نجات دی ایمان والوں کو اور وہ جو تھے ڈرتے

وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ

اور بھیجا ہم نے لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرتے ہو تم بے حیائی دانستہ

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

طور پر کیا تم بدکاری کرتے ہو مردوں سے شہوت

دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

بغیر اپنی عورتوں کے بلکہ تم جاہل لوگ ہو پس نہ تھا جواب

قَوْمِهٖۤ إِلَّآ أَنْ قَالُوْۤا أَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے

إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَهْلَهٗۤ إِلَّا

تحقیق یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں پس ہم نے ان کو نجات دی اور اس کی اہل کو مگر

امْرَأَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

اس کی عورت کہ مقدر کیا ہم نے اس کو پیچھے رہنے والوں میں اور برسایا ہم نے ان پر

اس لئے ان کو سورہ حجر میں اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھا اور جس وادی میں یہ شہر تھا اس کو وادی قری کہتے ہیں اور آپس میں طے یہ ہوا کہ اس کو قتل کر کے اس کے وارثوں سے کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم خود موجود تھے اور نہ ہمیں پتہ ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے یہ مکر کی تجویز کی اور اللہ نے اپنے مقام پر ان کو سزا دینے کی تجویز کی چنانچہ حضرت صالحؑ کو رات کے وقت قتل کرنے کے لئے گئے تو خدا نے فرشتوں کو بھیج دیا اور انہوں نے پتھر برسا کر ان کو فی النار کر دیا اور یہ واقعہ ناقہ کے قتل کرنے کے بعد کا ہے کیونکہ ناقہ کے قاتل تو یہی لوگ ہی تھے بعض محرک اور بعض فاعل اور دوسری روایت میں ہے خدا نے حضرت صالحؑ کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا

چنانچہ وہ چلے گئے پس ان کو گرفتارِ عذاب کر کے مار دیا اور قمیری روایت میں ہے کہ حضرت صالح کو قتل کرنے جا رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے پس اللہ نے ان کے اُوپر اس پہاڑ کو گرا دیا اور وہ دب کر ہلاک ہو گئے اور ان کے گھر خراب و خالی ہو گئے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حجر میں حضرت صالح علیہ السّلام نے دامنِ کوہ میں ایک مسجد بنائی ہوئی تھی جس میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ نے ان کو گرفتاریٔ عذاب کے لئے تین دن کا چیلنج کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ تین دن تک یہ سب مر جائیں گے

مَطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى

مینہ پس بُرا تھا مینہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا کہہ دے حمد ہے اللہ کی اور سلام اس کے ان

عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

بندوں پر جن کو اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک بنا رہے ہیں

اور ہمیں ان سے فارغ ہو جائیں گا آؤ تین دنوں کے اندر اندر ہم ہی اُس سے فارغ ہو جائیں چنانچہ اسی مسجد کی طرف روانہ ہوئے جس میں آپ نماز میں مشغول تھے تو پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر گرا اور وہ سب کے سب اسی کے نیچے دب گئے جو باقی پیچھے موجود تھے ان پر صیحہ کا عذاب آیا جو پہلی جلدوں میں مذکور ہو چکا ہے اور تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ کے لفظ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ وجودِ خدا کے منکر نہ تھے بلکہ اس کے قائل تھے لیکن شرک کی مرض میں مبتلا تھے کہ غیر اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کے سامنے جھکتے تھے چنانچہ وہ حضرت صالحؑ سے صاف کہتے تھے کہ تیرے کہنے سے کیونکر ہم ان کی عبادت کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پُوجتے چلے آئے ہیں۔

وَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۔ اس آیت مجیدہ میں اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ جو ظالم ہو بالآخر اس کے نتیجے میں اس کا گھر تباہ ہوتا ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت موجود ہے جو پتہ دیتی ہے کہ ظالم کا گھر تباہ ہوا کرتا ہے اور تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی اور حضرت صالح علیہ السّلام ان کو لے کر حضر موت کی طرف گئے اور وہاں آپ کی رحلت ہو گئی اس بنا پر اس جگہ کا نام حضر موت ہو گیا۔

حضرت لوطؑ کا ذکر

وَلُوْطًا ۔ تفسیر کی ج ۶ صفحہ ۵۹ ج ۷ صفحہ ۲۳۴ ج ۸ صفحہ ۱۹۰ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۰۸ پر حضرت لوطؑ کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مُراد اصحاب محمدؐ ہیں۔ دُوسری روایت میں ہے کہ پوری اُمت محمدیہ مراد ہے لیکن تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مُراد آلِ محمد علیہم السّلام ہیں اور وہی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔

٢٠

عـــــــــ

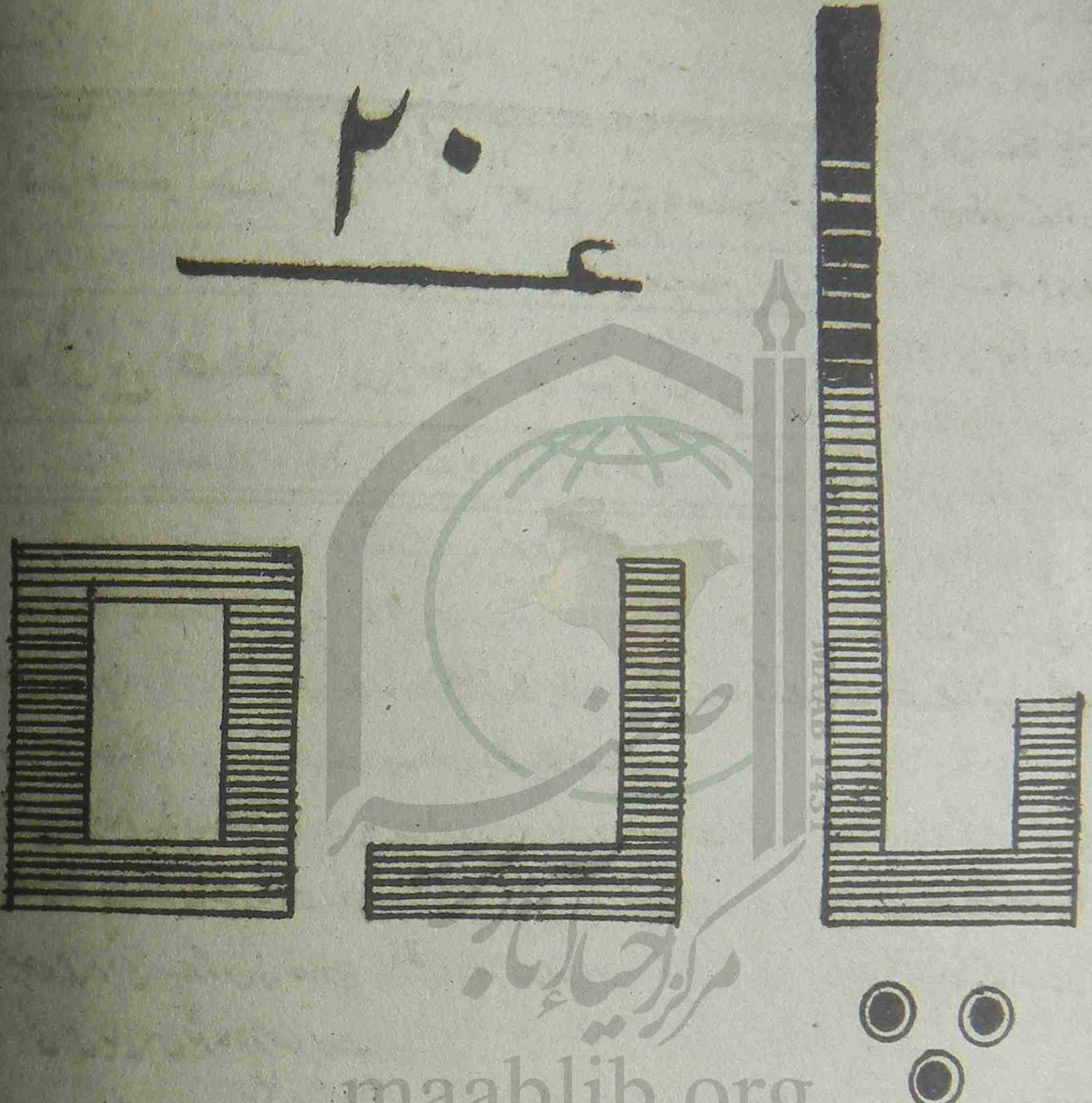

maablib.org

رکوع نمبر ۱ - بیان توحید

اَمَّنْ خَلَقَ۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال لطف سے اتمام حجت کے طور پر اپنی توحید پر اس رکوع میں کافی روشنی ڈالی ہے اور ان آیاتِ مجیدہ میں کائناتی امور میں سے پندرہ اہم افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ ان سب کو میں نے ہی انجام دیا ہے اور اس میں میرا کوئی شریک نہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا (۲) آسمان سے پانی برسانا (۳) سبزیوں اور باغات وغیرہ کو اگانا ان تین اوصاف کو استفہامِ انکاری کے رنگ میں اپنی طرف منسوب کرکے اپنے تخلیقی کارنامے میں اپنی وحدت کا اعلان فرمایا۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے۔ یعنی ان سابقہ تین صفات کو کسی کی طرف منسوب کرنا اسے الٰہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ میں ہی ان کا فاعل ہوں اور میں ہی واحد الٰہ ہوں (۴) زمین کو ٹھہرنے کے قابل بنایا (۵) دریاؤں نہروں کا پیدا کرنا (۶) پہاڑوں کی تخلیق (۷) دو پانیوں کے درمیان تلخ اور شیریں کی صفائی میں پردہ کو قائم رکھنا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور اس کی قریبی اور حسی مثال انڈے کے اندر سفید اور زرد دو پانیوں کے درمیان جب کہ ظاہری کوئی پردہ نہیں پس اللہ کی جانب سے قدرتی حد موجود ہے جس کی وجہ سے سفید و زرد دو پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ ان چار افعال کو شمار کرکے فرمایا کوئی ہے دوسرا الٰہ جو یہ کام انجام دے سکے اور اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی کو ان کاموں کا فاعل سمجھے گویا اس نے اللہ کے علاوہ الٰہ تجویز کیا (۸) مصیبت زدوں کی فریادوں کو سننا اور قبول کرنا (۹) صاحبانِ مصیبت کی مصیبت

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے

مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ

پانی پس اگائے اس کے ذریعے سے باغات رونق دار تمہارے بس میں نہیں تھا کہ

اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

اگاتے اس کا پودا کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ بلکہ وہ لوگ (راہ حق سے)

يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ

عدول کرتے ہیں کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے قابل اور بنائیں اس کے اندر

خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

نہریں اور بنائے اس کے لئے پہاڑ اور مقرر کیا دو دریاؤں

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

کے درمیان پردہ کیا کوئی الٰہ ہے اس کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر

کو دور کرنا اور مشکلیں آسان کرنا (۱۰) زمین پر نسل بعد نسل تصرف دینا اور گذشتگان کا خلیفہ (جانشین بنانا) ان تین صفتوں کو ذکر کر کے پھر چیلنج کیا کہ کوئی ہے دوسرا الٰہ جو مصیبت کے ماروں کی فریادیں سنے اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے اور زمین پر تمہاری نسل کو قائم رکھے۔ گویا جس نے اللہ کے سوا کسی کو فریاد رس حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا (۱۱) بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت کرنا (۱۲) باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا لانا جن میں بارش کی خوش خبری موجود ہو۔ پھر ان

يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَ
جانتے کون سنتا ہے مصیبت زدہ کی فریاد جب اس کو پکارے اور
يَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ
دور کرتا ہے مصیبت اور کرتا ہے تم کو خلیفہ زمین کا کیا کوئی الٰہ ہے ساتھ اللہ
قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ
کے بہت کم سوچتے ہو کون ہدایت کرتا ہے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں
وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے اپنی رحمت سے پہلے
ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ تَعَٰلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَؤُا
کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ بلند ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں کون ابتداءً پیدا کرتا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ
ہے پھر دوبارہ اٹھائے گا اور کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے

دو صفتوں کے بعد چیلنج کو دہرایا کہ کوئی ہے اور الٰہ جو یہ کام کر سکے یعنی جس نے غیر اللہ کو یہ کام کرنے والا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا اور یہاں اس کا حکم بھی ذکر کر دیا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور اللہ بلند و بالا ہے ان مشرکانہ عقائد و خیالات سے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے (۱۳) مخلوق کا ابتداءً پیدا کرنا (۱۴) دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا (۱۵) آسمان و زمین کے وسائل سے رزق دینا۔ ان اوصاف کو ذکر کر کے پھر چیلنج کیا کہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو یہ کام کر سکے یعنی جو بھی ان کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دے گیا اس نے اس کو اللہ کا شریک قرار دیا حالانکہ ان امور میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر ان پندرہ اوصاف و افعال کے بیان کرنے اور ان میں شریک کی نفی کرنے کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو لوگ ان باتوں میں میرا کسی کو شریک بناتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہم نے عقائد شیعہ کے موضوع پر ایک مفصل و مدلل کتاب

لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار لکھی ہے اس میں مسئلہ توحید کی کافی وضاحت موجود ہے جس کو توفیق ہو اس کا مطالعہ کرے۔ بے شک ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جنہوں نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک قرار دے دیا۔ یہودی حضرت عزیر کو غلو کرکے اللہ کا بیٹا اور کاروبار میں اس کا شریک مان کر مشرک ہو گئے اور نصرانی حضرت عیسیٰ کے بارے میں غلو کرکے مشرک بن گئے اسی طرح بعض آلِ محمدؐ کے محب کہلانے والے فرطِ محبت میں غلو کرکے آلِ محمدؐ کو اللہ کا شریک قرار دے بیٹھے اور ان کی پشت پناہی میں بعض جیب تراش منبر کے ٹھیکیدار مولوی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور انہوں نے اعلانیہ آلِ محمدؐ کے دین کو مسخ کرنے اور ان کی تعلیم کو معطل کرنے کا پروگرام بنا لیا اور ادھر ادھر کی چند رطب و یابس روایات کا سہارا لے کر محکمات سے کنارہ کش ہوتے ہوئے متشابہات سے مطلب براری کو غنیمت سمجھا۔ پس آلِ محمدؐ کو کائنات کے تکوینی نظام کا مختارِ کل ثابت کرکے اللہ کو معطل سمجھ لیا۔ علمائے حقہ کا فرض ہے کہ ایسے بدلگام مولویوں کی ہاؤ ہو سے مرعوب نہ ہوں اور عوام کی نعرہ بازی سے ہرگز نہ گھبرائیں بلکہ منہاجِ نبوت پر پرچمِ توحید کو بلند رکھنے کے لئے جرأت سے قدم بڑھاتے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ اکثریت ہر زمانہ میں باطل پرستوں کی ہوتی ہے اور اللہ کے بندے تھوڑے ہی ہوتے ہیں نیز اکثریت ہمیشہ حق کے خلاف شور مچایا کرتی ہے۔ دلیل و برہان میں ان کی زبان گنگ اور پاؤں لنگ ہوتے ہیں اور حق والوں کے پاس اپنی صداقت کے لئے دلیل و برہان کا مضبوط سہارا ہوتا ہے کاش لوگ قرآن کی آیات سے درس لیتے اور آلِ محمدؐ کی تفسیر کے ماتحت ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ کہہ دو لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا

کہہ دو نہیں جانتا جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو مگر

اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ

اللہ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے بلکہ یقینی ہو جائے گا

عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ

ان کا علم آخرت میں بلکہ وہ شک میں ہیں بلکہ وہ

علم غیب اَلْغَيْبَ۔ مسئلہ غیب کی وضاحت ہم نے تفسیر کی گذشتہ جلدوں میں کر دی ہے۔ مثلاً ج ۴ ص۔۔ ج ۵ ص۲۲۱ ج ۶ ص۱۳۵ ج ۷ ص۲۴ و ص۲۵۲۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی انہیں یہ شعور نہیں کہ ہم نے دوبارہ بروز قیامت زندہ ہو کر اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ۔ لفظ ماضی کے ہیں اور معنی مستقبل کا ہے گویا قیامت کے یقینی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے یعنی کفار اب دنیا میں تو عقیدۂ قیامت کا انکار کرتے ہیں لیکن بروزِ محشر ان کا علم متدارک یعنی کامل ہو جائے گا اور آنکھوں

سے دیکھ لیں گے بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کے علم سے اندھے ہیں۔ان کے انکار میں قوت کو ظاہر کرنے کے لئے بل کو لایا گیا۔یعنی جس چیز کو اب نہیں مانتے قیامت کو تو علم یقینی اور عینی کے ساتھ ان کو ماننا پڑے گا بلکہ دنیا میں تو وہ سننے اور سمجھنے کے بعد شک کی دلدل سے نہیں نکلتے پھر ترقی کر کے کہا گیا کہ نہیں بلکہ وہ سوچنے کی جرأت سے محروم ہیں اور اس معاملہ میں بالکل اندھے ہیں

صافی میں نہج البلاغہ سے منقول ہے۔ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بعض آنے والی چیزوں کی خبریں بیان فرمائیں تو کسی نے کہہ دیا کہ حضور آپ تو علم غیب کو جانتے ہیں آپ ہنس پڑے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک ذی علم سے سیکھی ہوئی چیز ہے۔علم غیب قیامت کا علم ہے اور وہ امور جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے پس اللہ ہی جانتا ہے کہ مادہ کے رحم میں مذکر ہے یا مونث۔بدصورت ہے یا خوبصورت۔سخی ہوگا یا بخیل اور شقی ہوگا یا سعید نیز جہنم میں کون جائے گا اور جنت میں کون جائے گا۔پس یہ وہ علم غیب ہے جس کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کے علاوہ اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے اور انہوں نے مجھے سکھایا ہے اور انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکوں اور میرے اعضا اس پر حاوی رہیں۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے حق میں ہے بخدا وہی مضطر ہے جب آئے گا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرے گا۔اور دعا مانگے گا تو اللہ اس کی دعا کو مستجاب کر کے اس سے مصیبت کو دور کرے گا اور اسے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور یہ اس آیت کی تاویل ہے نیز ایک طویل روایت کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ بخدا وہی حضرت قائم آل محمدؐ مضطر ہیں اور وہ پڑھا کرتے ہیں یا پڑھیں گے۔اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ الخ۔ہمارے قبلہ و کعبہ استاد العلام مولانا سید محمد یار شاہ صاحب مدظلہ العالی کا یہ دستور ہے جب بھی دفع مصیبت کے لئے کسی کے حق میں دعائے خیر کریں تو کم از کم دس مرتبہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ الخ پڑھ کر دعا کرتے ہیں اور خدا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی مصیبتیں دور فرما دیتا ہے اور جو بھی ان سے مصیبت کے دفع کے لئے دعا کا طریقہ دریافت کرے تو ان کو بھی یہی طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔اور حدیث سابق سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام اپنے دور غیبت میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ کا ورد کرتے ہیں یا یہ کہ بوقت ظہور اس کو پڑھیں گے

رکوع نمبر ۲

قَالَ الَّذِیْنَ بار بار اپنے اسی سوال کو کافر دہراتے رہے کہ مٹی ہونے کے بعد ہمیں کیونکر دوبارہ اٹھایا جائے گا یہ باتیں ہمارے باپ دادا بھی سنتے آئے ہیں اور یہ پرانی کہانیاں ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہے اور ان کو بار بار یہی جواب دیا گیا کہ جو ذات ایجاد پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کر کے تم کو اٹھائے گی۔

وَیَقُوْلُوْنَ۔ یہ جھوٹے بندوں کا دستور ہے کہ ایک سوال کو چھوڑا پھر دوسرا شروع کر دیا

مِنْهَا عَمُوْنَ ۶۶ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اس سے اندھے ہیں ۔ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے کیا جب ہم ۔ اور

پھر تمسخراً علیٰ ہذا القیاس کہنے لگے اچھا تم جس عذاب کی خبر ہم کو سناتے ہو وہ کب آئے گا؟

قُلْ عَسٰی۔ لغت کے لحاظ سے عسٰی امید کے معنی میں ہوتا ہے لیکن جب خدا فرمائے تو اس میں شک کا معنی نہیں رہتا بلکہ یقین مراد

وَاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو ہم نکالے جائیں گے قبروں سے تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے

مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِیْرُوْا

باپ دادا سے پہلے کا نہیں یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی کہدو سیر کرو

فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿٦٩﴾

زمین میں پس دیکھو کس طرح انجام ہوا مجرموں کا

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور نہ غم کھا ان پر اور نہ ہو تنگ دل اس سے جو وہ مکر کرتے ہیں

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ

اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ (عذاب کا) اگر ہو تم سچے ؟ کہدو

عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾

شاید ہوگا قریب تمہارے لئے بعض وہ جس کی تم جلدی کرتے ہو

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ

اور تحقیق تیرا رب صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر

لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ

نہیں کرتے اور تحقیق تیرا رب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے

وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا

اور جو ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی غائب آسمان و زمین میں مگر وہ

ہوتا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جس عذاب کی جلدی چاہتے ہو اس میں سے بعض کو تو عنقریب چکھو گے اور باقی دائمی عذاب بعد میں ہوگا تو یہی عذاب سے مراد جنگ بدر میں قتل و قید کا عذاب ہے۔ اور رُدِفَ کا معنی قُرُبَ اور دَنَا یعنی قریب ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ

یعنی قرآن مجید نے وہ باتیں فیصلہ کن بیان کیں۔ جو میں قوم یہود اختلاف رکھتی تھی مثلاً ان کے درمیان حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعہ میں اختلاف تھا۔ اور قرآن نے اس کو مفصل بیان کردیا۔ اسی طرح جس نبی کی تورات میں خوشخبری دی گئی تھی بعض اس سے یوشع مراد لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ابھی آنے والا ہے اور قرآن نے اس کو واضح کردیا کہ اس سے مراد حضورؐ کی ذات اور قوم یہود کی کتابوں کا مطالعہ نہ ہونے

فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ

کتاب مبین میں ہے تحقیق یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ ھُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ

پر اکثر وہ چیزیں جو ہیں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور تحقیق یہ

لَھُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے ہے تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان

بِحُکْمِهٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّكَ

اپنے حکم سے اور وہ غالب و دانا ہے پس توکل کر اللہ پر تحقیق تو

عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ

واضح حق پر ہے تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں

الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی

کو آواز جب وہ پیچھے پلٹ جائیں اور نہیں تو ہدایت کر سکتا

الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا

اندھوں کو ان کی گمراہی سے تو صرف سنا سکتا ہے ان کو جو ایمان لائیں ہماری آیات

فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا

پر پس وہ تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں اور واقع ہوگا ان پر قول (عذاب) تو نکالیں گے ہم ان کے

لَھُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا

لئے دابۃ الارض کو جو ان سے بولے گا تحقیق لوگ ہماری

کے باوجود ان امور کا ذکر حضورؐ کا ناقابل انکار معجزہ ہے۔

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ جس طرح مردے کوئی بات نہیں سنتے اسی طرح کفار بھی تیری باتوں کے لئے مردوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر زندہ ہیں تو بہروں کی طرح ہیں جس طرح وہ نہیں سن سکتے۔ خصوصاً جب پشت کر کے جا رہے ہوں۔ اور چونکہ یہ لوگ بھی قرآن کی آواز کانوں پر پڑتے ہی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں اور جس طرح اندھے انسان کو راستہ دکھانا ناممکن ہے۔ اسی طرح ان کی ہدایت بھی ناممکن ہے۔ البتہ اندھوں کو ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود پر لے جایا جا سکتا ہے لیکن اس مقام پر یہ تیری ڈیوٹی نہیں ہے

دابۃ الارض

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ یعنی جب لوگوں پر عذاب واجب ہو جائے گا کہ ان سے خیر کی توقع نہ رہے گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجود ختم ہو جائے گا۔ تو اس وقت اللہ کی

maablib.org

جانب سے فیصلہ یہ ہوگا۔

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ۔ یعنی ہم زمین سے دابۃ الارض نکالیں گے۔ اور یہ صفا و مروہ کے درمیان سے ظاہر ہوگا اور وہ خبر دے گا کہ یہ مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ پس تکلیف کا زمانہ ختم اور توبہ کا دروازہ بند ہوگا اور یہ چیز علائم قیامت سے ہے۔ وہ ہر مومن کو چھوڑے گا اور ہر کافر کو مارے گا وہ وقوف مزدلفہ کی شب کو نکلے گا جب کہ لوگ منیٰ کی طرف جا رہے ہوں گے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد دم دار حیوان نہیں ہے بلکہ وہ صاحب ریش (مرد) ہوگا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا میں عصا ہوں اور صاحب علامت ہوں یعنی مومن کی پیشانی پر ایمان کی نشانی اور کافر و منافق کی پیشانی پر کفر و نفاق کی نشانی لگانے والا میں ہوں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا حضرت علی علیہ السلام ریت کی ڈھیری اکٹھی کر کے اوپر سر رکھ کر سوئے ہوئے ہیں پس حضورؐ نے پیر لگا کر فرمایا قُمْ يَا دَابَّةَ الْاَرْضِ یعنی اے دابۃ الارض اٹھو صحابہ میں سے ایک شخص بولا حضورؐ کیا ہم بھی ایک دوسرے کو اس نام سے بلا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم یہ صرف اسی کا ہی لقب ہے اور یہی وہ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس فرمایا اے علی۔ جب آخری زمانہ آئے گا تو خدا تجھے بہترین شکل و صورت عطا کر کے بھیجے گا اور تیرے پاس میسم ہوگا۔ (یعنی نشان لگانے کا آلہ) کہ اس کے ذریعے سے اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگائے گا۔ الحدیث۔ نیز منقول ہے ایک شخص نے عمار بن یاسر سے کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت نے میرا دل خراب کر دیا ہے اور مجھے شک میں ڈال دیا ہے عمار نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہی آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی دریافت کیا۔ عمار نے جواب دیا بخدا میں کھانے پینے اور بیٹھنے سے پہلے تجھے دابۃ الارض دکھلاؤں گا۔ پس عمار اس شخص کو حضرت امیر المومنینؑ کے پاس لایا جب کہ آپ خرما اور مکھن کھا رہے تھے۔ آپ نے عمار کو دعوت دی پس وہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ وہ شخص حیرت سے دیکھتا رہا جب وہاں سے اٹھ کر واپس ہوئے تو اس شخص نے کہا۔ سبحان اللہ۔ تو نے تو قسم کھائی تھی کہ کھانے پینے بلکہ بیٹھنے سے بھی پہلے تجھے دابۃ الارض دکھاؤں گا وہ وعدہ کیا ہوا؟ جواب دیا اگر تیرے پاس عقل ہے تو میں تجھے دکھا چکا ہوں۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دابۃ الارض میں ہوں۔

ایک دفعہ اصبغ بن نباتہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ گھی اور سرکہ سے کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اصبغ کہتا ہے میں نے یہ آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی پوچھا آپ نے فرمایا وہ دابہ ہے جو گھی اور سرکے کے ساتھ روٹی کھاتا ہے۔

ایک دفعہ معاویہ نے اصبغ پر اعتراض کیا کہ تم شیعہ لوگ حضرت علی کو دابۃ الارض کہتے ہو۔ اصبغ نے جواب دیا کہ اس کے یہودی لوگ بھی قائل ہیں۔ معاویہ نے راس الجالوت کی طرف آدمی بھیج کر اس کو منگوا لیا اور پوچھا کیا تمہارے نزدیک دابۃ الارض بھی کہیں لکھا ہے۔ اس نے کہا ہاں معاویہ نے پوچھا تجھے پتہ ہے اس کا نام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا اس کا نام ایلیا ہے پھر اصبغ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ اے اصبغ واقعی ایلیا اور علی دونو لفظ ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

جناب رسالتمآبؐ سے بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ جب دابۃ الارض کا خروج ہوگا تو اس کے ہمراہ حضرت موسیٰ[14]

کا عصا حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی وہ مومن کے چہرہ کو عصا موسٰے سے روشن کریں گے اور کافر کے چہرے پر خاتم سلیمان سے مہر کریں گے۔

رکوع نمبر ۳- آمد قائمؑ وَیَوْمَ نَحْشُرُ۔ مذہب امامیہ میں جو لوگ رجعت کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ایک ایک گروہ نہ اٹھے گا۔ بلکہ اس دن تو سب لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور اس مضمون کی احادیث آئمہ ہدیٰ سے بکثرت وارد ہیں کہ قیام مہدیؑ کے قریب اللہ تعالےٰ ان کے شیعوں اور موالیوں میں سے ایک جماعت کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا تاکہ ان کی نصرت وامداد کا ثواب حاصل کریں اور ان کی پرکیف و پرامن حکومت کی بہاریں دیکھیں۔ نیز ان کے دشمنوں میں سے بھی ایک قوم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے اور ان کو آپ کے شیعہ کے ہاتھوں دنیا کا وہ عذاب بھی چکھایا جائے جس کے وہ مستحق تھے اور آپ کی حکومت کی عظمت وشوکت ان کو دکھا کر رسوا و ذلیل کیا جائے۔

بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

آیات پر یقین نہیں رکھتے اور جب ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ

فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤی

ان میں سے جو جھٹلاتے تھے ہماری آیات کو پس وہ روکے ہوئے ہونگے یہانتک کہ

اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا

جب آئیں گے تو فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا تھا ہماری آیات کو حالانکہ تم کو ان کا علمی احاطہ

عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ

نہ تھا بھلا تم کیا کرتے رہے ہو! اور واجب ہوگا

الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

قول (عذاب) انہیں پر بوجہ ظلم کے پس وہ نہ بولیں گے

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے اسی آیت مجیدہ کے ذیل میں فرمایا۔ دنیا میں جس قدر مومن قتل کی موت مرے ہیں وہ اٹھائے جائیں گے اور پھر اپنی طبعی موت مریں گے اور جس قدر مومن اپنی طبعی موت سے مرے ہیں ان کو اٹھایا جائے گا۔ پس وہ قتل کی موت سے مریں گے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں عقیدۂ رجعت کو بعض شیعوں کا عقیدہ قرار دے کر بعد میں فرمایا کہ اس میں شک کرنے کی گوئی گنجائش نہیں کہ یہ چیز اللہ کی قدرت شاملہ میں داخل ہے اور ایسا کرنا محالات ذاتیہ میں سے نہیں ہے۔ اور گذشتہ امتوں میں اس قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ان کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ موجود ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ اور اس کے علاوہ دیگر واقعات جو اپنے مقامات پر گذر چکے ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ سے خبر صحیح میں وارد ہے کہ میری امت میں وہ سب واقعات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل

ہیں گذرے ہیں جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے حتاکہ اگر ان میں سے کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہو گا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ اور جو لوگ امامیہ میں سے رجعت کے قائل نہیں ہیں وہ اس قسم کی تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو رجعت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اس سے مراد لیتے ہیں کہ حکومت اور شاہی آل محمدؐ کی ہوگی اور محبانِ آل محمدؐ اس زمانہ میں خوشحال ہوں گے۔ نہ کہ گذشتہ لوگ پلٹ کر دوبارہ آجائیں گے۔ ان کے استدلال کو نقل کرنے کے بعد علامہ طبرسی خود فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُعَوَّلُ فِیْ ذٰلِكَ عَلٰی اِجْمَاعِ الشِّیْعَةِ الْاِمَامِیَّةِ وَاِنْ کَانَتِ الْاَخْبَارُ تَعْضُدُہٗ وَتُؤَیِّدُہٗ۔ یعنی اس عقیدہ میں بڑی دلیل جس پر اعتماد ہے وہ ہے شیعہ امامیہ کا اجماع اور جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ اس اجماع کی مؤید ہیں۔ (لہٰذا احادیث کی تاویل کرنے سے عقیدہ کا بطلان ثابت نہیں ہو سکتا) اس سے ان کا رجحان اسی طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ رجعت کے قائل ہیں اور یہی حق ہے کیونکہ معصوم نے رجعت کا بیان فرماتے ہوئے آیت مجیدہ کو بھی استدلال کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ آیت رجعت پر دلالت کرتی ہے اور بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو پوچھا جائے گا کیا تم نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان آیات سے مراد حضرت امیرالمومنینؑ اور باقی آئمہ طاہرین ہیں۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عامہ لوگ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا قیامت کے دن ہر امت سے ایک ایک گروہ کو اٹھایا جائے گا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائے گا بلکہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے اور قیامت کے متعلق آیت یہ ہے وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا یعنی ہم ان کو محشور کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔

وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم نے میری آیات یعنی آئمہ وانبیاء کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے فکر و تدبر کر کے اور انصاف عدل کے تقاضوں پر عمل کر کے ان کو صحیح پہچانا ہی نہیں تھا اور نہ تم نے ان کی صحیح معرفت حاصل کی تھی۔

اَمَّاذَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ تنبیہ اور سرزنش ہے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تم نے ان کو جھٹلا دیا۔ یہ تم کیا کرتے رہے ہو؟

مُبْصِرًا۔ یعنی روشن کہ اس میں تم چیزوں کو دیکھتے ہو اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہو۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنائی رات تاکہ سکون کریں اس میں اور دن

مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۸۶) وَیَوْمَ

دکھانے والا تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائے اور جس دن

نفخ صور

وَیَوْمَ یُنْفَخُ۔ نفخ کا معنی ہے پھونکنا اور صور کے متعلق اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ یہ صورت کی جمع ہے مقصد یہ ہے کہ صورتوں میں روح پھونکے جائیں گے پس وہ زندہ ہو کر محشور ہوں گے۔ اور تفسیر صافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ وہ نور کا ایک سینگ ہے جس کا ایک کنارہ چوڑا اور دوسرا تنگ ہے پس اس کا ایک کنارہ اسرافیل فرشتے کے منہ میں ہے کہ وہ نفخ کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس میں اس قدر سوراخ ہیں جس قدر انسانی ارواح۔ پس ہر روح کا الگ الگ سوراخ ہے (اور اس کے نفخ سے ہر روح اپنے متعلقہ جسم میں چلا جائے گا) اور مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ جب پہلی دفعہ نفخ ہوگا تو تمام زمین و آسمان کے ساکنین کے دل دہل جائیں گے اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی جب دوسری دفعہ نفخ ہوگا تو تمام ذی روح مر جائیں گے اور تیسری دفعہ نفخ ہوگا تو سب زندہ ہو کر دوبارہ محشور ہوں گے۔

اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ۔ یہ ان کا استثنا ہے جن پر نفخ صور سے گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور وہ چار فرشتے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل اور مروی ہے کہ شہداء پر بھی گھبراہٹ نہ ہوگی اور اس میں انبیاء و آئمہ سب داخل ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ۔ یعنی اس دن دیکھو گے کہ پہاڑ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے۔ یعنی جس طرح گھنے بادل جب چھائے ہوئے ہوں تو دیکھنے سے وہ چلتے معلوم نہیں ہوتے حالانکہ چل رہے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ بھی کثرت اور پھیلاؤ کی وجہ سے ساکن معلوم ہوں گے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ۔ یعنی پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضا میں پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔

يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

پھونکا جائے گا صور میں پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَكُلٌّ

ہیں مگر وہ جو چاہے اللہ اور سب آئیں

أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

گے اس کے پاس ذلیل ہو کر اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو تو خیال کرے گا ان کو جمے ہوئے

وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ

حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی طرح یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے مضبوط بنایا

شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ

ہر شی کو تحقیق وہ باخبر ہے جو تم کرتے ہو جو بجا لائے نیکی

أَتْقَنَ كُلَّ۔ یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں عیب نکالنے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں پس اس کی وضع و ہیئت کو اس طرح مکمل بنایا جس کے وہ لائق تھی۔

بِالْحَسَنَةِ۔ اس سے مراد کلمہ توحید و اخلاص ہے اور بعضوں نے اس سے مراد ایمان لیا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حسنہ سے مراد ولایت علیؑ ہے۔ اور سیئہ سے مراد اس کے دشمنوں کی تابعداری ہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنہ اہل بیت کی محبت و ولایت کی معرفت ہے۔ اور سیئہ اہل بیت کا بغض اور ولایت کے انکار کا نام ہے

maablib.org

فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۔ یہاں خیر سے مراد ہے اچھی جزا اور مِن تعلیلیہ ہے یعنی اس کو اچھی جزا ملے گی بوجہ ایمان و ولاء آل محمدؐ کے لہٰذا یہاں خیر کو افعل التفضیل کا صیغہ قرار دینا غلط ہے کیونکہ معنی ہو جائے گا کہ اس کو جو جزا ملے گی وہ اس ایمان یا ولا سے بہتر ہوگی ۔ حالانکہ ایمان یا کلمہ توحید و اخلاص یا ولاء آل محمدؐ سے کوئی چیز اچھی نہیں ہو سکتی ۔

آمِنُونَ ۔ آیت بتلاتی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اہل توحید اہل ایمان اور اہل ولاء محفوظ ہوں گے ۔

فَكُبَّتْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حسنہ سے مراد ہم اہل بیت کی محبت ہے ۔ اور سیئۃ سے مراد ہمارا بغض ہے اور دوسری روایت میں جابر سے مروی کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا ۔ اے علیؑ ۔ اگر میری امت روزے رکھے کہ کمزوری کی وجہ سے تاگے کی طرح ان کے جسم کمزور ہو جائیں ۔ اور نمازیں اس قدر پڑھیں کہ کمریں ان کی جھک جائیں اور پھر تیرے ساتھ بغض رکھتے ہوں تو منہ و ناک کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے ۔

حُرمت مکّہ

اِنَّمَا اُمِرْتُ ۔ صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو گرایا تھا تو اس کی بنیادوں میں ایک پتھر دیکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا پس انہوں نے ایک پڑھے لکھے آدمی سے پڑھوایا اس کی تحریر کا مقصد یہ تھا میں اللہ مکہ کا مالک ہوں میں نے اس کو حرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین و آسمان کو خلق کیا اور میں نے اس کو ان دو پہاڑوں کے درمیان رکھا اور اپنے سات فرشتے اس پر موکل کئے ہیں ۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ جس دن فتح کر کے مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کا دروازہ کھولا اور کعبہ کے اندر بنی ہوئی مورتیوں کو مٹایا پس دہلیز کعبہ کو پکڑ کر فرمایا ۔ خبردار! اللہ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ۔ جس دن سے آسمانوں اور زمین کو اس نے پیدا کیا ۔ پس وہ اللہ کی

فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿٨٩﴾

تو اس کے لئے بہتری ہوگی اس کی وجہ سے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے

وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ

اور جو کرے برائی پس اُلٹے منہ جائیں گے دوزخ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا

دکھایا جائے گا، تم کو نہیں جزا دی جاتی مگر اس کی جو تم کرتے رہے تھے سوائے اس کے

أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي

نہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کروں اس شہر کے رب کی جس نے اس کو حرمت

حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ

والا بنایا اور اس کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

maablib.org

حرمت سے حرمت والا رہے گا۔ قیامت تک نہ اس کے اندر شکاری جانور کو خوف زدہ کیا جائے گا۔ نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا۔ نہ اس کا لقطہ اٹھانا کسی کے لئے جائز ہے سوائے اس کے جو اس کو اس غرض سے اُٹھائے کہ مالک کو تلاش کرکے واپس دے

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى
ہوں مسلمانوں میں اور یہ کہ تلاوت کروں قرآن کی پس جو ہدایت پائے گا تو
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ
وہ ہدایت پائے گا اپنی ذات کے لئے اور جو گمراہ ہو (تو اس سے) پس کہہ دو میں تو ڈرانے
اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
والوں میں سے ہوں اور کہہ دو حمد ہے اللہ کے لئے
سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ط وَمَا
عنقریب دکھائے گا تم کو اپنی نشانیاں پس جان لو گے ان کو اور نہیں
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع
تیرا رب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

گا۔ آپ کے چچا عباس نے عرض کی حضور۔ اذخر تو عام کام آنے والی چیز ہے تو آپ نے اس کو مستثنا قرار دے دیا۔

اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ۔ یعنی میں نے قرآن کے ذریعے تبلیغ کرنی ہے پس جو مان لے گا اس کا اپنا فائدہ ہے۔ اور جو گمراہ رہے گا تو نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوگا میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کسی کو زور سے راہ راست پر چلانا میرے عہدے میں نہیں ہے۔

والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

پس اس مقام پر دسویں جلد ختم ہوئی اور سورہ قصص سے گیارہویں جلد انشاء اللہ شروع ہوگی۔ اس وقت صبح دس بجنے سے پانچ منٹ کم ہیں۔

آج بروز چہار شنبہ ۱۵ ماہ مبارک رمضان ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء ۱۱ بجکر ۲۶ منٹ ب کو اس جلد کے مسودہ سے فارغ ہوا ہوں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھے اپنی کتاب کریم کی تفسیر کی توفیق مرحمت فرمائے اور آلِ محمدؐ کے نقش پر صحیح چلنے کی سعادت عنایت کرے اور میرے اور میرے والدین کے اور جملہ اعزأ واقارب کے اور سب مومنین کرام خصوصاً میرے اساتذہ کے جملہ گناہان کبیرہ وصغیرہ کو دامنِ عفو میں جگہ دے اور اس تفسیر کے مطالعہ کی مومنین کرام کو ہمت عطا فرمائے۔ نیز جملہ ایسی رکاوٹوں سے محفوظ رکھے جو اس کی اشاعت کی راہ میں حائل ہوسکیں۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ فَعَلَيْهِ اَتَوَكَّلُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

یہاں تفسیر کی جلد نمبر ۱۰ ختم ہے اور مومنین کرام سے دعا کی التماس ہے کہ خدا ہمیں اپنے کلام مقدس کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

☆ تحفہ برائے ایصال ثواب ☆

یہ کتاب مرحوم اکبر علی اسد پیتھابھائی

کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے

کہ ایک سورۃ فاتحہ مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں

وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

انوار النجف

دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے والی آسان اردو زبان میں قرآن مجید کی بہترین تفسیر ہے بلکہ آج تک سلیس اردو زبان میں ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اپنے بچوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیجیے نیز اپنے حلقۂ اثر میں اس کی اشاعت بڑھا کر خدمتِ قرآن مجید میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کیجیے۔ تا حال اس کی آٹھ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ہدیہ فی جلد

پانچ روپے غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک

لمعۃ الانوار

عقائد مذہب شیعہ

کے موضوع پر مفصل و مبسوط کتاب ہے۔ دور حاضر کے اختلافی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت آسان، مدلل اور قابل قبول انداز میں واضح کیا گیا ہے

ہدیہ

چھ روپے پچاس پیسے

ناشر

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ انوار النجف • دریا خان • ضلع میانوالی

(۲) مولوی غلام حیدر صاحب دار العلوم محمدیہ بلاک ۱۹ سرگودھا

MAAB 1431
maablib.org